رخسانہ نگار عدنان

گر مجھ سے محبت ہے

''تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔'' اماں نے کچن سے نکل کر اتنی زور سے کہا کہ وہ جو محو ہو کر ''پرانی جینز'' سن رہی تھی' کھڑے کھڑے اچھل ہی پڑی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

'' توبہ ہے اماں! جان ہی نکال دیتی ہیں۔ جا تو رہی ہوں۔ آپ کی بہن آ رہی ہیں۔ ہمارا سانس لینا دوبھر کر دیا ہے آپ نے۔'' آخری دو جملے وہ صرف منہ میں بڑبڑا سکی تھی کیونکہ اماں کی جوتی پیر نکل کر ہاتھ میں آ چکی تھی۔ اس نے لمبی چھلانگ لگائی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ انجم اور صبوحی کھلکھلا کر ہنسیں تو اسے اور غصہ آ گیا۔

''ان نوابزادیوں کو کچھ نہیں کہتیں۔ مزے سے بیٹھی بکریوں کی طرح مونگ پھلیاں چگ رہی ہیں اور گانے سُن رہی ہیں۔ ساری سختیاں میری جان کے لئے ہیں۔'' وہ جاتے جاتے باآواز بلند کہنے سے نہ رہ سکی۔

''یہ سارا گھر آئینے کی طرح کس نے چمکایا ہے۔ صبح سے دونوں جتی ہوئی تھیں۔ تمہیں تو کتابیں چاٹنے سے فرصت نہیں ملتی اور میں بتا رہی ہوں' اب اس اسٹور میں جا کر ''اسٹور'' نہ ہو جانا۔ آ کر جوتیوں سے سیدھا کر دوں گی۔ لڑکی تیری ہڈ حرامیاں اب میری برداشت سے باہر ہوتی جا رہی ہیں۔ غضب خدا کا لوٹھا کی لوٹھا ہو چکی ہے اور کوئی کام نہیں آتا

اور زبان کی دھار دن بہ دن تیز ہوتی جا رہی ہے۔'' اماں تو اور بھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر وہ اسٹور میں گھس چکی تھی۔

''بلب فیوز ہے' ادھر کا بستر کیسے نکالوں۔'' اندھیرے میں دیوار پہ ادھر ادھر ہاتھ مار کر اکلوتا بٹن تلاش کر کے جلانے کی کوشش میں ناکام ہوتے ہی وہ چلائی۔

''صبح ہی لگایا ہے مونی نے بلب' آنکھیں کھول کر دیکھ۔'' اماں جواباً اس سے بھی بلند آواز میں چلائی تھیں۔

''آنکھیں کھول کر ہی تو دیکھ رہی ہوں۔ بند آنکھوں سی چل کر یہاں تک تو نہیں آ گئی۔''

''صحیح کہتی ہیں اماں' تمہاری زبان بہت چلنے لگی ہے اور دھیان غائب۔'' افشین آپی نے نہ جانے کدھر سے کھٹ سے بلب جلا دیا تھا۔ نئے بلب کی پیلی چمکیلی روشنی سارے اسٹور میں پھیل گئی۔

''کمال ہے' میں نے جلایا تو حضرت دم سادھے آنکھیں موندے پڑے رہے۔'' وہ بلب کو دیکھ کر بولی۔

''تمہاری طرح کی ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور......''

''ہائیں۔'' اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

''آپ کے منہ کو کیا ہوا۔'' سفید لئی میں ان کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

''بدتمیز ماسک لگایا ہوا۔'' یوں چلا رہی ہو جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔'' وہ اس کے کندھے پر دھموکا لگا کر باہر نکل گئیں۔

''توبہ میرے اللہ' یہ شادی تو بہت مشقت طلب کام ہے۔ کبھی ابٹن لگاؤ تو کبھی ماسک' کبھی کھولتے پانی پر منہ رکھ کر لال ٹماٹر جیسے ہو جاؤ تو کبھی ٹب میں پانی اور الابلا ڈال کر بیٹھے رہو اور یہ افشین آپی اچھی بھلی تو ہیں۔ انہیں بھلا ان ٹوٹکوں کی کیا ضرورت۔ نہیں جی' ایک ہی دن آتا ہے زندگی میں۔ سہ... سے حسین انگنا ہے' چاہے...... ''علی پور کا ایلی'' آہا......''

اس کا ہاتھ گدوں کو اٹھاتے ہوئے کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔

''یہ صبوحی نے لائبریری سی منگوائی تھی' واپس نہیں کی۔''

''تھینک گاڈ! میرے تیس چالیس صفحات تو رہتے تھے۔'' خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ اسٹور میں کیا کرنے آئی تھی۔ کتاب لے کر گدوں کے اوپر ہی پھسکڑا مار کر بیٹھے بیٹھے ٹائم کا پتا نہیں چلا۔

وہ ایک سین پر منہ کھول کر ابھی پوری طرح سے ہنس بھی نہیں پائی تھی کہ پیچھے کمر پر پڑنے والی کسی زوردار چیز کی تکلیف سے کتاب تو اچھل کر پیٹی کی سائڈ پر جا گری اور اس کی آنکھیں جیسے باہر کو ابل گئیں اور دل دھک دھک کرتا جیسے ابھی باہر نکل آئے گا۔

''کمبخت مجھے پتا ہوتا کہ تیری یہ پڑھائیاں تجھے ایسا ناکارہ اور بے کار بنا دیں گی تو پہلے دن تیری کتابوں کو آگ میں جھونک دیتی۔ ایک تو اللہ نے ٹوکرا بھر بیٹیاں دے دیں' اوپر سے ایسی نالائق' ڈھیٹ اور ہونق۔ پتا نہیں آگے جا کر کیا کریں گی۔ ناک کٹوائیں گی میری اور اپنے باپ کے نام کو بٹا...... باہر موسم کا حال دیکھ، قیامت کی سردی کے ساتھ تیز بارش اور تجھ سے ابھی تک ایک بستر نہیں لگایا گیا۔ ابھی باپ آئے گا' اس کے سامنے کتابیں لحاف بنا کر پیش کر دینا۔ نہ تجھے کچھ پکانا آتا ہے۔ برتن دھوتے تیرے ہاتھ ٹوٹتے ہیں۔ صفائی سے نازک طبیعت بوجھل ہوتی ہے۔ سبزی بنانے سے الجھن ہوتی ہے اور نوابزادی شہزادی صاحبہ! کون سا کام آپ کے شایان شان......''

''اماں مہمان آ گئے۔'' مونی نے اماں کے شان دار خطاب کو بھرپور فل اسٹاپ لگانے کی کوشش کی اور وہ لگ بھی گیا۔

''نامراد بچ گئی آج میرے ہاتھوں سے۔ پر اب میں تیرا علاج کر کے ہی چھوڑوں گی۔ تو تو میری عزت مٹی میں رول دے گی۔'' اماں اسے ایک اور زوردار دھموکا لگاتے ہوئے باہر نکلیں تو اس نے اپنے گٹھڑی بنے وجود کو کچھوے کے خول سے باہر نکالا۔

''اتنی شان دار تواضع ہو رہی تھی آپ کی' میں ناحق مخل ہوا۔'' مونی اسے منہ چڑا کر ہنسا تو وہ دانت کچکچا کر بستر اٹھانے لگی۔

''شادی کسی کی وبال جان ہمارے لئے' صبح منہ اندھیرے سے جو الٹے سیدھے کاموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو رات گئے تک یہ کام ختم نہیں ہوتے۔ صبا چائے بنا دو' ابا کو کھانا دے دو' یہ جرسیاں لفافوں میں ڈالو، ناموں کی پرچیاں لکھو۔ چل میرا بچہ تیری لکھائی اچھی ہے کارڈ تو لکھ لو۔ ذرا سامان کی فہرست دوبارہ بنا لو۔ پیٹی کا ڈھکن پکڑو میں ذرا سامان

چیک کرلوں۔ آدھا گھنٹا پیٹی کا سامان چیک نہیں ہو پاتا اور ڈھکن پکڑے پکڑے ......'' وہ تین گدے سر پر اُٹھائے منہ میں بڑ بڑاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی' جسے خالہ اماں کے لئے اماں نے گیسٹ روم بنا دیا تھا۔

وہ زور سے کسی سے ٹکرائی تھی اور گدوں سمیت لڑھکتی ہوئی پلنگ کی پٹی سے جا ٹکرائی۔

''اندھے ہو' نظر نہیں آرہا۔ بستر لے کر آرہی ہوں' پھر بھی دیوار چین بن کر کھڑے ہو گئے۔''

وہ پٹی سے ٹکرائی کمر کو سہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی' وہ سمجھی مونی ہے مگر یہ تو...... سامنے کھڑا لڑکا قطب صاحب کی لاٹ کی طرح اسی جگہ گڑا تھا' جہاں اس سے ٹکرایا تھا۔ اس نے پاؤں سے سر تک اسے دیکھ ڈالا۔

''یہ تم ایک دم اتنے لمبے ہو گئے یا سال بہ سال مہنگائی کی طرح بڑھے ہو۔''

''جی......'' وہ حیرانی سے بولا۔

''آنکھیں تو پوری کھول لو تا کہ پتا چلے حیران ہو رہے ہو۔'' وہ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں پر طنز کرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھی۔

''ایں' یہ ہیں کون خالہ اماں کے صاحبزادے......ایسے۔'' وہ ٹھٹک گئی۔

''نہیں نہیں' وہ نہیں ہو سکتے۔'' اسے دھچکا سا لگا اس خیال سے۔ اتنے دنوں میں تو سب نے عبید الرحمٰن کے بارے میں خوبصورت خوبصورت خاکے بنا لیے تھے۔

''اماں! یہ لوگ پٹھان ہیں نا' پٹھان تو بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ دودھیا رنگ' سبز' بھوری آنکھیں' صحت مند' اونچے لمبے۔ ہیں نا۔ آپ بتا رہی تھیں۔ خالو جان بھی ایسے ہی تھے۔'' کل رات کو اماں کے لحاف میں گھسی صبوحی اور وہ خود پوچھ رہی تھی۔

''اے ہاں تو اس میں کیا شک ہے' تصویریں نہیں دیکھیں تم نے عبید کی۔'' اماں فخر سے بولیں۔

''اماں! وہ تو پانچ چھ سال کے بچے کی ہیں اور اس عمر میں تو ہمارے پنجابی بچے بھی اچھے صحت مند گپلو سے ہوتے ہیں۔ یہ تو پھر پٹھان بچہ ہے۔'' صبوحی ناک چڑھا کر بولی۔

''ہاں تو ایسا ہی ہوگا دیکھنا تم' میں عبد الرحمٰن بھائی کی وفات پر جا ہی نہیں سکی تھی۔

ایسا نمونیا ہوا تھا مجھے' تمہارے ابا نے تو دیکھا ہے۔'' اماں نے گویا انہیں تسلی دی تھی۔

''آپ...... آپ عبید...... عبید بھائی...... میرا مطلب خالہ اماں کے بیٹے ہیں۔'' وہ حیران پریشان صورت لئے مڑی تھی۔

''جی اور آپ......'' وہ مشتاق لہجے میں بولا تو وہ افسوس بھرے انداز میں اسے تکتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''چلو اماں کا مزاج دیکھیں جا کر' اماں نے تو امیدوں کے ایسے شاندار محل کھڑے کر رکھے تھے کیا بنا ان کا۔'' وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی' جہاں سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ صحن میں سرد ہواؤں نے اس کا دل کھول کر استقبال کیا تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔'' بھیگے ہوئے صحن پر ٹپ ٹپ گرتی بوندوں سے بچتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

سامنے بڑے صوفے پر خالہ اماں بیٹھی تھیں۔ حالانکہ اس نے اپنے شعور میں انہیں نہیں دیکھا تھا مگر ان کی ماں سے اس قدر مماثلت تھی کہ وہ پہلی نظر میں پہچان گئی' اماں کے نقوش کو کسی چاک پر رکھ کر بڑی مہارت اور نفاست سے تراشا اور اور سنوارا جاتا تو وہ ایسی ہوتیں۔ اماں ٹھیک کہتی تھیں۔ خالہ اماں اپنی جوانی میں اتنی حسین تھیں کہ راہ چلتے ان کے چہرے کی جھلک دیکھ کر راستہ بھول جایا کرتے تھے' تب ہی تو......

''یہ صبا ہے' آج کل امتحان دے کر فارغ ہے ایف ایس سی کا۔ آؤ' ادھر سلام کرو خالہ کو۔'' اماں نے تعارف کے ساتھ اسے گھورنا ضروری سمجھا کہ شاید اس گھوری کے بغیر وہ سلام ہی نہ کرے۔ اس نے سلام کیا تو خالہ اماں نے بانہیں پھیلا کر اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ کیسی محبت بھری میٹھی آغوش تھی ان کی یا شاید وہ ٹھنڈے صحن سے آئی تھی' اسے خیال گزرا۔

''ماشاءاللہ' بہت پیاری بچیاں ہیں تمہاری سائرہ! میں تو مدت سے ان کو دیکھنے کو ترس رہی تھی مگر......'' انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے ایک حسرت سے کہا۔

''خالہ اماں! کوئٹہ اتنا دور تو نہیں کہ آپ دو چار سالوں بعد بھی چکر نہ لگا سکیں۔'' افشین آپی نے انہیں جتایا۔ ''ہاں بیٹا! کوئٹہ تو دور نہیں مگر......'' وہ کچھ کہتے کہتے رہ گئیں۔

''اچھا' اب باتیں ہی ہوتی رہیں گی یا کچھ کھانے کو بھی ملے گا۔ پہلے ہی ٹرین ڈیڑھ دو گھنٹا لیٹ تھی۔ دیکھو عبید نے منہ ہاتھ دھو لیا تو اسے بلاؤ اور کھانا لگاؤ۔'' ابا نے اٹھتے ہوئے گویا محفل برخاست کی تو اماں بھی افشین آپی اور انجی کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھ گئیں۔ وہ

وہیں بیٹھی خالہ اماں سے باتیں کرنے لگی۔ اس کی ڈھٹائی پر صبوحی اسے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے یونہی سر ہلانے لگی۔

☆ ☆ ☆

''اماں! ایک بات پوچھوں۔'' اماں' ابا کے لئے ناشتا تیار کر رہی تھیں' افشین آپی ابھی تک سو رہی تھیں۔ شادی کی وجہ سے آج کل انہیں خواہ مخواہ وی آئی پی ٹریٹمنٹ مل رہا تھا کہ پتا نہیں شادی کے بعد بے چاری کو کون سے ہل جوتنے تھے۔ سو جو آرام کرنے ہیں' میکے میں کرے۔ کل کو کون ایسے سکھ دے گا' ورنہ ڈیٹ فکس ہونے سے پہلے افشین آپی ہی سب کے لیے ناشتا بناتی تھیں۔ انجم صفائی کرتی تھی۔ صبوحی کے ذمہ کالج کے بعد رات تک کے برتن ہوتے تھے۔ باقی کے بچے بچائے کام' پھیلاوا اسمیٹنا' وقت بے وقت چائے کی طلب پوری کرنا' بستر بچھانا' آٹا گوندھنا' چاول صاف کرنا' اماں ابا سمیت جس کے بھی سر میں درد ہو' تیل ڈالنا اور سر دبانا صبا کے ذمے تھا اور ان ''کاموں'' کا شمار کسی کھاتے میں نہیں تھا۔ انجم صفائی کر کے فارغ ہوتی تو صبا جھٹ سے چائے بنا لاتی۔

''میں خاموش خدمت کرتی ہوں۔ آپ لوگوں کی طرح کاموں کا ڈنکا نہیں پیٹتی۔''

مگ آگے رکھ کر وہ جتا ضرور دیتی اور اس وقت چائے سامنے دیکھ کر کوئی بھی اس کے جتانے کا برا نہ مانتا۔ ہاں دن بھر ضرور اس کی شامت آئی رہتی۔

''اماں! خالہ اماں آپ سے بڑی ہیں اور عبید صاحب...... مطلب شاید صبوحی کے برابر یا کچھ بڑے چھوٹے ہیں' اس کی......'' انجم ابا کے پراٹھے کا ذرا سا کونا توڑتے ہوئے بولی تو اماں نے اسے گھور کر دیکھا۔ اس کی حرکت کی طرح سوال بھی بے ڈھنگا اور بے موقع تھا۔

''چل باپ کو ناشتا دے' صبح صبح اخباری رپورٹر بن کر سوال جواب شروع کر دیے ہیں۔'' اماں نے ٹرے اسے تھمائی تو وہ برآمدے میں بیٹھے ابا کے آگے ناشتا رکھنے لگی۔ رات کی بارش کی وجہ سے سردی بڑھ گئی تھی۔ اب بارش تو نہیں ہو رہی تھی مگر بادل خوب جمع تھے۔ برآمدے کے آگے پڑی موٹی چق نے سردی کو اندر آنے سے روک رکھا تھا۔

''اماں! بتایا نہیں آپ نے۔'' وہ پھر اماں کے سر پر سوار تھی۔

''آپا کی شادی کے کافی سالوں...... آٹھ نو نہیں بلکہ دس سال بعد پیدا ہوا تھا۔ چل اب صفائی شروع کر دے۔ تمہاری خالہ اٹھی ہوئی ہیں' عبید اٹھے تو ناشتے کا پوچھتی ہوں۔''

اماں بے زاری سے چولہا ہلکا کرتے ہوئے بولیں۔

''اماں! میرا ناشتا......'' صبا سوئی رہتی تو چاہے نو بجے تک سوئی رہتی جیسے ہی اٹھتی' اس کا دل چاہتا فوراً ناشتا اس کے سامنے ہو۔

''ملتا ہے' صبر کرو۔ پہلے مہمان کھائیں گے پھر اپنا منہ کھولنا۔'' اماں جھنجھلا کر بولیں۔

''لو یہ کیسی پابندی ہے بھلا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''اماں! آپ کو یقین ہے عبید صاحب' خالہ اماں کے ''سگے'' بیٹے ہیں۔'' انجم رازداری سے اماں کے قریب ہو کر بولی تو انہوں نے چمٹا اٹھا لیا۔

''آپ کو بھی لگتے ہیں نا۔'' وہ پرے کھسک کر مسکراہٹ دبا کر بولی تو صبا بھی مسکرانے لگی۔

''اماں! انجی صحیح کہہ رہی ہے نا۔'' صبا بولی۔

''شرم کرو' فضول بکواس کر رہی ہو۔ خالہ نے سن لیا تو کیا کہیں گی۔'' اماں کے گھورنے میں جان تھی' نہ ڈانٹ میں۔ وہ دونوں اور شیر ہو گئیں۔

''اماں! قسم سے پٹھان کیا۔ یہ تو بنگالیوں کو بھی بدنام کرتے نظر آرہے ہیں۔ اوپر سے سوکھے سڑے لمبے تاڑ سے آنکھیں بغور دیکھنا پڑتی ہیں اور ہونٹ جیسے ابھی لٹک کر نیچے آرہے ہیں۔ ویسے صبا میرا خیال ہے......'' انجم کی آنکھوں میں شرارت جگنو بن کر چمک رہی تھی۔ اماں غصے سے اسے گھور رہی تھیں۔

''پچھلے دنوں ویسٹ انڈیز کی ٹیم کھیلنے آئی ہوئی تھی' لگتا ہے وہ اپنا کوئی پیس ادھر بھول گئے ہیں۔'' انجم کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اماں کا چمٹا اس کی کمر پر اور پھر بازو پر پڑا۔

''اماں! مذاق ایک طرف' اف کیسا غضب کا نشانہ ہے۔ میرے بس میں ہو تو ٹیم کا کوچ آپ کو مقرر کروا دوں۔'' وہ بازو اور کمر سہلاتے ہوئے بولی۔

''گر یاد رکھ لیں''۔ وہ کچن کے دروازے میں رک کر تنبیہی انداز میں بولی۔

''اگر آپ کا خیال ہو کوئی بھی بھولا بھٹکا سویا جاگا تو اس کو ابدی نیند سلا دیجیے گا۔ تارکول کی سڑک پر مجھ جیسا روشن نیون سائن کبھی بھی سجانے کی کوشش نہ کیجیے گا' ورنہ...... آپ کی بیٹیاں نہ تو بے زبان ہیں' نہ کھونٹے کی بکریاں' جہاں باندھیں گی' وہیں آنکھیں بند کر کے میں میں کرتی رہیں گی۔'' انجم کی نہ تو آواز اتنی کم تھی اور نہ انداز نظر انداز کر دینے والا۔ وہ کہہ

کر جھپاک سے باہر نکل گئی۔ صبا جو اماں کے چھٹے کے خوف سے اس کے برابر آ کھڑی ہوئی
تھی' کونے والے کمرے سے عبید کو باہر نکلتے اور پھر فوراً پلٹتے دیکھ کر اپنی جگہ کھڑے کھڑے سن
ہو گئی تھی۔

''اچھا میں جا رہا ہوں دکان پر' آج تو ویسے ہی موسم ابر آلود ہے۔ لگتا ہے مندا ہی
رہے گا۔ صنوبر آپا نہیں اٹھیں ابھی۔'' ابا کچن کے دروازے پر آ کر بولے تو وہ چونکی۔ اس نے
عبید کے خائف چہرے پر کیا دیکھا تھا کہ اسے لگا کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا ہے۔

''ہوں اٹھ گئی ہیں۔'' اماں اسی بے زاری سے بولیں۔

''یہ انجم کیا کہہ رہی تھی''۔ ابا، اماں کا چہرہ دیکھ کر بولے

''یونہی عادت ہے' ان کو جو منہ میں آتا ہے' بک دیتی ہے۔ نہ سوچنا' نہ سمجھنا۔''
اماں کوفت بھرے انداز میں یونہی چیزوں کو ادھر ادھر کرنے لگیں۔

''دوپہر میں کیا پکاؤ گی' دکان سے بھیج دوں کچھ۔'' ابا مہمانوں کی تواضع کا خیال
کرتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''پکالوں گی کچھ بھی' سب کچھ ہے گھر میں پھر بارات کا انتظام ادھر ہی کریں گے۔
میں تو کہہ رہی تھی کوئی مناسب سا ہال ہو جاتا۔'' اماں ہفتہ بھر کے تنازعہ کو چھیڑتے ہوئے
قدرے لجاجت بھرے انداز میں بولیں۔ ''موسم ایسا رہا تو پھر بڑی مشکل ہو جائے گی۔ ڈھیر
سارے مہمانوں کو کہاں سنبھالیں گے۔''

''ہوں پتا کرتا ہوں آج پھر' شادیوں کا سیزن ہے۔ ان ہال والوں کے دماغ
ساتویں آسمان پر ہیں اور ریٹ بھی۔'' ابا سر ہلا کر فکرمندی سے بولے اور آسمان کی طرف
دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے' اسی وقت خالہ اماں اٹھ کر آ گئیں۔

''یہ انیس بھائی نے جاب چھوڑ کر دکان داری کر لی ہے۔'' وہ اماں کے پاس پڑی
پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''ہاں جاب تو تھوڑا عرصہ ہی کی تھی۔ ایک تو تنخواہ بے حد قلیل' اوپر سے انہیں ایمان
داری رزق حلال کا خبط تھا۔ اب نوکری میں سہولتیں نہ ہوں تو خالی چند سو میں گزارا نہیں ہوتا
کہتے تھے سرکاری نوکری میں حلال حرام کا پتا نہیں چلتا۔ بڑی باریک سی لکیر ہوتی ہے ان کے
بیچ۔ اسٹیشنری کا سامان آفس ورک کے کام تو کم آتا تھا' آفس میں کام کرنے والے اپنے

گھروں میں لے جاتے۔ یہ ایک پنسل بھی گھر لے آتے تو پشیمان ہو جاتے۔ سات آٹھ افراد
کی کنبے داری آسان نہیں تھی۔ بس سوچ سوچ کر چھ سال پہلے استعفیٰ دے دیا جو رقم ملی' اس
سے یہ چھوٹی سی دکان خرید لی۔ جنرل اسٹور اور اسٹیشنری کا سامان ڈالا۔ اللہ کا شکر ہے گزر
اوقات ہو ہی رہی ہے۔'' اماں نے تفصیلاً بتایا۔ ''اور گھر کا کیا کیا؟'' وہ بولیں۔

''ابھی تو آپا کرائے کا ہی ہے۔ اچھی خاصی رقم تو کرائے میں اُٹھ جاتی ہے پھر
جوان بیٹیوں کی فکریں، رات کو سونے نہیں دیتیں۔ ایک پلاٹ لے رکھا ہے۔ پیٹ کاٹ کاٹ
کر کمیٹیاں ڈالیں تو یہ چار مرلے کا پلاٹ آٹھ ماہ پہلے خریدا ہے، اسی لئے تو افشین کی شادی
لیٹ ہو گئی اور اب شادی کے اخراجات...... بس اللہ ہی ہے جو عزت رکھ لے۔ آپ سنائیں،
رحمٰن بھائی کے بعد...... میں آنا چاہتی تھی، پہلے میں بیمار ہوئی پھر انیس...... اور سچی بات ہے
جوان بیٹیوں کو چھوڑ کر ہفتہ بھر کے لئے نکل بھی نہیں سکتے۔ چار دن تو سفر کے نکال لو، بس اسی
لئے سوچتی ہی رہ گئی۔'' اماں معذرت بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''ناشتے میں کیا بناؤں۔ ویسے ابھی مونی حلوہ پوری لینے گیا ہوا ہے۔ پراٹھے،
آملیٹ اور بھجیا تو مجھے بنانا ہی ہے۔ باقی جو عبید کو پسند ہو آپ بتا دیں۔''

''نہیں، کچھ خاص نہیں۔ تمہیں اتنا کچھ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میرا بیٹا چائے کے
ساتھ روٹی بھی آرام سے کھا لیتا ہے۔'' خالہ اماں کہہ رہی تھیں اور اندر آتی صبوحی نے صبا کو دیکھا۔

''لگتا بھی ہے۔'' اس کے پاس آ کر نیچی آواز میں بولی۔

''ماشاءاللہ بہت پیاری اور بہت سگھڑ باادب بچیاں ہیں تمہاری۔ سائرہ! بہت اچھی
تربیت کی ہے تم نے۔'' وہ دونوں کی طرف محبت بھری نظر سے دیکھ کر بولیں۔ ''بس آپا! ایسی
سفید پوشی ہو تو بچیاں آپ ہی آپ سمجھ دار اور صبر و تحمل والی ہو جاتی ہیں۔ میرا اس میں کمال
نہیں، اللہ کی مہربانی ہے۔'' اماں بے نیاز سے لہجے میں کہتے ہوئے پراٹھوں کے لئے پیڑے
بنانے لگیں۔

''عبید ابھی پڑھ رہا ہے کیا؟ اماں چند لمحوں بعد بولیں۔

''نہیں۔'' خالہ اماں نے ٹھنڈی سانس لی۔

''ایف اے کے بعد پڑھ ہی نہیں سکا۔ باپ کی بیماری اور وفات۔ کیسے تعلیم جاری
رکھتا۔ چار سال ہونے کو آئے اب تو پڑھائی چھوڑے، بی اے کی تیاری شروع تھی پھر بیچ بیچ

میں کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا جیسے تیسے امتحان دے دیے۔ دو میں سپلی آئی تو دل ہار بیٹھا۔ بہت سمجھایا، منت کی۔ اب جا کر دونوں پیپرز دوبارہ دیے ہیں۔ دیکھو کیا بنتا ہے۔ کہہ رہا تھا، دوبارہ کسی پیپر میں فیل ہوگیا تو نہیں دے گا۔'' خالہ اماں کچھ شرمندہ سی کہہ رہی تھیں۔ صبا کی بھوک پراٹھا توے پر دیکھ کر اور بھی چمک اٹھی۔

''چلو باپ کا کاروبار اتنا ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے ان ڈگریوں کی پھر کون سی اسے نوکری کرنی ہے۔'' اماں نے گویا خالہ کا حوصلہ بڑھایا تو وہ چپ سی ہوگئیں۔

''آپا! شادی کے بعد رہنا بھی ہے آپ کو، اتنے عرصے بعد تو آئی ہیں''۔ اماں ان کی خاموشی پر تھوڑی دیر بعد بولیں۔

''اماں پلیز یہ والا پراٹھا مجھے دے دیں پھر میں جا کر انجی کے ساتھ صفائی کروا دوں گی۔'' پراٹھا توے پر براؤن ہو رہا تھا، اس کی خوشبو پر وہ رہ نہ سکی اور اماں کی گھوری کے باوجود اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''صبا بیٹی کے کیسے پیپر ہوئے ہیں۔'' خالہ اماں محبت سے بولیں تو کھل اٹھی۔ اتنی محبت اور توجہ سے گھر میں اس سے کم ہی بات کی جاتی تھی۔

''خالہ اماں! فرسٹ کلاس۔ بس آپ دعا کریں، میرا میرٹ بن جائے پھر دیکھئے گا آپ کے سامنے ڈاکٹر صبا کھڑی ہوگی۔'' وہ فوراً خوشی سے پھولتے ہوئے بولی۔

''ہونہہ، بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔'' صبوحی نے اسے چڑایا۔

''نمبر لے بھی لوگی بی بی تو داخلہ کون بھرے گا۔ میڈیکل کی پڑھائی ہم جیسے سفید پوشوں کے لئے آسان ہے بھلا۔ چپ چاپ بی اے کرو اور گھر بیٹھو''۔ اماں نے اس کی پلیٹ میں پراٹھے کے اوپر تھوڑی سی بھجیا ڈالتے ہوئے گویا فیصلہ سنایا۔

''اماں! میں پاگل نہیں تھی جو رات رات بھر اپنا مغز کھپا کر آنکھیں پھوڑی ہیں اور پیپرز دیے ہیں۔ ڈاکٹر تو میں بنوں گی چاہے......''

''میں فیل ہی کیوں نہ ہو جاؤں۔ بہنا ڈونٹ وری۔ تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے۔ ہر طرح کی ڈگری ہر ریٹ پر دستیاب ہے، مارکیٹ میں جو تم کہو۔'' معین حلوہ پوری کا شاپر اُٹھائے اندر آیا تھا۔

''یہ خدمت گزاری تم اپنے لیے سنبھال رکھنا۔ اماں! ایک......'' اس نے للچائی

نظروں سے حلوے پوری کے شاپر کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا تو اماں نے بے اختیار چمٹا سیدھا کیا اور وہ بے دلی سے ناشتہ لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

''اوہو، یہ کمرہ تو آج گیسٹ روم بنا ہوا ہے۔'' وہ دروازے پر پہنچ کر ٹھٹکی تھی۔ سامنے عبید الرحمٰن کرسی پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ کرسی پر بیٹھا بھی وہ اچھا خاصا بلند قامت لگ رہا تھا۔ اسے ایک دم سے انجی کی گفتگو یاد آگئی تو انجانی سی شرمندگی نے اس کا گھیراؤ کرلیا۔ وہ چپکے سے پلٹ جانا چاہتی تھی کہ عبید نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ان دھند آلود نظروں میں کیا تھا کہ وہ مروت میں مسکرا بھی نہیں سکی۔

''عبید بھائی! آپ باہر آجائیں۔ ناشتا کرلیں۔'' اسے سمجھ نہ آئی وہ کیا بات کرے۔ کوئی ایسی بات جس سے اس شخص کا دکھا ہوا دل خوش ہو جائے۔ خوش نہ سہی کم از کم بہل جائے۔ اس گھاؤ یا چرکے کا کوئی متبادل، کوئی محبت بھرا خوش گوار جملہ۔ مگر حیف اس کی عقل پر اسے اس لحہ ضرورت میں کوئی ایسا موزوں جملہ نہیں سوجھا۔ وہ بس کھڑی اسے دیکھتی رہی، اس نے بھی کوئی بات نہیں کی تو وہ آہستہ سے مڑ گئی۔

''پتا نہیں لوگ بولتے وقت سوچتے کیوں نہیں۔'' انجی یہی باتیں اماں سے تنہائی میں بھی کہہ سکتی تھی مگر یہ بھی تو ہوسکتا ہے، میں ہونہی سوچ جا رہی ہوں اور عبید صاحب نے کچھ سنا بھی نہ ہو۔ آخر کچن اور کمرے میں اتنا فاصلہ تو ہے۔'' اسٹور میں پہنچ کر اسے خیال آیا، اس کا رات سے اسی چوکور چھوٹے سے کمرے میں قیام تھا جس میں دو عدد پیٹیوں کے بعد ایک چارپائی کی بھی گنجائش نہ تھی۔ اس نے اٹیچی اور ٹرنک کھسکا کر ایک پیٹی کے اوپر اپنا بستر لگایا تھا جسے رات کو صبوحی نے بھی شیئر کیا تھا۔ پیٹی سے نیچے گرنے کی صورت میں نیچے ٹوٹی ہوئی کرسیاں تھیں جن کے خوف سے اسے رات بھر ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔ افشین آپی اور انجم، معین ڈرائنگ روم میں سوئے تھے۔ موسم اتنا سرد نہ ہوتا تو معین برآمدے میں سوجاتا۔

اس نے پیٹی پر بچھے گدے کے نیچے سے ''علی پور کا ایلی'' نکالا اور ناشتے کے ساتھ کتاب پڑھنے لگی۔

آدھے گھنٹے بعد صبوحی اس کے لئے بچی ہائی آدھی پوری، تھوڑا سا حلوہ اور گرم گرم چائے کا مگ لے آئی۔

''ہائے صبو! بہن ہو تو تم جیسی۔ ایمان سے چائے کی اتنی طلب ہو رہی تھی......'' وہ

فوراً نہال ہوتے ہوئے چائے کا مگ پکڑ کر بولی۔

"یہ فٹافٹ پیو اور اٹھ جاؤ۔ آٹا گوندھنا ہے اور صحن دھونا ہے۔ وہ تو میں دھولوں گی، تمہیں ناشتے کے برتن دھونے ہیں اور قورمے کے لئے پیاز کاٹنی ہے، چاول صاف کرنے ہیں۔ بس اب جلدی کرو۔ ابا دوپہر کا کھانا گھر آ کر کھائیں گے اور پھوپھو کے دیور صاحب بھی آرہے ہیں اپنی طرف کے کارڈ بانٹنے اور تم یہاں چھپی کتابیں پڑھ رہی ہو، کچھ خیال نہیں تمہیں کہ گھر میں کام ہے۔" صبوحی نے چائے کی فیس اسے خوب سارا جھاڑ کر وصول کی۔

"اور افشین آپی کیا فارغ ہوگئیں سب کاموں سے۔ ان سے کہو، اٹھ کر کم از کم کچن کا کام کرلیں، صبح سے اینٹھ رہی ہیں بستر میں۔" وہ بھی غصے میں آگئی۔

"شرم کرو، وہی کرتی رہی ہیں سارا عرصہ۔ اب اگر وہ ہماری وجہ سے چند دن آرام کرلیں تو کیا برا ہے اور ویسے بھی وہ اماں کے ساتھ بازار جارہی ہیں۔ آج لہنگا خریدنا ہے اور درزی سے کپڑے بھی لینے ہیں۔ انجی بھی ساتھ جارہی ہے، اس لئے ہم دونوں کے آرام کا کوئی وقت نہیں۔ اٹھ جاؤ بس۔" صبوحی نے اس کے ہاتھ سے کتاب جھپٹتے ہوئے کہا۔

"صبو! تمہیں پتا ہے انجی صبح کیا کہہ رہی تھی عبید بھائی کے متعلق حالانکہ وہ یہ کہنا نہ چاہ رہی تھی پھر بھی نہ جانے کیوں کہہ گئی۔

ہاں بتایا تھا انجی نے مجھے اور بھئی اس میں جھوٹ کیا ہے۔ ہم نے تو اتنے دنوں میں عبید صاحب کے ایسے ایسے خوبصورت پرنس چارلس جیسے خاکے تراشے تھے اور وہ نکلے کیا کھودا پہاڑ والا حساب ہوا۔ انجی نے تو منہ سے کہہ دیا۔ اگر اماں نے یہ شاندار خیال میری طرف منتقل کیا تو میں بھی چپ نہ رہوں گی۔ آخر دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ مرد کی شکل بے شک کاؤنٹ نہیں کرتی مگر یار! آنکھوں دیکھی مکھی...... نہ بھئی، میں نہیں نگل سکتی۔ میری فرینڈز کیا کہیں گی۔" وہ تیز تیز بول رہی تھی تو صبا کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے۔" وہ اس کی ہنسی پر بولی۔ "بھئی، تم دونوں تو یوں کہہ رہی ہو جیسے خالہ اماں ہماری چوکھٹ پکڑ کر بیٹھ گئی ہیں کہ میں تو رشتہ لے کر ہی جاؤں گی۔ ارے احمق لڑکیو! ہوسکتا ہے ان کا ایسا کوئی ارادہ ہی نہ ہو۔ تم یونہی خیالی پلاؤ پکار ہی ہو۔ آخر اتنا وسیع کاروبار ہے ان کا اور حویلی جیسا گھر۔ کچھ خیالات تو ان کے بھی ہوں گے اور تم دونوں یونہی کہے جارہی ہو۔" وہ اپنے ناشتے کے برتن اٹھاتے ہوئے بولی تو صبوحی لمحہ بھر کو چپ سی ہوگئی۔

"جی ایسی ہی بات ہے۔ اماں کو انہوں نے خود اشاروں میں کہا ہے، وہ اسی نیت سے آئی ہیں۔ دیکھنا تم دو چار روز میں کہہ ڈالیں گی۔" وہ پر اعتماد لہجے میں بولی۔

"تو چلو پھر تم انکار کے لئے اپنے ہتھیار تیز کرو جس کے لئے تمہیں زیادہ تیاری کی ضرورت بھی نہیں۔" صبا نے شاید اس پر طنز کیا تھا۔ صبوحی کندھے اچکا کر باہر نکل گئی تو وہ بھی اس کے پیچھے نکل آئی۔

☆ ☆ ☆

"ہال میں نے بک کروالیا ہے، سارا دن اسی بھاگ دوڑ میں لگا رہا ہوں اور اس مونی کو کہا تھا کہ دکان کا خیال رکھے۔ اس نے اچھا خیال رکھا۔ سرشام بند کر کے گھر آ گیا ہے۔ کدھر ہے یہ۔"

ابا مونی پر ناراض ہو رہے تھے اور اماں کی ساری توجہ تو اس خوش خبری پر اٹک گئی کہ ہال بک ہوگیا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔ اب یہ بارات کو سنبھالنے، ٹھہرانے، کھلانے کی سردردی تو ختم ہوئی، ورنہ اس ٹوٹی ہوئی گلی میں کیا شامیانے لگتے اور کیا کھانا دیا جاتا۔ بارش ہوتی تو سب انتظام تہس نہس ہو کر رہ جاتا۔ لڑکے والوں کی باتیں الگ سے سننا پڑتیں۔ آپ کی بہن صاحبہ ہی اشاروں کنایوں میں دس دفعہ جتا چکی تھیں کہ وہ ولیمہ کے لئے ڈیٹ فکس ہوتے ہی ہال بک کروا چکی ہیں۔ گوجرانوالہ کا سب سے مہنگا ہال۔"

"اب میں مہنگا تو نہیں کروا سکتا تھا، جتنی میری اوقات تھی پھر لاہور اور گوجرانوالہ کے مہنگے سستے میں اچھا خاصا فرق ہے۔ کھانا تیار ہے تو لگواؤ صنوبر آپا اور عبید کو بھی بلوالو۔ میں ذرا ہاتھ منہ دھولوں پھر باقی کی تفصیلات پر بات کرلیتے ہیں۔" ابا کہہ کر باتھ روم چلے گئے تو اماں کھانا لگوانے لگیں۔ کھانے کے بعد ابا نے سبز چائے بنوائی۔ اس دوران اماں انہیں درزی سے لائے کپڑے جرسیاں اور لہنگا دکھانے لگیں۔ آتشی کلر کا خوبصورت لہنگا دوپٹا کھلتے ہی سارا کمرہ جیسے جگر جگر کرنے لگا۔ خالہ اماں "ماشاء اللہ ماشاء اللہ!" کی گردان کررہی تھیں۔

"دیکھو، سب بہت اچھا ہے لیکن اب تم ذرا ہاتھ کھینچ کر خرچ کرو۔ مجھ پر پہلے ہی قرض چڑھ گیا ہے۔ اب جتنا کچھ بن گیا ہے، میرا خیال ہے کافی ہے۔" اماں اب پلاسٹک کا ڈنر سیٹ دکھاتے ہوئے نئے خرچ بتا رہی تھیں کہ ابا نے قدرے روکھے پن سے کہا۔ اماں کے

ساتھ افشین آپی کا چہرہ بھی اتر گیا۔

''میں کون سے دنیا سے انوکھے خرچے بتا رہی ہوں، سب ہی شادیاں ایسی ہوتی ہیں۔ بستر، برتن، کافی کپڑا لتا میں نے پہلے سے جمع کر رکھا تھا۔ سب کچھ انتہائی ضرورت کے تحت ہاتھ کھینچ کر ہی خرید رہی ہوں۔'' اماں ناگواری سے بولیں۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم دنیا سے انوکھا کر رہی ہو۔ جہاں ایک ہی فرد کمانے والا ہو، وہاں روزمرہ کے اخراجات پورے کرنا دشوار ہیں کہ شادی کا خرچ...... باقی تو سب اللہ کرنے والا ہے، ہم کس قابل ہیں۔'' ابا، اماں کی ناگواری پر قدرے سنبھل کر بولے۔ صبوحی ٹرے میں سبز چائے کی پیالیاں رکھے اندر چلی آئی۔

''اور سائرہ! یہ میری طرف سے افشین کے لئے......'' خالہ اماں نے خاکی کاغذ کی پڑیا کھولتے ہوئے اماں کے آگے کی جس میں شاید لاکٹ سیٹ تھا۔

''اصل میں سچی بات کہوں۔'' وہ کہتے کہتے پھر رک سی گئیں۔

''مجھے شادی کا کارڈ نہیں ملا تھا، نہ کوئی اطلاع تھی کہ تم افشی کی شادی طے کر رہی ہو، ورنہ میں تیاری کر کے آتی''۔ ان کی بات سب کے لیے کسی بم بلاسٹ کے برابر تھی۔ ایک لمحے کو تو اماں بھی چپ سی رہ گئیں۔

کیا مطلب؟ آپا! میں نے تو سب سے پہلے آپ کو کارڈ پوسٹ کیا تھا اور فون کئی بار کرنے کی کوشش کی۔ کوئی اٹینڈ ہی نہیں کرتا تھا اور آپ نے جو آنے کی اطلاع کی تو میں یہی سمجھی کہ آپ شادی میں...... آپ کو کارڈ مل گیا ہوگا، اس لیے......'' اماں کچھ حیران سی بولیں۔

''نہیں، یقین جانو کارڈ تو مجھے نہیں ملا اور...... اچھا چلو کوئی بات نہیں۔ اچھی بات تو یہ ہے کہ میں اس اچھے اور خوش گوار موقع پر پہنچ تو گئی اور اپنی بیٹی کو دلہن بنتا دیکھ سکوں گی۔'' وہ شاید موضوع بدلنا چاہ رہی تھیں مگر اماں جیسے ابھی بھی الجھن میں تھیں۔

''آپا! کارڈ کیوں نہیں ملا جبکہ ایڈریس میں نے خود لکھوایا تھا اور کارڈ بھیجا بھی کوریئر کے ذریعے تھا۔ ادھر ادھر ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر آپ کیسے کہہ رہی ہیں۔'' اماں بولیں۔

''کہہ جو رہی ہوں، کارڈ نہیں ملا۔ چھوڑو...... صبوحی بیٹی نے چائے تو بہت زبردست بنائی ہے اور ہاں سائرہ! مجھے بتا دینا، اب افشی کے کون سے جوڑے کم ہیں، وہ اپنی

طرف سے کل جا کر لے آؤں گی۔ شادی میں اب دن ہی کتنے ہیں۔ پرسوں تو مایوں ہے۔'' خالہ اماں زبردستی لہجے کو بشاش بنا رہی تھیں۔ صبا کو صاف لگا۔

''عبید سے کہیں آپا! ادھر سب میں آ کر بیٹھے۔ یوں اکیلا کمرے میں کیوں بیٹھا ہے۔ جاؤ صبا! بھائی کو بلا کر لاؤ۔'' ابا نے ایک دم سے اسے کہا تو وہ گڑبڑا کر اماں کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے بھی اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بادل نخواستہ اٹھ کر عبید کو بلانے چل دی۔

وہ صبح کی طرح پتا نہیں کون سی گہری سوچ میں گم بیٹھا اسے کھڑا ہی نظر آیا۔

''عبید بھائی! وہ آپ کو ابا بلا رہے ہیں۔ آ کر چائے پی لیں۔'' وہ دہلیز پر ہی رک کر بولی تو اس نے صبا کو یوں دیکھا جیسے وہ اس کی کسی اہم سوچ میں مخل ہوئی ہے۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں، چائے ادھر ہی پی لوں گا۔'' پتا نہیں وہ سب کے درمیان بیٹھنے سے کیوں خائف تھا۔ شاید اسے بھی اپنے کامپلیکس کا پتا تھا۔

''عبید بھائی! کیا بات ہے، آپ یہاں آ کر خوش نہیں۔ کیا ہم آپ کو اچھے نہیں لگے۔'' پتا نہیں اسے کیوں لگ رہا تھا جیسے عبید نے انجی کی باتیں سن لی ہیں اور وہ کسی طرح ان باتوں کا ازالہ کر دے۔

''نہیں، آپ سب بہت اچھے ہیں۔'' وہ پہلی بار ہلکا سا مسکرایا تھا۔ اس کے بڑے بڑے ہونٹ ذرا سے اور پھیلے۔ عبید بھائی کی شکل اتنی بھی بری نہیں، جتنی انجی......

''جتنا چاہے غور کر لیں، مارجن نہیں نکل سکے گا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا تھا اور اس کی بات نے صبا کو اندر تک شرمندہ کر دیا، وہ کیسے اس کی سوچ پڑھ گیا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' صبا نے ناک پر پھیلتی عینک اوپر کی۔ ''اچھا آپ اٹھ کر آئیں تو سہی، شادی والا گھر ہے۔ کچھ رونق دیکھ لیں۔'' وہ بے وقوفی سے بولی۔ سب لوگ ایک کمرے میں بیٹھے تھے۔ باہر شدید سردی تھی، رونق کہاں تھی۔

''شکریہ، میں یہیں ٹھیک ہوں۔ مجھے رونق وغیرہ سے کچھ خاص دلچسپی نہیں۔'' وہ روکھے پن سے بولا تو وہ شرمندہ سی ہو کر پلٹ آئی اور مونی کے ہاتھ چائے کی پیالی اندر بھجوا دی۔ اسی وقت صبوحی اور انجی کی سہیلیاں ڈھولک بجانے آ گئیں، جنہیں ابا نے واپس بھجوا دیا۔

''انہیں کہو، کل آ جانا۔ آج میرے سر میں، پٹھوں میں بے تحاشا درد ہے۔ اس وقت میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ہولے ہولے اپنا سر دبا رہے تھے۔

''ابا! تیل ڈال دوں۔'' وہ فوراً ان کے پاس آ کر بولی۔

''نہیں، میری اچھی بیٹی! یہ درد تو اب روز کا معمول ہوگیا ہے اور تیل ڈالنے سے جاتا بھی نہیں۔ تم بیٹھو سب کے بیچ، میں لیٹوں گا جا کر تو ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ، یہ سر درد اچھا نہیں ہوتا۔'' خالہ اماں فکر مندی سے بولیں۔

'' آپا! دکھایا ہے، دوا بھی کھا تا رہا ہوں مگر کچھ خاص افاقہ نہیں ہوتا۔ اب شادی سے فارغ ہو کر پھر دکھاؤں گا۔'' وہ کہہ کر باہر نکلے تو صبا ان کے پیچھے ہی چلی آئی۔

''اب کیا ہے۔'' انہوں مسکراتے ہوئے کوٹ اتار کر اسے دیکھا۔ ''پیسے چاہئیں؟''

''ابا! میں آپ کے پاس صرف پیسوں کے لئے تو نہیں آسکتی۔'' وہ برا مان کر بولی۔

''میں جانتا ہوں میری یہ بھولی بھالی بیٹی پیسے مانگنے تو بالکل بھی نہیں آئے گی۔ چلو آجاؤ پھر جس کام کے لیے آئی ہو۔'' وہ کہتے ہوئے بستر پر لیٹ گئے۔ اس نے ان کے اوپر رضائی ڈالی اور پاس کرسی پر بیٹھ کر ہولے ہولے ان کا سر دبانے لگی۔

''جب میری بیٹی اپنے نرم نرم ہاتھوں سے میرا سر دباتی ہے تو مانو سارا درد چین سکون میں بدل جاتا ہے۔ صبا کی طرح خوش گوار لمس ہے۔ میری بیٹی تم زندگی کی ہر نعمت پاؤ اور کامیابی بھی۔'' وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہے تھے۔

''ابا! میرے مارکس اتنے آجائیں کہ میرٹ بن جائے۔ آپ دعا کرتے ہیں نا۔'' وہ انہیں یاددہانی کرواتے ہوئے بولی۔

''دن میں پانچ بار کے علاوہ پانچ ہزار بار کہ میری بیٹی کے مارکس اچھے آئیں۔'' انہوں نے مسکرا کر آنکیں کھولیں۔

''جی......'' وہ ششدر سی انہیں دیکھنے لگی۔

''بلکہ میری بیٹی کی پوزیشن آئے، وہ بھی فرسٹ۔ پورے بورڈ میں ٹاپ کرے۔'' وہ مسکرا کر بولے تو وہ جیسے کھل اٹھی۔

''اچھے ابا! مجھے یقین ہے اللہ آپ کی دعا ضرور سنے گا۔ ابا! میرا میرٹ بن گیا تو آپ مجھے میڈیکل میں ایڈمیشن لے دیں گے نا۔'' وہ پھر سے سر دبانے لگی۔ ''انشاء اللہ ضرور، بشرطیکہ زندگی۔'' وہ آنکھیں بند کیے بولے۔

''ایسے کیوں کہا آپ نے۔ اللہ آپ کو میری بھی عمر لگائے۔ آپ دیکھئے گا، آپ کی یہ بیٹی ہارٹ اسپیشلسٹ بنے گی۔ ابا میرے پرچے تو بہت اچھے ہوئے ہیں۔ میں نے بعد میں ری چیک بھی کیے۔ ہر پیپر میں نائنٹی فائیو نہیں تو نائنٹی پرسنٹ مارکس تو ضرور آئیں گے۔'' وہ پرجوش لہجے میں بولی۔

''انشاء اللہ۔'' وہ جیسے غنودگی میں بولے۔

''ابا! ایک بات کہوں؟'' وہ چند لمحوں بعد پھر بولی۔ ''ہاں، کہوں۔''

''ابا! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر خالہ اماں کو کارڈ نہیں ملا شادی کا تو پھر وہ عین انہیں دنوں شادی کے موقع پر خود بخود کیسے آگئیں اور پھر اتنے زیادہ سامان کے ساتھ، اتنے بڑے بڑے تین بیگ۔ ہم تو سمجھے وہ شادی کی تیاری کر کے آئی ہیں جبکہ وہ کہہ رہی ہیں، انہیں شادی کا پتا ہی نہیں تھا۔'' وہ زیادہ دیر تک اپنی حیرانی چھپا نہ سکی۔

''ہوں۔'' ابا اسی طرح بولے۔

''ابا! آپ نے نوٹ کیا، خالہ اماں کچھ پریشان سی ہیں۔'' وہ چند لمحوں بعد پھر بولی۔

''ہیں......اچھا......'' وہ چونکے۔ ''ارے میری فلاسفر پڑھاکو بیٹی! کسی بھی معاملے کی اتنی گہرائی میں نہ جایا کرو، کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ چلو اب سو جاؤ جا کر اور جاتے ہوئے کمرے کی لائٹ آف کر جانا۔ تمہاری اماں تو نہ جانے کب جوڑے رکھنے سنبھالنے سے فارغ ہوں گی۔'' انہوں نے کہہ کر کروٹ بدل لی تو وہ لائٹ آف کر کے باہر نکل آئی۔

باہر بہت سردی تھی، وہ یونہی ٹہلنے لگی۔

اس کے ہوش میں خالہ اماں دو یا تین بار آئی تھیں، ان لوگوں سے ملنے۔ اکیلی، عبید کے ساتھ وہ شاید ایک بار آئی تھیں، وہ بھی بہت پہلے۔ تب ہی تو سب کو عبید کو دیکھ کر دھچکا لگا اور پھر خالہ اماں جب بھی آتیں، لدی پھندی آتی تھیں۔ پھولے پھولے سے تین چار بیگ جو وہ آتے ہی اماں کے آگے الٹ دیتیں۔ گرم کپڑے، شالیں، سویٹرز، ڈرائی فروٹ سیروں کے حساب سے، کیمرے اور الیکٹرانکس کی چھوٹی موٹی چیزیں جو اماں افشین آپی اور انجی کے لئے سنبھال لیتیں ار خالہ اماں جب بھی آتیں بھاری بھاری زیورات سے لدی پھندی ہوتیں۔ آخری بار اس کے سامنے وہ شاید چھ یا آٹھ سال پہلے آئی تھیں۔ گوری چٹی، صحت مند، قیمتی لباس اور قیمتی جیولری پہنے ان کی شخصیت میں جیسے کوئی مقناطیس فٹ تھا یا ان کی شخصیت سے

چھلکتی امارت کی جھلک کہ ہر کوئی مرعوب ہو کر رہ جاتا۔

''اور یہ خالہ اماں تو بہت بدلی بدلی سی ہیں۔ گم، کھوئی کھوئی سی۔ خالو جان کا ڈرائی فروٹ کا بہت بڑا بزنس تھا۔ پھر انہوں نے خالہ اماں سے محبت کی شادی کی تھی۔ شادی بھی لو ان فرسٹ سائیڈ والی۔ اماں بتایا کرتی تھیں۔ خالہ اماں اپنی کسی دوست کی شادی میں شرکت کے لئے گئی تھیں، وہیں دلہا کے کوئٹہ سے آئے دوست عبدالرحمٰن کے من کو ایسی بھائیں کہ ان کے بلوچ ماں باپ نے اکلوتے بیٹے کی ضد پوری کرنے کے لئے نانا، نانی کی چوکھٹ ہی پکڑ لی۔ صرف ان کے کچھ سخت رواجوں سے قطع نظر اس رشتے میں ریجیکٹ کی جانے والی کوئی بات نہیں تھی۔ دولت، امارت، روزگار اور شریف گھرانا اور خوبصورت وجیہہ لڑکا۔ نانا، نانی کو ہاں کرتے ہی بنی۔ نانا، نانی کی زندگی میں تو خالہ اپنے شوہر کے ساتھ سال دو سال بعد لازمی چکر لگایا کرتی تھیں، اس کے بعد ان کے پھیرے کئی کئی سالوں پر محیط ہو گئے پھر خالو کی اچانک وفات اور اب خالہ کی آمد...... شاید اماں کے ذہن میں بھی یہ سوال اٹھے ہوں۔

''اماں سے پوچھوں گی کوئی چکر ہے ضرور اور ان کا بیٹا کیسا سڑیل مزاج ہے۔ چلو شکل اللہ نے بنائی، اخلاق تو انسان اپنے اندر پیدا کرے۔ آدم بے زار لگتا ہے۔'' سردی سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ وہ سکڑتی، کانپتی اسٹور میں بھاگ گئی، ورنہ اندر جا کر تو اس وقت بھی اس کے لئے اماں نے دس کام تیار رکھے ہوئے تھے اور اسے پتا بھی نہیں چلا کوئی کتنی دیر سے اسے اپنی نگاہوں کے حصار میں لئے بہت دیر تک بہت دیر سے سوچ رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

پھر اگلا پورا ایک ہفتہ شادی کی تیاریوں اور شادی میں گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

مایوں انہوں نے افشین آپی کو خود ہی بٹھایا، اتنی سردی میں ان کے سسرال سے کسی نے بھی آنے سے معذرت کر لی۔

ان کی سہیلیوں نے ڈھولک پیٹ پیٹ کر رات تک خوب ہلا گلا کیا، خوب گانے گائے، تالیاں بجائیں۔ شمع اور فائزہ نے ڈانس بھی کیا۔ ابا کے آتے ہی ڈھولک پر پابندی لگ گئی۔ صرف تالیاں اور سر کے ساتھ گانے کی اجازت مل سکی۔

''اب میں ایک نئے گلوکار کو گانے کی دعوت دوں گا، نئی ابھرتی ہوئی سریلی آواز جو سننے والوں کے دلوں میں ہلچل مچا دے، خواتین اینڈ خواتین......''

''یہ تم نے خواتین کس کو کہا۔ موٹی ٹونی کے بچے۔'' انجی آستینیں پلٹ کر حملے کے لئے تیار ہوئی۔

''سس...... سوری...... لڑکیو...... آئی مین...... بچیو...... آپ کی چوسنیاں کہاں ہیں۔'' وہ ایک دم سے بولا تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ''میں وہ چوسنیاں آپ کے منہ میں دوں تو اس شور چیلاں (چیلوں) سے نجات ملے اور آپ کی کم عمری کا ثبوت بھی مل جائے۔''

''بچ جاؤ موٹی...... بہت پٹو گے۔'' صبوحی کی قریبی منہ چڑھی سہیلی فائزہ بولی۔

''آئی ایم ریڈی فائزہ آپی! مگر شرط یہ ہے کہ ان نرم و نازک مخروطی انگلیوں والے مرمریں ہاتھوں سے ہی پٹائی کیجیے گا۔'' وہ عاشقانہ انداز میں بولا تو سب کھی کھی کرنے لگیں۔

''اچھا گانا تو سناؤ جس کا اعلان فرما رہے تھے۔'' صبا کو یاد آیا۔

''ہاں تو ہمارے ابھرتے ہوئے خوبصورت آواز والے سنگر عبید بھائی۔'' اس نے ایک دم سے پلٹ کر پیچھے کونے میں بیٹھے عبید کا ہاتھ پکڑ کر یوں سب کے بیچ کیا کہ عبید کو بولنے کا موقع نہیں مل سکا۔

''جی کچھ گنگنائیے، وہی جو آپ شب تنہائی میں گنگناتے رہتے تھے۔ خواتین...... سوری بچیو...... ان کی آواز سنو گی تو غش کھا کر پٹ ہو جاؤ گی۔ جی عبید بھائی۔'' عبید کا سانولا رنگ ایک دم سے سرخ پڑ گیا تھا اور چہرے کے تاثرات خطرناک۔

''معین! مجھے اس قسم کے مذاق پسند نہیں۔ سوری مجھے گانا وانا بالکل نہیں آتا۔'' وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گیا تو معین شرمندہ سا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''چلو بھر پانی لے آؤ اس موٹی کے بچے کے لیے۔ کیا لفاظی کر رہا تھا کہ محترم اپنے گانے سے ہلچل مچا دیں گے۔ گانے سے تو پتا نہیں ہلچل مچی یا نہیں۔ انہوں نے اپنے حسن سے ضرور لڑکیوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ کیوں بھئی۔''

انجی اس دن والی ٹون میں بولتی دوسری بار صبا کو ذرا اچھی نہیں لگی۔ اس کی نظریں بے اختیار سامنے برآمدے میں خالہ اماں کی طرف گئیں جن کا دھیان اس طرف نہیں تھا۔

''بکو نہیں، ان کی آواز واقعی بہت زبردست ہے۔ چلو بچیو! میں آپ لوگوں کو ایک سونگ سناتا ہوں۔''

''چھنو کی آنکھ میں اک نشہ ہے۔'' وہ ابھی یہیں تک بولا تھا کہ کمرے میں پڑے

کشن بچوں کی جوتیاں اور نہ جانے کیا کیا اس کی طرف آیا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر باہر بھاگ گیا۔

....

اگر مجھ سے محبت ہے
اگر مجھ سے محبت ہے، مجھے سب اپنے غم دے دو ان آنکھوں کا
ہر ایک آنسو مجھے میرے صنم دے دو
اگر مجھ سے محبت ہے

وہ خالہ اماں کے بیگ سے ان کے کپڑے نکالنے آرہی تھی کہ اس آواز کی گمبھیرتا نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ بارات کے لیے سب ہال میں جا چکے تھے۔ صرف وہ، اماں، خالہ اماں، مونی اور عبید بھائی رہ گئے تھے۔ انجی تو افشین کے ساتھ ہی گئی تھی، باقی سب بھی جانے کے لیے تیار تھے۔

وہ بہت آہستگی سے اندر داخل ہوئی تھی کہ پھر بھی اس کی کلائیوں میں کھنکتی نارنجی سنہری چوڑیاں بے اختیار کھنک اٹھی تھیں اور بے حد مگن انداز میں گنگناتے ہوئے عبید نے سامنے کھڑی صبا کو دیکھا۔ اس کے نیم وا ہونٹ اسی پوزیشن میں رہ گئے اور آنکھیں...... عبید کی آنکھوں میں کیا تھا، اسے لگا اس کے جسم کے اندر گرم سیال سا برق رفتاری سے دوڑنے لگا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو سی ہو کر دھڑکنے لگی ہیں اور کانوں سے جیسے دھواں سا نکلنے لگا۔ اس کی نظروں سے کیسی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں کہ اسے لگا وہ وہیں کھڑے کھڑے فنا ہو گئی ہو، جل کر خاکستر ہو گئی۔ چند ثانیے اسے لگا اس کی شاید سانسیں بھی نہیں چل رہیں۔

"صبا......" اسی گمبھیر آواز کی سرگوشی اور کسی نے اس کا مومی ہاتھ اپنے آہنی ہاتھ میں لے لیا۔

"کیا تم بھی صورت سے پیار کرتی ہو، مادی چیزوں سے...... کیا تم بھی سب جیسی ہو...... بولو، صبا کیا تم بھی......"

اس نے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر زور سے بھینچا تو وہ جیسے گہری نیند سے جاگی۔ اس کے پورے بدن میں بجلی کا سرکٹ رواں ہو گیا۔ اوپر سے نیچے تک برقی لہریں شوں شوں کرتی دوڑنے لگیں۔ اس نے زور سے مچل کر اپنا بے جان ہاتھ اس کی مضبوط گرفت

سے کھینچا اور عبید کی نیم خوابیدہ مقناطیسی نگاہوں کے حصار کو ایک جھٹکے سے تار تار کرتی وہاں سے بھاگ گئی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ وہ خالہ اماں کے کپڑے لینے کمرے میں آئی تھی۔

سارے گھر میں آوازیں تھیں، لوگ تھے، شور تھا۔ اسے کوئی کونا، کوئی گوشہ عافیت، چھپنے کی جگہ چاہیے تھی۔

"صبا...... صبا......" شاید اماں کی آواز تھی۔ وہ اسٹور میں اوپر تلے رکھے گدوں رضائیوں میں منہ چھپائے دھواں دھار رو رہی تھی۔ شاید اماں دروازے کے باہر آ کر اسٹور میں ذرا سا جھانک کر پکار رہی تھیں۔

"کمبخت پھر بلب فیوز ہو گیا۔ اس نامراد ہولڈر کو کیوں نہیں بدلتا یہ مونی کا بچہ اور یہ لڑکی کہاں فنا ہو گئی جا کر۔ سب جانے کو تیار کھڑے ہیں اور میں اس نوابزادی کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ دس فون آ چکے ہیں بادا کے کہ بارات پہنچنے والی ہے۔ صبا......" اماں بغیر رکے کہتے ہوئے سارے گھر میں چکرا رہی تھیں۔

اس نے جلدی جلدی اپنے بال ہاتھوں سے سلجھا کر از سر نو کیچر میں جکڑے۔ کاٹن کی چادر سے چہرہ تھپتھپا کر صاف کیا۔ لباس پر ہاتھ پھیرتی باہر نکل آئی۔ برآمدے میں لگے آئینے میں ایک نظر اپنا رویا رویا سا چہرہ دیکھا۔ سارا میک اپ بہہ گیا تھا۔ اس نے پہلے بھی صرف فاؤنڈیشن لگایا تھا اور نارنجی لپ اسٹک۔ آنکھوں کا کاجل پھیل گیا تھا۔ ٹشو سے ٹھیک کر کے وہ چپکے سے باہر کھڑی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اماں اگلی گاڑی میں تھیں، اس لیے وہ مزید شامت سے بچ گئی۔ اس نے دور سے دیکھا، خالہ اماں اور عبید بھی اماں والی گاڑی میں بیٹھے تھے۔

"آخر مجھے ہوا کیا تھا۔" اس نے تھک کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچنے کی کوشش کی تو ایک بار پھر آنکھیں نم ہونے لگیں تو وہ سیدھی ہو کر چلتی گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ مونی اس سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ یونہی سر ہلانے لگی۔

☆ ☆ ☆

شادی کے ہنگامے سرد پڑتے پڑتے بھی ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ لگ گیا۔ مکلاوے کے بعد افشین آپی جو گئیں تو پھپھو کہہ کر گئی تھیں، اب یہ پندرہ دن بعد ہی آئے گی۔

"آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" اگلی صبح اماں ابا سے کچن میں بڑے رازدارانہ

انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"ہوں، کہو۔" وہ سنک پر کھڑی رات کے کھانے کے برتن دھو رہی تھی۔ ابا بڑے سست انداز میں ناشتا کر رہے تھے۔

"وہ ناہید کہہ رہی تھی، اس کی خالہ زاد بہن شہناز اپنے بیٹے کے لیے انجی میں دلچسپی لے رہی ہیں بلکہ جلد ہی بات کرنے کے لیے بھی آنا چاہ رہی ہیں۔ لڑکا برسر روزگار ہے، کسی بینک میں اچھے عہدے پر ہے، اپنا گھر بار ہے، دو بھائی کہیں باہر سیٹل ہیں، ایک جیٹھ جیٹھانی اور ایک نند ہے، غیر شادی شدہ۔ ناہید کہہ رہی تھی، بھابھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ بڑا موزوں رشتہ ہے، آپ کا کیا خیال ہے۔" اماں کا جوش وخروش ان کے انداز سے ہویدا تھا۔ صبا ابا کا جواب سننے کے لیے بے چین تھی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا، کہاں سے کروں گا میں ابھی انجی کی شادی۔ ابھی ایک کو رخصت کیے ہفتہ بھر نہیں ہوا، اس میں بھی پندرہ بیس ہزار کا قرض چڑھ گیا ہے۔ ابھی سال بھر چپکی بیٹھی رہو۔" ابا خفگی سے بولے۔

"اے ہے، کمال کرتے ہیں۔ وہ کون سا ہتھیلی پر سرسوں جما رہے ہیں۔ منگنی کرنے یا بات طے کرنے کے بعد بندہ سال چھ مہینے کی مہلت تو لے ہی لیتا ہے۔ افشی اور انجی کی عمروں میں سال بھر کا تو فرق ہے۔ افشین کو سات سال ہوگئے ایف اے کیے تو انجی کو چھ سال۔ کہیں کوئی رشتہ نہیں تھا۔ یہ تو آپ کی بہن کے دل میں اللہ جانے کیا خوف خدا سمایا جو انہوں نے افشی کے لیے خود سے بات کی، ورنہ میں سچ پوچھیں، ناامید ہو چلی تھی۔ اچھے رشتے روز روز نہیں آتے۔ میں تو ناہید کو جواب نہیں دوں گی، صاف بات ہے۔ وہ قطعیت سے بولیں۔

"جو تمہارے جی میں آتا ہے کرو، میں کچھ نہیں کہتا۔" ابا ناشتہ ادھورا چھوڑ کر کنپٹی دباتے باہر نکل گئے۔

"لوحد ہوگئی، ایک تو اللہ بیٹھے بٹھائے اپنی رحمت کے در کھول رہا ہے اور ان کا ٹھینگا ہی درست نہیں ہوتا۔ چھوڑو ان برتنوں کو، دیکھو جا کر تمہاری خالہ بیگم اٹھیں یا نہیں۔ ناشتے کا کچھ کروں۔" اماں اس پر چلانے لگیں تو وہ برتن اسی چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ پوری شادی کے دوران وہ ہمید بھائی کی نظروں سے چھپتی چھپاتی پھرتی رہی تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی، اسے اپنی کیفیت کی خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اندر باہر جیسے ہولناک سناٹا چھا گیا تھا، وہ خالہ اماں کے

بلانے کے بجائے برآمدے کی چیزیں سمیٹتے ہوئے اخبار اٹھا کر پڑھنے لگی۔

"یہ جو تجھے ڈیڑھ نمبر کا چشمہ لگا ہے نا، اسی طرح لفظوں کے ساتھ عرق ریزی کرتی رہی تو دس نمبر کا لگ جائے گا پھر ٹھوکریں کھاتی دیواروں سے ٹکراتی ماں کی باتوں کو یاد کرو گی۔ بھیجا میں نے تجھے کس کام سے تھا اور آ کر یہ اخبار چاٹنے لگی۔ حد ہے لڑکی تیری ہڈحرامی کی، تو پتا نہیں کہاں کہاں میری ناک کٹوائے گی۔" اماں نے کسی ماہر چھاپہ مار کی طرح چھاپہ مارا تھا، اس کے ہاتھ سے اخبار گر گیا جسے اٹھاتے ہوئے وہ اندر بھاگ گئی۔

"اماں! آج ایک عجیب بات ہوئی۔ ابا ظہر کی نماز پڑھنے مسجد گئے ہوئے تھے کہ دو پٹھان دوکان پر آگئے اور ابا کا پوچھنے لگے۔ میں نے کہا کہ وہ نماز پڑھنے گئے ہیں۔ دونوں مشکوک سے تھے۔ دیکھ کر خوف آتا تھا پھر پتا ہے انہوں نے کیا پوچھا" مونی بتا رہا تھا اور خالہ اماں کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا۔ سب دسترخوان پر بیٹھے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔

"کہنے لگے آپ کے گھر کوئٹہ سے کوئی مہمان آئے ہیں۔ ایک عورت اور لڑکا....."

پہلے تو میں ایک دم سے ہاں کہنے لگا پھر نہ جانے کیوں میں نے صاف کہہ دیا نہیں۔ میں نے پوچھا۔ آپ کو کیا کام ہے تو ٹال گئے۔ تھوڑی دیر ابا کا انتظار کرتے رہے اور پھر چلے گئے۔"

مونی کی بات ختم ہوئی اور خالہ اماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ کچھ ایسا حال عبید کا تھا۔ اماں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"آپا! کیا ہوا، کیا ہوا کچھ بتائیں تو سہی۔ آپا جان! یوں نہ روئیں، خدا کے لیے کچھ تو بتائیں۔" اماں، خالہ اماں کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے بے قراری سے پوچھنے لگیں۔ سب کھانا چھوڑ کر ان کے رونے سے پریشان ہوگئے تھے۔

"ہمارے لیے اللہ کی زمین تنگ ہوگئی وہ نامراد یہاں بھی آ پہنچے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بمشکل بولیں۔

"کون آپا جان! آپ کس کی بات کر رہی ہیں۔ آخر مسئلہ کیا ہے۔ کچھ تو کھل کر بتائیں۔" اماں پریشان چہرہ لیے ان کے آنسو پونچھتے ہوئے محبت سے بولیں۔ "چپ کر جائیں آپا! آپ کو رحمٰن بھائی کی قسم اب نہ روئیے گا اور مجھے بتائیں سب۔" اماں کی قسم کا اثر یہ ہوا کہ خالہ اماں کے آنسو تھم گئے۔

"وہ ہم دونوں ماں بیٹے کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ رحمٰن کے بزنس پارٹنر

ہیں۔ میرے بچے کو مارنا چاہ رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔ رحمٰن نے ان سے لاکھوں روپیہ بطور قرض لے رکھا تھا۔ کاروبار میں اب ان کا ایک دھیلا بھی نہیں۔ کہنے والے کہہ رہے ہیں اور میری بہن! میں نے خود بھی دیکھا...... کہ...... رحمٰن کو شاید انہوں نے زہر دے کر قتل کیا ہے۔ اس وقت تو کچھ پتا نہیں تھا، بعد میں ان کے اصلی، چہرے سامنے آئے۔ ہم تو کئی دنوں سے اپنے گھر میں نہیں تھے۔ رحمٰن کے دوست کے گھر چھپے ہوئے تھے۔ دوبار انہوں نے عبید پر حملہ کیا۔ اللہ نے میرے بچے کی جان بچائی۔ یہ تو ہم چھپتے چھپاتے تمہارے پاس آگئے۔ سوچا تھا شاید محفوظ ہو گئے مگر اب......'' وہ پھر سے رونے لگیں۔

''ایسی بات ہے تو آپ ان پر کیس کر دیں''۔ اماں نے فوراً مشورہ دیا۔

''اسی لیے تو وہ خدانخواستہ عبید کو راستے سے ہٹانا چاہ رہے ہیں کہ نہ کوئی وارث بچے گا، نہ سوال کرے گا۔'' عبید سر جھکائے لب بھینچے ماں کو روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''میرے اللہ! میں کدھر جاؤں۔ دنیا کے کس کونے میں جا چھپوں کہ ان درندوں سے اپنے بچے کی جان بچا سکوں۔ میں نے بالا ہی بالا کہلوا بھی بھیجا کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے، وہ سب کچھ لے لیں مگر ہماری جان بخشی کر دیں۔''

''واہ، آپ کا لاکھوں کروڑوں کا کاروبار پھر لاکھوں کی حویلی، آپ یونہی دستبردار ہو جائیں گی۔ آپ کی اس بات سے انہیں اور شہ ملی ہوگی کہ ڈر گئے، اسی لیے مزید ڈرا رہے ہیں۔ آپ ہمت کریں، ایک بار انہیں کورٹ میں لے آئیں پھر دیکھیں کیسے قانون کی گرفت میں جکڑے جاتے ہیں۔ آپ معین کے ابا سے آج ہی بات کر کے کسی وکیل سے ملیں۔ یوں اپنا حق چھوڑ دینا بھلا کہاں کی عقل مندی ہے۔'' اماں چمک کر بولیں تو خالہ اماں چپ سی ہو گئیں۔

''سائرہ! یہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون چلتا ہے۔ ہم خالی ہاتھ ہیں۔ خالی ہاتھ قانون بھی ہماری مدد کرنے سے قاصر ہے۔ وکیلوں کی فیس کہاں سے بھریں گے اور تم انہیں نہیں جانتیں، ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور بہت طاقتور بھی۔ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔'' خالہ اماں بے بسی سے بولیں۔

''آپ کے پاس حق ملکیت کے کوئی کاغذات...... کچھ تو ہوگا'' اماں کسی ماہر وکیل کی طرح پوچھ رہی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں، خالی ہاتھ جان بچا کر رات کے اندھیرے میں میں گھر سے نکلے

تھے۔ یہ تو رحمٰن کے اسی دوست کی مہربانی جو یہ کپڑے لتے دے کر انہوں نے ہمیں ادھر بھیجا، ورنہ شاید ہم تین کپڑوں میں ادھر پہنچتے۔'' وہ پھر سے بے آواز آنسوؤں سے رونے لگیں۔

''صبوحی، انجی...... چلو برتن اٹھاؤ، تمہارے ابا آنے والے ہیں، ان کے لیے کھانا گرم کرو گی تو جس نے کھانا ہوگا کھا لے گا آپا! آپ کھانا تو کھا لیں۔'' اماں کا بدلا ہوا لہجہ خالہ اماں سمیت سب ہی کو چونکا گیا۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور چادر کے کونے سے منہ صاف کرنے لگیں مگر ان کے آنسو بہے جا رہے تھے۔

''اچھا ذرا دو گھڑی کو کمر سیدھی کر لوں، صبح سے لگی ہوئی ہوں۔ آپ بھی آرام کر لیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔'' کہتے ہوئے اماں اٹھیں اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ خالہ اماں کچھ حیران سی انہیں جاتا دیکھنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

پھر اماں کے انداز ہی نہیں الفاظ اور تیور سب بدل گئے۔ ابا نے ساری بات سن کر خالہ اماں سے وکیل کرنے کو کہا تو فوراً بولیں۔ ''ان کے پاس جب کچھ ہے ہی نہیں تو ثابت کیا کرے گا بے چارہ وکیل چھوڑیں آپ۔'' خالہ اماں سے پہلے اماں بول پڑی تھیں۔

اور اس دن تیسرا روز تھا جب صبا ماش کی دال بھگو رہی تھی۔ اماں کے بدصورت رویے کا اور کسی کو احساس تھا یا نہیں، اس کا دل بری طرح سے کٹ رہا تھا۔

''کیا کریں ہم بھی بال بچے دار ہیں۔ محدود سی آمدنی اور ایک بے چارہ کمانے والا۔ اتنی لمبی مہمان داری کہاں سے کریں۔ بندے کو خود سوچنا چاہیے پھر ابھی بیٹی بیاہ کر سمجھو ہاتھ پیر جھاڑ کر بیٹھے ہیں اور ہم کون سے لینڈ لارڈ ہیں بھئی یا ہمارے پچھلے ہمارے لیے کوئی خزانے چھوڑ گئے ہیں جو کماتے ہیں، وہی کھاتے ہیں۔ دنیا والوں جیسے ہی تو ہیں۔'' اماں کی بڑبڑاہٹ دن بہ دن بلند ہوتی جا رہی تھی۔ حالانکہ اس کی ضرورت تو نہیں تھی، ان کے بدلے تیور ماتھے کے بل اور ہر پل کا چیخنا چلانا چیزوں کی اٹھا پٹخ ایک اندھے کو بھی بہت کچھ سمجھانے کو کافی تھی۔

''وہ ناہید آ رہی ہے، دو چار دن رہے گی، ساتھ میں اس کی بہن شہناز بھی۔ اصل میں اپنے بیٹے کے لیے انجی کی بات کرنے۔ اب وہ تو پنڈی سے آئیں گے، شاموں شام کو نہیں چل پڑیں گے واپس، پھر ناہید میری دیورانی ہے۔ انیس کا بھائی مونس بھی ساتھ آ رہا ہے۔ رہیں گے دو تین دن۔ سوچ رہی ہوں کہاں ٹھہراؤں گی۔ کون سا بڑا گھر ہے۔ یہی

ڈربا تو ہے، وہ بھی کرائے کا۔ ہم جیسے سفید پوشوں کے لیے یہ بھی غنیمت ہے۔ انہی چھت تلے تو پڑے ہیں،" اماں بے ربط سے انداز میں بہت کچھ سمجھاتی چلی گئیں۔

اور دال کے بگھار کے لیے مسالا بناتی صبا کی آنکھوں میں خواہ مخواہ آنسو آ گئے۔

"اماں! آپ تو کہا کرتی تھیں، مہمان اپنا رزق خود لاتا ہے۔ اللہ اس کے رزق کا بندوبست کرتا ہے۔ اماں! آپ بھول گئیں اپنی ہی کہی ہوئی بات، کسی کے رزق کی ٹھیکے دار آپ بن گئیں۔ آپ تو کہتی تھیں، مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں، آپ انہیں زحمت سمجھنے لگیں۔ اماں! آپ نے پہلے جھوٹ کہا تھا یا اب سچ کہہ رہی ہیں۔ اماں! پوری زندگی میں مجھے کبھی نہیں لگا کہ میری ماں سے عظیم کوئی اور ہے اور آج مجھے لگ رہا ہے آپ بہت چھوٹی ہو گئی ہیں، بہت چھوٹی۔" وہ چھری ہاتھ سے رکھ کر رونے لگی۔

شام چار بجے جب ان کے آنگن میں سرما کی وہ سرد شام دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلاتی نیچے اتر رہی تھی، خالہ اماں عبید اور اپنے دونوں بیگوں کے ساتھ بیرونی دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔

"آپ نے اچانک ہی فیصلہ کر لیا آپا جانے کا، کچھ دن اور رہتیں۔ اماں کی بات پر پیچھے کھڑی صبا اپنے پیروں کو دیکھنے لگی۔"

"بس بہت رہ لیا، تمہارا بہت شکریہ۔ تمہیں اتنی زحمت دی۔ خالہ اماں شرمندہ سے لہجے میں بولیں۔" آپ کہہ رہی تھیں، وہاں جانا آپ کے لیے ٹھیک نہیں تو پھر......" اماں مصنوعی لہجے میں اٹک کر بولیں۔

"اللہ سے بڑا کوئی نگہبان نہیں سائرہ! وہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور موت کے لیے جو گھڑی جو جگہ معین ہے، اس سے مفر کس کو ہے۔ بس ایک درخواست ہے تم سے بلکہ التجا، اگر تم کسی قابل سمجھو تو۔" وہ جھجکتے ہوئے بولیں تو اماں ہلکی پھلکی سی ہو گئیں۔

"آپا! آپ بڑی بہن ہیں میری، حکم کریں۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" اماں لہک کر بولی تھیں۔

"یہ میری امانت ہے تمہارے پاس۔" انہوں نے ایک دم سے پیچھے مڑ کر صبا کا ہاتھ کھینچا اور اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی چھوٹی سی ڈائمنڈ رنگ اس کی انگلی میں پہنا دی۔

یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ ایک پل کو سب ہی ششدر رہ گئے۔

"نن..... نہیں آپا..... ابھی نہیں..... ابھی تو انجی ہے..... صبوحی پھر صبا کی باری آئے گی۔ آپا ابھی یہ رکھیں......" اماں نے تیزی سے رنگ اتار کر انہیں تھمادی تو ان کا رنگ بدل گیا۔

"نہیں سائرہ! یہ میرے دل کی خوشی......"

"نہیں آپا! میں اکیلی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی اور صبا سے پوچھنا بھی ضروری ہے۔ آپ اگلی بار آئیں گی تو پھر بات کریں گے۔ وہ سہولت سے بولیں۔ نہیں خالہ جان! آپ اس لیے ہمیں ٹال رہی ہیں کہ آپ ہم جیسے کنگالوں سے کوئی رشتہ جوڑنا ہی نہیں چاہتیں پھر آپ کو ہمارے زندہ بچ جانے کے بارے میں بھی یقین نہیں۔ تیسرے، پہلے دن سے آپ میری شکل سے خائف ہو چکی ہیں۔ صرف ہماری دولت کی رکاوٹ آپ کو واضح طور پر کچھ کہنے سے روکے ہوئے تھی۔ سودہ بھی نہیں رہی، اس لیے خالہ جان! میں آپ کو بتا دوں حقیقت صرف وہ نہیں ہوتی جو نظر آتی ہے۔ آپ ظاہر ہونے والی نظر آنے والی چیزوں کی پجاری ہیں۔ شکل، دولت، گھربار، روپیہ پیسہ، خوشی، محبت، احساس، وفا، خیال، اپنائیت جیسی غیر مرئی چیزیں جو نظر نہیں آتیں، آپ کو ان پر کوئی یقین نہیں۔ اس انگوٹھی کو سنبھال کر رکھیے گا، ایک دن آپ کو ان چیزوں کا یقین آ جائے گا۔ اس دن میں آپ سے یہ انگوٹھی واپس لینے آؤں گا۔" وہ رکا۔

"یوں بھی آپ مادی چیزوں پر یقین رکھتی ہیں۔ اگر میری باتوں کو دیوانے کی بڑ سمجھیں تو اس انگوٹھی کو بیچ کر اتنے دن جو ہماری مدارات کی اس کا حساب برابر کر لیجیے گا۔ اللہ حافظ۔" اس نے ایک دم ساکت کھڑی ماں کا ہاتھ کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے بیگ کے اسٹرپس کھینچتا ہوا باہر کھڑی رکشا میں جا بیٹھا اور کچھ کہنے کے لیے لب کھولے اماں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ وہ خوبصورت رنگ ان کے ہاتھ میں تھی اور دور جاتی رکشا کی پھٹ پھٹی آواز ان کی ساعتوں کو بوجھل بنا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ رات بڑی بھاری تھی۔

اس کی اب تک گزاری گئی زندگی میں آنے والی سب سے بوجھل رات اسے لگا وہ لڑکپن سے ایک دم سامنے نظر آنے والا پھاٹک دھاڑ سے کھول کر اندر داخل ہو گئی ہے۔ لڑکپن سے بڑھاپے میں۔ ان دونوں کے بیچ جیسے جوانی کا پڑاؤ بھی نہیں آ سکا۔

"آخر ہوا کیا؟ ایسا کیا ہو گیا ہے ایسا تو ہوتا رہتا ہے ہر طرف ہوتا ہے سب کے

ساتھ ہو جاتا ہے اسے اس قدر اپنے دل و دماغ پہ طاری کرنے کی بھلا کیا تک ہے۔'' وہ خود سے پوچھ پوچھ کر ہار گئی سمجھا سمجھا کر تھک گئی مگر تکیہ بھیگتا ہی چلا جا رہا تھا۔

ماضی، حال، مستقبل کے سارے منظر کہیں دور کسی پس منظر میں چلے گئے تھے۔

قلب و ذہن پر ایک ہی منظر ٹھہر گیا تھا۔

خالہ اماں اور عبید الرحمٰن شکستہ و دل گرفتہ مایوس روہانسی صورتیں لیے نادم و شرمندہ دھند بھری ملگجی شام میں پھٹ پھٹ کرتے رکشا میں بیٹھ کر اس ملگجی شام کے دھندلکے میں نہ جانے کس اور چلے گئے، کاش وہ ان کو روک سکتی۔ ان کے ہاتھ تھام کر انہیں واپس اندر لے آتی۔ ان کی منت کر کے ان کے پاؤں پڑ کے بس آج کی رات اس اداس پاگل کر دینے والی شام کے ڈھل جانے تک انہیں روک لیتی اور ان کی وہ نگاہ؟ ہزار حسرتوں مایوسیوں کے دامن میں ڈولتی ان کے گھر اور چوکھٹ کو آخری بار تکتی نگاہ اس کے ذہن سے نہیں اتر رہی تھی۔

پتا نہیں کیسا دکھ کیسا خوف تھا جو اس کے اندر گھنٹیاں بجائے جا رہا تھا تمہیں اس نگاہ...... ان مایوس و پریشان حال قسمت کے ماروں کی اس نگاہ کا خراج ادا کرنا ہوگا دیکھنا تم ...... نہ جانے یہ کیسا دیدہ دلیر خوف تھا جو ڈرے ہچکچائے بغیر اس کے خوفزدہ سہمے ہوئے دل کو اور بھی سہماتے جا رہا تھا۔

''اف اماں آپ نے یہ کیا کیا۔'' ایک طرف لیٹے لیٹے آنسو بہاتے اس کا سر اس طرف سے دیکھنے لگا تھا مگر آنکھیں نیر بہاتے نہ تھکی تھیں۔

کبھی کہیں دروازے پہ، کسی بے زار کن لمحے میں دن اور رات کے کسی ایسے پہر میں جب ہم کسی سے بھی ملنے یا بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوتے، دستک ہو جاتی ہے اور ہم ڈھیٹ بنے دستک کی صدا سنتے کانوں کو بند کیے یہ سوچ کر پڑے رہتے ہیں، کوئی مانگنے والا ہوگا کوئی اور اٹھ کر کھول دے گا اس لمحے بہت کم خوش بختوں کو یہ خیال آتا ہے دروازے پر کوئی سوالی نہیں کوئی دینے والا ہو تقدیر کا کوئی جھولی بھر دینے والا لمحہ ہو، ہم نہ اُٹھے تو کوئی اور یہ خزانہ سمیٹ لے گا مگر ایسا بہت کم لوگ سوچتے ہیں بلکہ شاید سوچتے ہی نہیں۔

''اماں کاش! آپ یہ سوچ لیتیں فقط آج رات کے لیے اس شام کے گزر جانے تک کاش!''

''آخر تم نے انہیں جانے ہی کیوں دیا کچھ موسم کا ہی دھیان کر لیتیں اتنی آفت کی

سردی اور بارش میں غریب کہاں گئے ہوں گے۔'' ابا دکان سے آتے ہی ان کے جانے کا سن کر اماں پر برسنے لگے۔

''لو حد ہو گئی، کمال کرتے ہیں میں نے انہیں دھکے دے کر نکالا ہے بھلا، وہ تو خود اپنی مرضی سے گئے۔ بیٹا خود جا کر کوئٹہ کے ٹکٹ لے کر آیا تبھی تو گھر سے نکلے۔'' اماں اسی طنطنے سے بولیں جس سے انہوں نے مہمانوں کو رخصت کیا تھا۔

اللہ کی بندی انہوں نے سب کچھ تو تمہیں بتا دیا تھا وہ بھلا واپس اس شہر کیسے جا سکتے ہیں۔ جان سے جانا ہے انہوں نے اماں کا بگڑا موڈ دیکھ کر ابا ٹھنڈے پڑ گئے۔

''جہاں مرضی جائیں۔ میں نے دنیا بھر کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ میں جوان جہان بیٹیوں کی ماں ہوں وہ سو دشمنیاں پال کر اس بل میں آ چھپے کل کلاں کو اگلے، گولوں بندوقوں کے ساتھ حملہ کرنے چلے آتے ہم تو بے موت مارے جاتے نا، نہ عزت رہتی نہ جان۔ معاف کیجیے گا میں اس ہمدردی سے باز آئی۔'' بارش کی رفتار تیز ہونے کے ساتھ اماں کے مزاج میں بھی تندی آتی جا رہی تھی۔

''پھر بھی روک لیتیں کل پرسوں موسم ٹھیک ہوتا تو چلی جاتیں اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ میں عبید کے لیے نوکری ڈھونڈ رہا تھا ہفتہ پندرہ دنوں میں کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا تھا۔'' ابا کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی ساتھ ہی غم زدہ بھی۔

''لو اور سنو ایف اے پاس کہ فیل اسے راتوں رات بھلا کون سے جنات کے محکمے میں بھرتی مل جاتی تھی .... اور جو نیا سوشا آپا جاتے سے چھوڑے جا رہی تھیں سنتے تو آپ بھی انہیں فوراً سے پہلے چلتا کر دیتے۔'' اماں چونکا دینے والے انداز میں بولیں۔

جاتے سے یہ انگشتری پہنا رہی تھیں صبا کے ہاتھ میں اپنے نکھٹو بیٹے کے نام کی اور اللہ سے ڈر کر کہتی ہوں۔ صورتیں بنانے والا وہی ہے پر دیکھنے والی آنکھ کوئی کوئی جوڑ بھی تو دیکھے کہاں صبا کہاں وہ......'' اماں ہنسیں'' بچپن میں تو اچھا بھلا ہوتا تھا مجھے تو لگتا ہے آپا نے بیٹا بھی کہیں سے بدل لیا ہے۔''

''پھر تم نے کیا کہا۔'' ابا نے جیسے اماں کا ٹھٹھا سنا ہی نہیں۔

لو میں نے کیا کہنا تھا صاف جواب دے دیا کہ بھئی ابھی اپنے سر چھپانے کا کہیں ٹھکانہ تو کر لو پھر پرائی بیٹی کو بسانے کی تمنا کرنا انگوٹھی واپس کر دی۔ بیٹے صاحب جوش میں اللہ

جانے کیا کیا بول گئے میرے تو خاک پلے نہیں پڑا میں یہ انگوٹھی خود لینے آؤں گا ایک دن ...... اللہ جانے کیا کیا بول گئے میرے تو خاک پلے نہیں پڑا۔ میں یہ انگوٹھی خود واپس لینے آؤں گا ایک دن ...... اللہ جانے کیا کیا واپس کرنے کی کوشش کی دونوں چھلاووں کی طرح رکشے میں بیٹھ یہ جاوہ جا۔'' اور یہ والی بات تو اسے اپنے رونے کے دوران ایک بار بھی یاد نہیں آئی تھی اس کے آنسو اب تھم چکے تھے۔

''پھر بھی تم نے اچھا نہیں کیا ہیرے کی لگتی ہے انہیں واپس کر دینی تھی سہولت سے کہہ کر کہ عبید اپنے پیروں پہ کھڑا ہو جائے تو آپا پھر دیکھ لیں گے ہم جیسوں میں یہ ٹوکن نشانیوں سے زیادہ زبان کا اعتبار کیا جاتا ہے۔'' ابا رک رک کر کہہ رہے تھے۔

''حد ہوگئی کیا دماغ خراب ہوگیا تھا میرا اور انجی کے ابا آپ کی عقل کو میں کیا کہوں میں کیا بکے جا رہی ہوں۔ آپ کیا فرما رہے ہیں چند دن بعد فون خط کوئی رابطہ کروں گی گھر ٹھکانے پہنچ گئے تو انگوٹھی روانہ کر دوں گی۔ مجھے یہ رشتہ کرنا نہیں تو زبان اعتبار ٹوکن کیسا...... اللہ نہ کرے میری بچی میں کیا کمی ہے۔ جو یہ بے جوڑ رشتہ کرتی پھروں۔ انجی روٹی پک گئی تو کھانا اپنے ابا کے کمرے میں لے آؤ ادھر تو سردی بہت ہے اور ہیٹر بھی لگا دینا۔'' ماں شاید اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

پھر انجی، صبوحی، معین باری باری اسے کھانے کے لیے اٹھانے آئے وہ گہری نیند کا بہانہ کیے منہ سر لپیٹے پڑی رہی۔

اور یہ اس کی زندگی کی پہلی رات تھی جب اس نے کھانا نہیں کھایا تھا ورنہ وہ تو بھوک کی اتنی کچی تھی کہ رات کو کھانا کھائے بغیر اسے نیند نہیں آتی تھی۔ نیند تو آج بھی نہیں آ رہی تھی مگر اسے بھوک بھی نہیں تھی۔ من بھرا بھرا تھا جیسے ابھی دسترخوان سے اٹھ کر آئی ہو۔

اس کے آنسو تو تھم چکے تھے مگر ذہن کی سوئی ایک ہی نکتے ہر اٹک گئی تھی انگوٹھی...... ٹوکن...... اعتبار......

اس کے کانوں میں عبید کی بھاری گمبھیر خوب صورت آواز گونجنے لگی گر مجھ سے محبت ہے...... ایک ہی مصرعہ کی تکرار ...... اس کے پورے وجود میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ اس نے گھبرا کر منہ لحاف سے باہر نکال لیا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور باہر بارش کی آواز اور اس کے اندر اسی مصرعے کی تکرار...... اسے پتا بھی نہیں چلا اس کی آنکھیں پھر سے برسنے لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح اور اس کے بعد آنے والے تین دن ایسے بے خبری سے گزرے کہ اسے ان کے گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا وہ اتنی چپ تھی جیسے بولنا بھول گئی ہو اماں تین چار بار اسے جھاڑ چکی تھیں انجی اور صبوحی معنی خیز انداز میں اسے دیکھ کر مسکراتیں اور کوئی نہ کوئی فقرہ کس دیتیں مگر اس کے تو جیسے سارے حواسوں پر برف گر چکی تھی۔

وہ صبوحی کے ساتھ بندھے کام کرتی اور اسٹور میں جا چھپتی آج کل مفتی کی ''چپ'' اور مستنصر کی ''پیار کا پہلا شہر'' پڑی تھیں وہ ان تین دنوں میں آرام سے دونوں کتابیں پڑھ سکتی تھی مگر کتاب ہاتھ میں لیے وہ خالی خالی سی بیٹھی لفظوں کو دیکھتی رہتی یا کتاب منہ پر اوندھی رکھ کر لیٹ جاتی باہر اماں اس کی شان اور اس گوتم بدھ جیسی چپ اور گوشہ نشینی پر کون کون سے تعریفی کلمات کہہ رہی ہوتیں اسے کچھ احساس نہیں تھا۔

تیسری شام چچی جان اور چچا آ گئے۔ انجی کے رشتے کے سلسلے میں چچی کی بہن کے ساتھ، اس کی آمد کی تیاریوں کے سلسلے میں اماں نے صبح سے گھر میں بھونچال لا رکھا تھا۔ صفائی ستھرائی مینیو سب شاندار تھا۔ مہمان بھی سب سے مل کر اتنی تواضع پر خوش تھے اور میزبان مہمانوں سے مل کر...... چچی کی بہن چہرے مہرے سے کھاتی پیتی اور خوشحال لگتی تھیں۔ کھانے کے فوراً بعد انہوں نے انجی کو بلا کر پیار کرتے ہوئے اپنی پسندیدگی کا واضح اظہار کر ڈالا تھا اور ساتھ ہی اماں ابا کو اپنے گھر آنے اور بیٹے سے ملنے پر اصرار کیا تھا۔ اماں تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں، جب کہ ابا کے خاموش چہرے سے کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ ان کا چہرہ ہی بجھا بجھا سا نہیں تھا انداز بھی زبردستی لیے ہوئے تھا۔ کھانے کے بعد چچی جان! اپنی بہن کے ساتھ ہی چلی گئیں جب کہ چچا ابا سے کچھ باتیں کرنے کے بعد سونے کے لیے چلے گئے۔

''ابھی افشی کی شادی کو مہینہ بھی نہیں ہوا تھا اور انجی کا سلسلہ...... تم جانتی ہو نا میرے ہونا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔'' وہ چائے کے خالی کپ اٹھانے آئی تھی جان بوجھ کر بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔

''اللہ کا شکر ادا کریں انجی کے ابا ہم خوش نصیب ہیں ایک بیٹی کے فرض سے فارغ ہوئے کہ رب نے دوسری بیٹی کا بھی بنا کوشش کے بندوبست کر دیا ایسا کھاتا پیتا گھرانہ پڑھا لکھا برسرروزگار لڑکا ہمیں اور کیا چاہیے اور بیٹیوں کے معاملے میں یوں فکر مند نہیں ہوا کرتے ان کے معاملے اللہ خود سنوارتا ہے آپ بس کل چل کر لڑکا دیکھنے کی سوچیں باقی بعد کی ہیں۔

''اماں کو اپنی خوشی میں ابا کی پریشان صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے مگر سب کچھ او کے ہوتے ہی وہ جلدی مچاویں گے۔ ہم کہاں سے کریں گے۔'' ابا نے نڈھال ہو کر کرسی پر سر ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دبانے لگے۔ صبا ہاتھ میں پکڑے کشن صوفے پر رکھ کر تیزی سے ابا کے پیچھے جا کر کھڑی ہوئی اور ان کا ہاتھ ہٹا کر سر دبانے لگی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور خفیف سا مسکرا کر پھر آنکھیں موند لیں۔

''اللہ مالک ہے آگے بھی دو بیٹھی ہیں صبوحی کے بی اے کے پیپرز ہونے دیں تو وہ بھی فارغ اس کا نتیجہ دیکھ کر کہ کیا نکلتا ہے، نہیں تو دو سال بعد اس کا بھی۔''

اماں نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

آپ فکر نہ کریں کچھ ہو جائے گا میں تو شہناز کو دعائیں دیتی ہوں ایسی دیورانی کس کی ہوگی جو جیٹھ کی بچیوں کی فکر کرے اس کی یہ بہن شروع سے بہت خوشحال رہی ہے اور دیکھیں ذرا نخرہ نہیں مزاج میں۔ کتنی ملنساری سے بول رہی تھیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو میں نفل پڑھوں گی شکرانے کے یہ کام ہو جائے، انجی کی مجھے بہت فکر تھی زبان کی ذرا تیز ہے، جھٹ سے بول پڑتی ہے۔''

''میں سونے جا رہا ہوں میرے سر میں درد ہے۔'' ابا نے شاید اماں کی کوئی بھی بات نہیں سنی تھی۔

''اے! میں کہتی ہوں کسی اچھے ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتے، ہر وقت کا درد جان کو چمٹ گیا ہے۔'' اماں کا موڈ اس وقت قطعاً فکرمند ہونے کا نہیں تھا۔ زبردستی تشویش بھرے انداز میں بولیں۔

''سب کچھ تمہارے سامنے ہے مالک مکان اس مہینے سے کرایہ بڑھانے کا کہہ گیا ہے، اور ابھی شادی کا تھوڑا قرض باقی ہے دکان الگ خالی ہوئی پڑی ہے میں کیا اکیلی جان کیا کیا کروں اور یہ مونی مجھے سارا دن نظر نہیں آیا کدھر ہے۔ وہ جاتے جاتے رک کر بولے۔

''ادھر ہی تھا سکول سے آ کر تھوڑی دیر باہر گیا تھا پھر......''

''دو ماہ رہ گئے ہیں اس کے میٹرک کے فائنل میں ایک بار میں نے اسے پڑھتے نہیں دیکھا محلے کے لڑکوں کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔'' وہ سخت لہجے میں بولے۔

''نہیں' کہاں۔ صبح اُٹھ کر پڑھتا ہے پھر شام کو ہے نا صبا اور تم بھی ذرا اس کو دیکھ لیا کرو پڑھائی میں تھوڑی مدد کر دیا کرو پتا نہیں کیا مست ملنگ گم صم سی بنی پھرتی رہتی ہو ہر وقت رونی صورت بنا کر' اللہ جانے کیا دماغ میں خناس سمایا ہے بڑے دنوں سے اس کی یہ سوجی صورت دیکھ رہی ہوں میں۔ سمجھائیں اس لاڈلی کو اپنی زبان میں' اتنی چھوٹ میں نے کسی کو نہیں دی من مرضی کا بوتھا بھرے گھر میں بنا کر پھرے اور بھی بچے ہیں تابع دار' فرماں بردار یہ انوکھی نہیں ہے۔'' اماں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے کیا کچھ سمجھا دیا تھا ابا سمجھے یا نہیں مگر وہ سمجھ گئی۔ ابا ان سنی کر کے جا چکے تھے اور وہ مرے مرے قدموں سے باہر نکل آئی۔

اگلی صبح اماں نے فون کر کے افشی آپی کو بھی بلا لیا۔

''اماں لڑکے والوں کی طرف کل جانا تھا آپ نے مجھے آج ہی بلا لیا۔''

وہ پیلے مقیش کے چمکتے دمکتے سوٹ میں خود بھی نکھری نکھری لگ رہی تھیں۔ نیا نیا دلہناپا تھا اپنا بیڈروم چھوڑ کر آنے کو ذرا دل نہ کرتا۔ دلہا بھائی تو یوں بھی ساتھ ہی چپکے چلے آئے تھے پتا نہیں شادی کر کے بہنیں پرائی پرائی سی کیوں ہو جاتی ہیں۔ وہ سارے گھر اور بہن بھائیوں کو تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''اے تو کیا ٹائم کے ٹائم بلاتی پھر تم نے خفا ہونا تھا کہ عین وقت پر خبر کی اور تیری ساس معلوم نہیں وقت پر بھیجتی نہ بھجتی یوں سو صلاح مشورے کرنے ہوتے ہیں' ابھی تو ویسے میں نے انجی کا کچھ زیادہ نہیں بنا رکھا پھر بھی بستر لحاف کچھ کپڑے' تھوڑی کرا کری تو ہے ہی ذرا ایک نظر ان کو دیکھ کر حساب کر لیتے ہیں باقی کیا کیا آئے گا۔''

اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انجی کو ابھی کے ابھی دہلیز سے پار کر کے ڈولی میں بٹھا آئیں۔

''افوہ اماں! پہلے لڑکا گھر بار تو دیکھ لیں پھر پتا نہیں وہ کب شادی وادی پر تیار ہوتے ہیں کیا پتا ابھی ان کا فقط منگنی شنگنی کا ارادہ ہو اور یوں بھی اماں ......'' وہ راز داری کے سے انداز میں اماں کے قریب ہوئیں۔

''انجی مٹن قورمہ میں مرچیں کم ڈالنا تمہارے دلہا بھائی زیادہ مرچیں نہیں کھاتے کباب اور بریانی البتہ ذرا تیز ہی رکھنا میٹھا بنا لیا تم نے۔'' وہ اماں کے قریب ہوتے ہوئے کچن کی طرف منہ کر کے قدرے بلند آواز میں ہدایات دینے لگیں انجی تو آج کل یوں بھی

اپنے رشتے کی خوشی میں کچن میں گھسی خوب خوشبوئیں اڑاتے پکوان پکا رہی تھی۔ صبوحی اس کے ساتھ ہی تھی۔ صبا موقع ملتے ہی اسٹور میں کھسک جاتی۔

"گاجر کا حلوہ بنایا ہے ٹھیک ہے نا۔" انجی کی زبان بھی میٹھی ہوئی۔

"ہر بار گاجر کا حلوہ کیا قسم کھا رکھی ہے تم نے اور کوئی میٹھا نہیں بناؤ گی۔" وہ جھلا کر بولیں تو انجی غصہ پی کر سر جھٹکتی ہوئی مڑ گئی۔

"نوابزادی بیٹھی ہیں' خود اتنا خیال ہے تو اٹھ کر خود کچن میں آ کر چمچہ چلا لیا کریں مہینہ بھر تو ہو چلا ہاتھوں کی مہندی نہیں چھوٹ رہی اس دفعہ بنا دیا حلوہ آئندہ سے وہ بھی نہیں بناؤں گی خاطریں کر کر کے ہلکان ہو جاؤ میڈم کی ناک کے نیچے کچھ نہیں آتا۔"

انجی کا خود پر کنٹرول ویسے ہی کم تھا کچھ وہ صبح سے کچن میں جتی تھی ذرا سی تنقید بھی اسے گوارا نہیں تھی۔

"اماں اس کی زبان دیکھی ہے آپ نے سمجھا لیں اسے سسرال میں ساری طراری دھری کی دھری رہ جاتی ہے ہاں۔" وہ اپنے مہینے بھر کے تجربہ کار شادی شدہ زندگی کا نچوڑ بتاتے ہوئے تنبیہی انداز میں بولیں۔

"اے دفع کرو عادت ہے اس کی خود ہی سسرال جا کر بولتی بند ہو جائے گی یوں بھی بے چاری صبح سے ہلکان ہو رہی ہے تم دونوں کی خاطر میں' ذرا نرمی سے بول لیتیں۔" اماں نے انجی کی محنت کا خیال کر کے کہہ ڈالا۔

"ہماری خاطروں میں نہیں چچا چچی جو ادھر ہیں ان پر اپنے سگھڑاپے کا رعب نہیں ڈالنا اسے۔" وہ کلس کر بولیں۔

"توبہ ہے اب کہہ بھی چکو۔" اماں بے زاری ہو کر بولیں۔

"اماں ابا اتنی جلدی کیسے کر سکیں گے دوسرا چھوٹا بڑا کوئی سا بھی فنکشن۔"

"ہاں یہی تو وہ بھی رات کو کہہ رہے تھے پر میں کہتی ہوں اچھے رشتے روز روز کہاں آتے ہیں ہم تو خوش نصیب ہیں' اچھا ہے جتنی جلدی اپنے فرائض سے فارغ ہو جائیں انجی کے بعد بھی تو دو ہیں۔" اماں اسی انداز میں بولیں۔

"پھر بھی اماں کچھ تو ہو......" وہ ایسی فکرمندی سے بولیں جیسے سارا بار ان کے کندھوں پر آ پڑا ہو۔

"اللہ مالک ہے میں نے تو سب ......اے مونی کے بچے ادھر آ یہ سارا دن کن چکروں میں پھرتے رہتے ہو گھر بہن بہنوئی آئے ہیں چچا چچی اور تو غائب' سکول گئے تھے یا باہر سے دیدار کر کے آ گئے۔" چھت کی سیڑھیوں کی طرف جاتے مونی کو دیکھ کر اماں چلائیں۔ ابا کی رات کی باتوں کا اثر تھا شاید۔

"سکول ہی سے تو آ رہا ہوں' آپ تو صبح سے ایک ہی جگہ بیٹھی اللہ کے بندوں کی نیکیاں اور بدیاں شمار کر رہی ہیں ٹائم دیکھیں ذرا دو بجنے کو ہیں اس وقت کون سا سکول لگتا ہے۔" وہ جاتے جاتے پلٹ کر بڑے رعب سے بولا۔

"اب اوپر کہاں جا رہے ہو امتحان سر پر ہیں کچھ پڑھ لو یا ابا کے پاس دکان پر چلے جاؤ۔"

"اماں اس نے اوپر برساتی میں یہ بڑے بڑے گڈے اور پتنگیں رکھی ہوئی ہیں اور اتنی ڈور بھی' یہ امتحان میں سوالوں کے پیچ ہی لڑائے گا اسے جواب کوئی نہیں آئے گا آپ نے اس کے سکول کی رپورٹ دیکھی ہے سب لازمی مضمونوں میں فیل ہے یہ۔" صبوحی ہنڈیا میں چمچہ چلاتی چمچہ ہاتھ میں لیے باہر آ کر اماں کو معلومات دیتے ہوئے بولی۔

"ہاں تم تو جیسے ٹاپ کرتی رہی ہو نا اور جھوٹ اتنا ہی بولو جتنا تمہارا ہاضمہ ہے کھانے کو یہاں کچھ ملے گا تو جا کر پڑھوں گا یہاں تو صرف جھاڑ ڈپٹ ہی ہے کھانے کو۔" اس کی فریادی شکل پر اماں کو ترس آ گیا۔

"صبح سے بھائی سکول گیا ہوا تھا کچھ خیال ہے تم کمبختوں کو صبح سے کچن میں گھسی ہو جو بھائی کو ایک روٹی ہی اتار دیں الٹا شکایتوں کی پٹاری کھول کر بیٹھ گئیں' جا بھائی کو کچھ کھانے کو دے۔" اماں نے الٹا صبوحی کو ڈانٹ دیا تو مونی اسے منہ چڑاتا ہوا اوپر بھاگ گیا۔

"اماں یہ خالہ اماں کیسے چلی گئیں اچانک۔" فشی کو اچانک خیال آیا۔

"ارے ہاں یہ بھی سنو۔" اماں آہستہ آہستہ ایک بار پھر ساری کتھا سنانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن سب لڑکا دیکھنے گئے۔ صرف وہ صبوحی اور انجی گھر پر رہیں۔

"اے میں اللہ کے قربان جاؤں کیسے اس نے میری بچی کے نصیب کھولے اپنا گھر اتنا اچھا کھاتا کماتا لڑکا تہذیب سلیقے سے بات کرنے والا۔ انجی کے ابا کل میں صدقے کے

دال روٹی پکا کر فقیروں میں تقسیم کراؤں گی نظر نہ لگ جائے میری بچیوں کے نصیب کو' اللہ تیرا شکر ہے۔'' اماں تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ ابا بھی مطمئن نظر آ رہے تھے۔ افشی آپی نہ خوش تھیں نہ ناراض۔

''یہ اچھا طریقہ ہے اماں' نیچے پورا بازار کھلا ہے بڑی بے پردگی تین چار مربوں پر دو دو چوبارے کھڑے کر رکھے ہیں اور ساس صاحبہ باری باری تینوں بیٹوں کی مہمان۔'' وہ رہ نہ سکیں اور اپنی ناگواری کا اظہار کر ہی دیا۔

''نیچے ان کی اپنی دکانیں ہیں کرایہ آتا ہے مفت میں اور اچھا ہے نا تینوں بیٹوں کے الگ الگ پورشن بنے ہیں جھگڑے یا رنجش کا کوئی امکان ہی نہیں بڑا اچھا طریقہ ہے بھئی ساتھ بھی رہتے ہیں اور اپنا اپنا الگ سے گھر بھی۔ ہے ہماری انجی تو جاتے ہی اپنے گھر والی ہو جائے گی وہ لوگ جمعہ کو آئیں گے نا رسم کرنے۔'' چچی چچا ادھر ہی رہ گئے تھے ورنہ افشی آپی اتنا کھل کر اظہار نہ کر پاتیں۔

جمعہ کی شام گھر میں سادہ سے فنکشن میں چچی کی بہن اپنے دونوں بیٹوں اور بہوؤں کے ساتھ آ کر سادگی سے انگوٹھی پہنا گئیں۔ وہ واقعی بہت سلجھے ہوئے اور مہذب لوگ تھے چار جوڑے جوتے میک اپ اور مٹھائی کے علاوہ انہوں نے کسی بھی چھچھورے پن کا مظاہرہ نہ کیا جس کے بارے میں افشی آپی دو چار بار کہہ چکی تھیں۔

''اماں چھچھورے اور شوخے لگتے ہیں دولت کی نمائش ہی تو ہے بیٹے بہوؤں کو ساتھ رکھنے کی بجائے الگ الگ دنیا دکھاوے کو گھر دے رکھے ہیں کہ بیٹے کہیں ہاتھ سے نکل بھی نہ سکیں اور بہوئیں ان کی احسان مند بھی رہیں۔'' پتا نہیں افشی کی سوچ شادی کے بعد کیسی تنگ سی ہو گئی تھی یا وہ پہلے بھی ایسی تھیں صرف انہیں احساس نہیں ہوا تھا۔

''بھابی آپ کی بہن چلی گئیں کوئٹہ میں تو سمجھی وہ ادھر ہی ہوں گی۔'' تقریب کے بعد سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب چچی نے اچانک پوچھا۔

''آں! وہ تو چلی گئی تھیں تم لوگوں کے آنے سے دو دن پہلے ہی۔'' اماں' ابا کی شاکی نظروں سے نگاہیں چرا کر انجی کے سامنے پڑے سوٹ تہ کرنے لگیں۔

''سنا ہے بڑی امیر کبیر ہیں کوئٹہ میں یہ حویلی نما گھر ہے نوکر چاکر دولت کی ریل پیل یہ آپ کے دیور گئے تھے نا کچھ سال پہلے بڑے متاثر ہو کر آئے تھے اب تو ان کے شوہر کا

انتقال ہو گیا اب بھی ویسے ہی حالات ہیں یا۔'' چچی نہ جانے کیا اگلوانا چاہ رہی تھیں۔

''ہاں ویسے ہی ہیں یہ عامر کے بڑے بھائی کے کتنے بچے ہیں بھلا۔'' اماں فوراً موضوع بدلتے ہوئے بولیں۔

''تین' بھابی آپا جلد شادی چاہتی ہیں بس چار چھ مہینے میں آپ کی تھوڑی بہت تیاری تو ہو گی بیٹیاں بھی تو ماشاء اللہ آگے پیچھے ہیں مائیں تو بڑا کچھ سوچ کر رکھتی ہیں۔''

''ہوں اللہ مالک ہے۔'' اماں نے کن انکھیوں سے ابا کی طرف دیکھا جو ہولے ہولے ایک ہاتھ سے اپنی دائیں کنپٹی دبا رہے تھے۔

اگلے روز چچا چچی چلے گئے افشی بھی تیار کھڑی تھیں۔

''یہ تمہارا جوڑا یہ تمہارے میاں کا اور یہ مٹھائی'' اماں چیزیں انہیں تھماتے ہوئے بولیں۔

''اوں اماں یہ کیسا سوٹ ہے ذرا بھی اچھا نہیں۔'' وہ سوٹ کو چٹکی میں پکڑ کر ناک چڑھا کر بولیں۔

''کیوں کیا ہوا اسے تمہاری پسند کا کلر ہے گرین۔''

''اماں...... اماں وہ انجی کا جو بلیو سوٹ نہیں آیا منگنی میں وہ میں لے لوں آپ اسے یہ والا دے دیں۔'' وہ بولیں تو انجی طیش سے پہلو بدل کر رہ گئی۔

''نہ بیٹی کچھ خیال کرو اس کی ساس چار تو جوڑے لائی ہے میں تو اسے سلوانے بھی نہیں دوں گی پتا نہیں ان کا کیا رواج ہے یوں بھی یہ اس کے شگنوں کا جوڑا ہے اس پر تمہارا حق نہیں۔'' اماں نرمی سے بولیں۔

''تم ٹرنک میں سے کوئی اور دیکھ لو۔''

''میں کون سا چھین رہی ہوں' اوچھے لوگ چار جوڑے لائے ان میں سے بھی یہی ڈھنگ کا تھا اور ٹرنک میں جو آپ نے باوا آدم کے زمانے کی چیزیں اکٹھا کر رکھی ہیں وہ بھی اپنی اس لاڈلی کے لیے سنبھال رکھیں یا اس کی چھچھوری ساس کے لیے' مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ پیر پٹختی باہر نکل گئیں تو اماں نے قدرے حیران اور الجھی ہوئی نظروں سے ایک ماہ کی بیاہی ہوئی بے زبان بیٹی کو دیکھا۔

''اماں دیکھا ہے آپ نے آپا کی زبان' ایسے میں ان کی ساس کے بارے میں

کہوں تو کیسی مرچیں لگیں گی۔'' انجی کیوں پیچھے رہتی۔

''اب تم دونوں کیا محاذ کھولو گی جاؤ اندر سے اپنا سوٹ لا دو اسے ناراض ہو کر جائے گی ایسا تمہیں بازار سے لا دوں گی۔'' اماں افسردہ سے لہجے میں بولیں تو انجی غصے میں کھولتی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

اس شام آنگن کیا مہمانوں سے خالی ہوا فضا اچھی خاصی اداس ہوگئی سب سرِ شام ہی کھانا کھا کر سو گئے۔

ابھی رات کے بارہ بھی نہیں بجے تھے کہ اماں کے واویلے سے سب ہی بستروں سے نکل کر اماں ابا کے کمرے کی طرف دوڑے۔

ابا سر کے شدید درد سے بے حال ہو کر کراہ رہے تھے ان کے چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اور ماتھے پر پسینہ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں سر جکڑ رکھا تھا۔ اور زور زور سے اس جکڑے سر کو دائیں بائیں مار رہے تھے۔

''ابا ابا کیا ہوا ابا؟'' صبا تو رونے لگی۔

''مونی جا ساتھ والے عباس انکل کو بلا کر لا وہ کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔''

اماں کے کہنے پر مونی بھاگا بھاگا گیا عباس انکل ابا کو اپنے اسکوٹر پر بٹھا کر ہسپتال لے گئے۔

''بھابھی اس وقت ڈاکٹر تو کوئی نہیں ملے گا'

ایمرجنسی میں ہسپتال میں ہی کوئی ڈاکٹر ملے گا' وہیں لے جاتا ہوں۔'' وہ ابا کی بگڑتی حالت کو دیکھ کر انہیں بمشکل اپنے پیچھے بٹھاتے ہوئے بولے۔

وہ ڈھائی گھنٹے سب نے پیر جلی بلی کی طرح ادھر ادھر تڑپ کر گزارے درد کے پل بھی گھنٹے بن جاتے ہیں اور گھنٹے جیسے سال۔ انہیں لگ رہا تھا وہ کئی سالوں سے اس جان کنی کی حالت میں ہیں۔

صبا کی تو ابا میں جان تھی وہ ابا کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی۔ لاڈلی تو اماں کی بھی کم نہیں تھی مگر باقی بیٹیوں کو ماں کی اس خصوصی لگاوٹ کا علم نہ تھا اماں اکثر اسے بے وجہ ڈانٹ ڈپٹ دیا کرتی تھیں' ورنہ تو وہ جیسے اپنے بعد اکلوتے بھائی مونی کی انگلی پکڑ کر لائی تھی اماں کا تو بس چلتا کوئی صبا کو اف بھی نہ کہے' اور ابا کو وہ اپنی بھولی صورت ذہانت اور دوسروں کے

لیے بے تحاشا احساس رکھنے کی وجہ سے پیاری تھی۔

''میری اس بیٹی کو اللہ نے بڑا حساس دل دیا ہے یہ اچھی بات بھی ہے اور تھوڑی تکلیف دہ بھی ایسا دل رکھنے والا ساری زندگی دوسروں کے درد اپنی جان پر جھیلتا ہے' صبا تم اتنی حساس نہ بننا بیٹا۔''

وہ اکثر جب ابا کے سر میں تیل ڈال کر نرم انگلیوں سے مالش کرتی تو وہ اماں سے کہا کرتے۔

''ہاں جیسا دل باپ نے پایا ہے۔ کانٹا کسی کو چبھے دکھن آپ کو ہے تینوں بہن بھائیوں کو ماں اور باپ بن کر نا صرف پروان چڑھایا بلکہ ان کے گھر بھی بسائے زندگی بنائی ان کی آج سارے اپنے گھروں میں مگن ہیں کسی کو احساس ہے آپ کیسی مشکل میں زندگی بتا رہے ہیں۔'' اماں کڑھ کر کہتیں۔

''نیک بخت شکر الحمدللہ کہا کرو ہزاروں لاکھوں سے اچھے ہیں بس ایک گھر نہیں وہ بھی بن جائے گا روکھی سوکھی مل ہی رہی ہے نا اور بہن بھائیوں کو کیوں احساس نہیں رضیہ لے نہیں گئی افشی کو بیٹی بنا کر اور احساس کرنا کیا ہوتا ہے۔''

ابا ساری زندگی بہن بھائی کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکے تھے آج کیسے سن لیتے

''ایمرجنسی میں تو کوئی بڑا ڈاکٹر موجود نہیں تھا' پھر بھی انہوں نے کافی اچھی طرح چیک اپ کیا ہے تین جونیئر ڈاکٹرز تھے تینوں نے اٹینڈ کیا انیس بھائی کو۔

فی الحال درد کے انجکشن لگا دیئے ہیں اور یہ گولیاں لکھ دی ہیں مگر صبح ہوتے ہی فوراً ان کے ٹیسٹ ہونے چاہیں اور مکمل چیک اپ بھی تینوں ڈاکٹرز نے سختی سے کہا ہے' بھائی جان اب آپ نے ذرا دیر نہیں کرنی اتنے عرصے سے سر میں ایسی تکلیف ہے آج کل کون سا زمانہ ہے لاپرواہی کرنے کا خدانخواستہ کوئی بڑی بیماری بن جائے' اب یہ آرام کریں گے نیند کا انجکشن بھی لگایا ہے شاید، میں اب چلتا ہوں' اور یہ ڈاکٹر صاحب کا نام اور کلینک کا ایڈریس ہے جہاں آپ انہیں چیک کرانے کے لیے کل لے جائیں' نہیں تو صبح یہ نو بجے سے ایک بجے تک اسی ہسپتال میں بیٹھے ہیں۔'' عباس انکل ڈھائی گھنٹے بعد نڈھال سے ابا کو لے آئے تھے۔

''ہاسپٹل میں کوئی بستر خالی تھا نہ ایمرجنسی میں کوئی جگہ تھی ورنہ وہ رات کو بھائی صاحب کو ادھر ہی رکھ لیتے پھر میں نے بھی سوچا اگر سونا ہی ہے تو گھر جا کر آرام کر لیں ہسپتال

میں سو جراثیم ہوتے ہیں' وہ ابا کو ان کے بستر پر لٹا کر باہر نکل گئے۔ اماں تو ابا کی سفید لٹھے جیسی رنگت کو دیکھ کر بے آواز آنسوؤں سے روئے جا رہی تھیں یہی حال صبا کا تھا ابا نے باری باری سب کی طرف دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔

''صبا!۔''

وہ چند لمحے بعد مدھم آواز میں بولے۔

''بیٹا میرے سر میں ہلکا سا مساج کر دو مجھے نیند آ رہی ہے۔''

وہ آنسو پونچھتی ان کے سرہانے بیٹھ کر ہولے ہولے مساج کرنے لگی۔

اگلی صبح ابا کے لاکھ انکار اور ''میں ٹھیک ہوں'' کہنے کے باوجود اماں مونی کو ساتھ لے کر رکشا کروا کے ابا کو ہسپتال لے گئیں۔

دو بجے کے قریب ان کی واپسی ہوئی۔

''اللہ کی پناہ' ان سرکاری ہسپتالوں سے' کون بدبخت کہتا ہے کہ یہ عوام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اتنی لمبی قطار کہ کھڑے کھڑے مریض دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اور ڈاکٹر تو شاید اندر موجود ہی نہیں تھے دو گھنٹے بعد قطار میں سے ایک آدمی اندر جاتا اور دو منٹ میں باہر آ جاتا ابھی آدھی قطار بھی نہیں ہوئی تھی' ڈاکٹر صاحب کا ٹائم ختم ہو گیا اب کل پھر جانا پڑے گا۔ سارا دن برباد ہوا رکشا کا دو طرفہ کرایہ الگ لگا اور حاصل نہ وصول' چل جلدی سے اپنے ابا کو کچھ کھانے کو دو۔ مریضوں کے لیے لکڑی کے چار چھ بنچ اس پر بھی مریضوں کے ساتھ آئے ہٹے کٹے گھر والے بیٹھے ہوئے' کچھ کہہ دو تو مفت کا جھگڑا' جو سفارشی پرچی لا رہے تھے وہ قطار کے بغیر ہی بے دھڑک اندر جا رہے تھے۔ یہاں تو جنگل کا قانون ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔'' اماں خوب جلے بھنے انداز میں چادر اتارے بغیر بولے جا رہی تھیں۔

ابا نڈھال قدموں سے اپنے کمرے میں چلے گئے تو صبا ان کے پیچھے کھانے کا پوچھنے چل دی۔

''اماں ابا کو کلینک میں چیک کروا دیں' اس طرح تو کل بھی ادھر باری نہیں آئے گی۔'' صبوحی بولی تو اماں اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''چھ سو روپے فیس ہے۔'' وہ چند لمحوں بعد تھکے تھکے انداز میں بولیں۔

''اماں چھ سو روپے ابا کی تکلیف سے تو اچھے نہیں'' صبا ان کے پیچھے کھڑی تھی۔

''ہاں صحیح کہتی ہو تم' مونی کو بھیجو' عباس انکل آ گئے ہوں گے وہ فون پر ڈاکٹر سے ٹائم لے لیں' آگے پھر رات پڑی ہے سر پر' کل رات کی تکلیف نے ہی انہیں ادھ موا کر دیا ہے اب تو جلدی کوئی دوا دارو ہونا چاہیے۔'' وہ پریشان لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر کا اسی شام کا ٹائم مل بھی گیا مگر یہ تو کسی کے بھی گمان میں نہیں تھا کہ صرف ڈاکٹر کی فیس چھ سو روپے ہے جو اس سرسری سے چیک اپ کے لیے تھے اور سات قسم کے ٹیسٹ لکھ دیئے تھے۔

''یہ آپ صرف اسی لیبارٹری سے کروائیں اسی کا رزلٹ ٹھیک ہوتا ہے۔'' نسخہ جس پر صرف ٹیسٹ لکھے تھے ڈاکٹر نے انہیں تھماتے ہوئے تاکید کی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ لیبارٹری میں بیٹھے تھے۔

''جی سارے ٹیسٹ تقریباً نو ہزار میں ہوں گے اور رپورٹس بھی تین دن بعد ملیں گی۔'' سفید لیب کوٹ میں خون لینے کے لیے سرجن ہاتھ میں لیے ڈاکٹر کے اسسٹنٹ نے کہا تو اماں کو لگا انہیں غش آ جائے گا' ان کے خواب و خیال میں بھی اتنے مہنگے ٹیسٹ نہیں تھے۔

''انہیں بیماری کیا ہے؟۔'' تھوک نگل کر جو سوال انہیں ڈاکٹر سے کرنا چاہیے تھا وہ لیبارٹری کے اٹینڈنٹ سے پوچھ رہی تھیں۔

''یہی تو ان ٹیسٹوں سے پتا چلے گا۔'' اس نے ماہرانہ انداز میں انہیں تسلی بخش جواب دیا۔

''تو پھر ڈاکٹر نے چھ سو روپے کس بات کے اینٹھے۔'' وہ صرف جی میں کہہ سکیں اور بے بسی سے ابا کی شکل دیکھنے لگیں۔

''چلو گھر' کل آ جائیں گے۔'' ابا فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''نہیں ٹیسٹ تو ہونے چاہیں' اس کے بغیر بیماری کا پتا کیسے چلے گا آپ کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی اور پیسے آپ سے اچھے نہیں۔'' اماں ان سے زیادہ دوٹوک الفاظ میں بولیں۔

''اے بیٹا ایسا ہے کہ ہم تو گھر سے محض چیک اپ کے خیال سے نکلے تھے اور تم کہہ رہے ہو رپورٹیں بھی تین دن بعد ملیں گی تو پھر ہم اسی وقت پیسے دیں گے۔''

''نہیں اماں جی کم از کم تین ہزار تو آپ کو ابھی جمع کروانے ہوں گے تب ہی ٹیسٹ ہوں گے۔''

"دو ہزار تو ہیں میرے پاس باقی رپورٹوں کے ساتھ لے لینا۔" وہ قدرے لجاجت سے بولیں اور پرس سے نوٹ نکال کر آگے کیے تو اس نے کچھ سوچ کر نوٹ پکڑ لیے اور سرنج لے کر ابا کی آستین فولڈ کرنے لگا۔

اماں اس کے ہاتھ میں ان مڑے تڑے نوٹوں کو دیکھ رہی تھیں جو انجی کی ساس نے پرسوں اس کے ہاتھ پر رکھے تھے۔

دکان تو یوں بھی دو دن سے بند تھی۔ ملازم کبھی کوئی بھروسے کا ملا نہیں۔ دو چار دفعہ رکھا الٹا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد مونی کبھی کبھار دکان پر چلا جایا کرتا تھا۔ اور اب تو اس کے بھی امتحان تھے۔ روزگار کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس چھوٹی سی دکان سے جو روز کمایا جاتا وہی کھایا جاتا تھا بیٹیوں کے لیے جو کچھ جوڑا تھا وہ واقعی اماں کی کیفیات شعاری اور سلیقے کے باعث تھا ورنہ اس چھوٹی سی دکان سے روز مرہ کے اخراجات پورے کرنا مشکل تھے کجا بیٹی بیاہنا اور اب جو اچانک خرچا پڑا تھا یہ تو کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا جو پس انداز رقم تھی وہ پہلے ہی شادی منگنی میں اٹھ چکی تھی۔

"چلو یہ اچھے ہو جائیں اللہ انہیں صحت دے دے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا سارے خرچے نکل آئیں گے۔" اماں نے چادر کے پلو سے آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔

مگر انہیں قطعاً اندازہ نہیں تھا یہ سب تو شروعات ہیں تین دن بعد ملنے والی رپورٹس کے لیے باقی کے آٹھ ہزار کہاں سے آئے ابا جان بھی نہ کر سکے مگر انجی کے لیے رکھے گئے لاکٹ سیٹ کے بندے کم ہو گئے جو اماں نے اتنے جتنوں سے بنائے تھے کہ بنانے کے بعد کتنے دن تک انہیں خود بھی یقین نہیں آیا تھا۔

"میرا شک درست نکلا...... آں لیکن یہ ٹیسٹ ناکافی ہیں دو ٹیسٹ اور آپ کو کروانے ہوں گے اس کے بعد ہی کچھ حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے فی الحال پین کلر کے طور پر انہیں یہ میڈیسن دیتی رہیں۔ دونوں ٹیسٹوں کی رپورٹس آ جائیں تو پھر کچھ کہا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے ریوالونگ چیئر پر گھومتے ہوئے رپورٹس دیکھ کر دو ٹیسٹ اور لکھ کر نسخہ ان کے آگے کر دیا۔

"ڈاکٹر صاحب کوئی سیریس بیماری تو نہیں" اصل میں تو اماں یہ پوچھنا چاہ رہی تھیں کہ یہ دونوں ٹیسٹ کتنے میں ہوں گے مگر پوچھ نہ سکیں۔

"بی بی بیماری تو ہر طرح کی سیریس ہوتی ہے اور اسے سیریس ہی لینا چاہیے نان

سیریس لینے کا نتیجہ یہ آپ کے سامنے بیٹھے ہیں اگر آپ لوگ ان کی بیماری کو معمولی تکلیف کو چند ماہ پہلے ذرا سیریس لے لیتے تو شاید ان ٹیسٹوں کی رپورٹس ایسی نہ آتیں بہر حال امید پر دنیا قائم ہے اور ہمیں ہمیشہ اچھی امید رکھنی چاہیے۔

آپ مکمل ریسٹ کریں اپنے دل پر دماغ پر کسی قسم کی کوئی ٹینشن کوئی دباؤ نہ لیں انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" ڈاکٹر نے رسمی انداز میں کہتے ہوئے انہیں نمٹا کر نیکسٹ کے لیے بیل بجا دی۔

وہ دونوں ٹیسٹ بھی ڈھائی ہزار میں ہوئے اور اس دن گھر میں پکانے کے لیے دال کا ڈبا جھاڑ لیا گیا اور اس دن ہلکی سی روٹی پکاتے ہوئے بھی اماں کے لیے تین لقموں کی چھوٹی سی روٹی ہی بن سکی جسے انہوں نے بھوک نہیں ہے کہہ کر مرے دل سے کھائی تھی یوں بھی ان کی بھوک واقعی مر چکی تھی۔

اگلے دن رپورٹس مل گئیں۔

اور کاش نہ ملتیں ڈاکٹر کو سنتے ہوئے دونوں میاں بیوی نے حسرت سے سوچا۔

"آپ کے پاس جینے کے لیے فقط تین یا چار ماہ ہیں۔ آپ کا مرض آپ کی بیماری پورے سر پورے عصبی نظام میں اندر تک اپنے پنجے گاڑ چکی ہے اسے اب وہاں سے اکھاڑ پھینکنا یا کاٹ دینا یا کم کر دینا میڈیکل سائنس میں کسی بھی طرح ممکن نہیں' صرف اس درد کی شدت کو کم کرنے کے لیے چند ایک ادویات ہیں جنہیں جب تک رب تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھنا ہے استعمال کرتے رہیں اور اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" ڈاکٹر کے الفاظ تھے یا بم کے گولے دونوں نے بے یقین نظروں سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ڈاکٹر کو۔

"کیا مطلب ڈاکٹر صاحب...... انہیں تو معمولی سا سر درد" اماں ہکلائیں۔

"یہ معمولی سر درد نہیں تھا' ناسور اپنی جڑیں پھیلا رہا تھا آپ نے اسے معمولی سر درد سمجھا' بہر حال میں یہ دوائیں لکھ رہا ہوں ان سے اگر افاقہ ہوتا ہے تو تین ہفتوں کے بعد دوبارہ چیک اپ کرا لیں اور انہیں ریلیکس رکھیں کسی قسم کا ذہنی تفکر ان کی زندگی کو اور بھی مختصر کر سکتا ہے۔"

اس رات گھر میں کچھ نہیں پکا نہ کسی کو بھوک لگی نہ کسی نے کھانے کے بارے میں تردد کیا۔

"اماں ابا کو تو کچھ کھلا دیں پھر انہیں دوا بھی دینی ہے۔" انجی نے پتھر کے بت بنے سب گھر والوں کو دیکھا۔ ابا پلنگ پر آنکھیں بند کیے چت لیٹے تھے ان کی چپ اماں کو جیسے خون کے آنسو رلا رہی تھی۔

"اماں یوں بھی یہ ڈاکٹر لوگ۔ یونہی ڈراتے ہیں آپ عباس انکل سے کہیں کسی اور ڈاکٹر کا پتا کریں ہم دوبارہ چیک اپ کروائیں گے ابا ٹھیک ہو جائیں گے اماں آپ فکر نہ کریں۔" صبوحی نے اماں کے متورم چہرے کو چوم کر انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"جی ابا آپ ٹھیک ہو جائیں گے اب تو اتنی ایڈوانس ریسرچ ہو رہی ہے میڈیسن کی ہر فیلڈ میں' میری دوست کے ابو نیوروسرجن ہیں میں کل ان کے پاس جا کر آپ کی رپورٹس دکھا کر مشورہ لوں گی ابا آپ ہی تو کہتے ہیں مایوسی گناہ ہے' ہے نا۔" صبا نے چت لیٹے ابا کی پیشانی کو آہستہ آہستہ سے چوم کر کہا تو انہوں نے گہرا سانس لے کر آنکھیں کھول دیں۔

"ٹھیک کہا میری بیٹی نے۔" وہ اس کے نرم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے بولے۔

"ابا آپ ٹھیک ہو جائیں گے ہے نا! بالکل پہلے جیسے ہنستے مسکراتے باتیں کرتے ......ابا آپ ایسے نہ لیٹا کریں مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔" وہ بچوں کی طرح ان کے سینے پر سر رکھ کر نم لہجے میں بولی تو وہ بے بسی سے مسکرا دیے۔ وہ کب ایسے لیٹنا چاہتے تھے یہ تو دور کھڑی تقدیر تھی جو ان سب کو ڈرا رہی تھی آنے والے خوفناک دنوں کے تصور سے جو ان کے بالکل پاس آ چکے تھے اس پیاری بیٹی سے بھی زیادہ پاس جو ان کے سینے پر سر رکھے گرم گرم آنسو بہا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

پھر ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس اچھے قابل لائق ڈاکٹر کے بارے میں کوئی بھی بتاتا اماں ابا کو لے کر ادھر دوڑ پڑتیں چچا پنڈی سے آئے اور ابا کو اپنے ساتھ اسلام آباد کے کسی ڈاکٹر کو دکھانے لے گئے' اس ساری بھاگ دوڑ میں ابا کو درد کے چار شدید اٹیک ہو چکے تھے چند ہی ہفتوں میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو چکے تھے۔

صحت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی وقت اور پیسہ ہاتھوں سے ریت کے ذروں کی طرح پھسل رہا تھا۔

اسلام آباد سے ابا لوٹے تو بری طرح سے ٹوٹے ہوئے شکست خوردہ اور نڈھال تھے۔ ڈاکٹر نے حرف بہ حرف وہی کہا تھا جو ادھر لاہور میں ڈاکٹر غنی نے کہا تھا اور یہ بھی کہ اب تو شاید ان کے پاس چند ہفتے بھی نہیں زندگی کے لیے جتنی تگ و دو وہ کر چکے تھے اس سے زیادہ ان میں بھاگنے کی ہمت نہیں تھی۔

"صبا اپنی اماں کو بھیجو میرے پاس اور سنو!" وہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھے انیس احمد کا سایہ ہی لگ رہے تھے۔

"جی ابا!" وہ اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"تمہارا رزلٹ کب آ رہا ہے؟"

"بس ابا آنے والا ہے اگلے مہینے"

"کیسا آئے گا میری بیٹی کا رزلٹ۔" وہ خشک لبوں پر زبان پھیر کر بمشکل مسکرائے۔

"انشاء اللہ ابا بہت اچھا۔" وہ منہ پھیر کر بولی۔

"اچھا ادھر آؤ میرے پاس۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر پلنگ کے کنارے ٹک گئی۔

"صبا میری بڑی سمجھ دار حساس بیٹی ہے اور میری بیٹی کو پتا ہے جس طرح ہر انسان کا اس دنیا میں آنے کا وقت مقرر ہے۔ اس طرح اس کے جانے کا وقت بھی لوحِ محفوظ پر اولین ساعت سے لکھا جا چکا ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تردید یا ترمیم میرا رب چاہے تو ہو سکتی ہے ورنہ نہیں یہ سب فیصلے طے شدہ ہوتے ہیں۔ تابع دار بندے اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے' ہمیں ایک حد تک سعی کرنے کا حکم ہے باقی اللہ پر چھوڑ دینے کا اور آج سے میں نے اپنی زندگی اور موت کا معاملہ اپنے اللہ کے سپرد کر دیا اگر تمہارا رزلٹ میری زندگی میں آ جائے یا بعد میں ......" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔ "آنسو کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتے یہ صرف ہمیں کمزور کرتے ہیں آئندہ چند سالوں میں مجھے نہیں پتا تم لوگوں کی زندگی کا کیا نقشہ ہو گا مگر جو بھی ہو صبا بیٹی اپنے حوصلوں کو کمزور نہ ہونے دینا زندگی کے میدان میں وہی سرخرو ہوتا ہے جو ہر مشکل کو ڈٹ کر جھیلتا ہے اگر انسان کو اپنی آنے والی زندگی کی آخری ساعتوں کا علم ہو جائے تو پتا نہیں وہ جلدی جلدی میں کیا کچھ کر گزرے مجھے بھی اگر اس بے وفا زندگی کے روٹھ جانے کا علم پہلے ہو جاتا تو میں تم لوگوں کے لیے اتنا کچھ ضرور کر جاتا کہ تمہیں میرے بعد یوں رونا نہ پڑتا......" وہ اب پیچھے کو سر جھکا چکے تھے۔

''ابا پلیز نہ کریں ایسی باتیں۔'' وہ ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار رونے لگی۔
اس وقت اماں اندر داخل ہوئیں۔

''میں رہوں نہ رہوں بیٹا! میرا خواب تھا کہ میں اپنی بیٹی کو ڈاکٹر ایک نیک رحم دل لوگوں کے دکھ درد کو محسوس کرنے والی مسیحا کے روپ میں دیکھوں یہ میرا خواب تھا......مگر......''
وہ اس کا ہاتھ اپنے نحیف ہاتھوں میں لے کر بولے۔''میرے اس خواب کو پورا کرنے میں خود کو کسی مشکل میں نہ ڈالنا میں بہر حال تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا اور میرے بعد تم سب کو بہت ہمت حوصلے سے حالات کا مقابلہ کرنا ہے جاؤ صبوحی' انجی اور معین کو بھی بلا لاؤ پھر پتا نہیں بات کرنے کی مہلت مل سکے نہ مل سکے۔'' وہ نحیف اور کمزور آواز میں کہہ رہے تھے۔
اماں چادر میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔

تھوڑی دیر میں سب ان کے سامنے بیٹھے اپنے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''ثریا بیگم جتنی گزری بری بھلی اب اختتام نزدیک......''
''آپ نہ کریں ایسی باتیں میں مر جاؤں گی۔'' اماں زور زور سے رونے لگیں۔
''اگر تم اس طرح روؤ گی تو میں کوئی بات نہیں کر سکوں گا اور بہت بیٹھنے یا بات کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔'' کہتے کہتے انہوں نے ایک جھرجھری سی لی تو اماں نے چادر کا گولا سا اپنے منہ کے آگے رکھ لیا۔
''اب یہ ڈاکٹروں حکیموں ویدوں کا پیچھا چھوڑو قرض کتنا ہو گیا سر پر......'' انہوں نے سر تکیے پر پٹخا۔
''کوئی قرض ورض نہیں ہے آپ مت سوچیں یہ سب۔'' اماں ہچکیوں کے درمیان بولیں۔

''اب ان بہلاوؤں والی باتوں کا وقت نہیں' دکان کا کیا حال ہے۔'' انہوں نے سر جھکا کے مونی سے پوچھا اس کا سر مزید جھک گیا۔
''دکان تو خالی ہو چکی ہو گی ہے نا۔'' انہوں نے خود ہی اخذ کیا۔
''میری ایک خواہش ہے ثریا بیگم اگر پوری کر سکو تو!''
''حکم کریں آپ۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولیں۔

''انجی کے سسرال والے آئے تھے۔''
''آپ کے بعد بھی آئے تھے رات کو ساس اور جیٹھ بھی آئے تھے؟''
''ان سے کہو اس مہینے وہ انجی کو رخصت کروا کے لے جائیں تو میری آخری سانسیں کچھ سہل ہو جائیں گی۔''
''نہیں ابا پلیز اماں' میں نہیں۔'' انجی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔
''اسے میری آخری خواہش سمجھو ثریا بیگم۔'' وہ سر تکیے پر ڈال کے بولے۔
''اور......اخراجات اور قرض کی ادائیگی......تم لوگوں کو تو میں عمر بھر اپنی چھت بھی نہ دے سکا۔''

صبا نرمی سے ان کا سر سہلانے لگی ان کی تشفی کا اسے یہی طریقہ سمجھ آتا تھا۔
''پلاٹ یا دکان میں سے کیا بیچیں......یا دونوں بیچ کر قرض ادا کر لو انجی کی شادی اور دو ڈھائی مرلے کا کوئی گھر......میں نے مونس سے کہا ہے وہ صبح آتے ہی پراپرٹی ڈیلرز سے ملے گا......گھر کا انتظام تو ہو جائے گا' روزگار......'' انہوں نے ایک حسرت بھری نظر پندرہ سولہ سال کے کم عمر بیٹے پر ڈالی ان کے سر میں رگوں کو چیرتا ہوا درد کا آرا سا چلا تھا۔
''اچھا سب کچھ ہو جائے گا آپ خاموش ہو جائیں......آرام......''
''اب تو ثریا بیگم خاموش ہی ہونا ہے آرام ہی آرام کرنا ہے تم لوگوں کو بھی بہت تکلیف دی ہے میں نے۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنسے۔
''آپ کی دوا کا ٹائم ہو رہا ہے کچھ کھا کر دوا لے لیں۔''
''لے آؤ کھانا سب کے لیے یہیں مل کر کھاتے ہیں۔'' وہ سیدھے ہوتے ہوئے بولے تو اماں نے انجی اور صبوحی کو اشارہ کیا۔
''معین تم دکان سنبھال سکتے ہو؟'' وہ چند لمحوں بعد بولے۔
''جی ابا!'' پتا نہیں یہ استفسار تھا یا اثبات۔
''کیسے سنبھالو گے' امتحان تو دے رہے ہو نا۔'' وہ اسی حسرت بھرے لہجے میں بولے۔
''جی ابا!''
''بیٹا میرے بعد تم ہی اس گھر کے سربراہ ہو گے۔ ماں کا' بہنوں کا بہت خیال رکھنا ان پر زمانے کی کڑی دھوپ نہ پڑنے دینا۔ میں جانتا ہوں تم ابھی اتنی بڑی ذمہ داری کے اہل

نہیں۔ مگر یار مجبوری ہے مرد تو پیدا ہوتے ہی جوان ہو جاتے ہیں تم بھی جوان بن جانا کڑیل جوان۔'' وہ معین کو پاس بلا کر کپکپاتے ہاتھ سے اس کا شانہ سہلا رہے تھے۔

''اور بُرے لڑکوں کی صحبت دیمک کی طرح اثر کرتی ہے بظاہر پتا نہیں چلتا صاف ستھرے کردار کو اندر سے گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے اپنی محرومی اور ناآسودہ خواہشوں کا تدارک عیاش دوستوں کی دوستی میں نہ تلاشنا تمہارے ہاتھ ناکام زندگی کے سوا کچھ نہیں آئے گا بس دو چار سال کٹھن آئیں گے مشکل بھرے پھر میرا اللہ آسانیاں پیدا کر دے گا۔ یہ دو چار سال ذرا ہمت حوصلے سے مضبوط بنے رہنا' بنو گے نا۔''

''جی ابا!'' وہ بہتے آنسو پونچھ کر بولا۔ انجی نے وہیں کمرے میں دستر خوان لگا دیا۔

اس رات سب نے بہت دنوں بعد مل کر کھانا کھایا۔ اماں نے اپنے ہاتھوں سے لقمے بنا بنا کر ابا کے منہ میں ڈالے تو وہ ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔

''بیگم جوان اولاد سامنے بیٹھی ہے اور تم رومانس جتا رہی ہو کچھ تو شرم کرو میں بے چارہ تو مزاحمت بھی نہیں کر سکتا۔'' اماں بس مسکراتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن اماں نے انجی کی ساس کو بلا بھیجا
وہ اس ماہ رخصتی پر بمشکل راضی ہوئیں
''بہن میں اکیلی تو نہیں ایک ہی تو بیٹی ہے میری'
چھوٹے بھائی کی شادی میں آنے کا بہت ارمان ہے اسے۔ پتا نہیں اس مہینے بھر میں وہ آ بھی سکے گی یا نہیں۔'' وہ کھل کر انکار بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

اماں نے بے ساختہ ان کے آگے ہاتھ باندھ دیے تو جیسے ان کی ہر محبت دم توڑ گئی۔

اس مہینے کی اٹھائیس تاریخ شادی کی طے کر دی گئی چچا اور پھپھو بھی آ گئے افشی کی حالت ایسی تھی کہ بار بار سفر نہیں کر سکتی تھیں۔ اماں نے ہی انہیں آنے سے منع کر دیا تھا۔

''ایک ہی بار بہن کی رخصتی پر آ جانا۔''

''بھائی جان اتنی ایمرجنسی میں اچھا گاہک تلاش کرنا آسان نہیں حالانکہ پلاٹ اچھی جگہ پر ہے اور اس کی ٹھیک ٹھاک قیمت بھی مل سکتی ہے مگر اتنی جلدی میں تو کوڑیوں کے مول بیچنے سے مسئلہ حل ہو جاتا تو بہتر تھا ہم پلاٹ کے لیے تھوڑا انتظار کر لیتے ہیں۔''

''جیسی تمہاری مرضی' بس قرض سر پر نہیں رہنا چاہیے اور بیٹی کی رخصتی ذرا بھلے طریقے سے ہو۔'' زندگی ان کے ہر ہر عضو میں جیسے دم توڑتی نظر آ رہی تھی۔

دکان بک گئی۔ روزگار کی جو آس تھی وہ بھی دم توڑ گئی۔

اماں باتھ روم میں چھپ چھپ کر روتی رہیں۔

ابا کو دکان سے کتنا پیار تھا کہ کبھی دکان بند نہیں کی تھی اور آج ان کے جیتے جی دکان کی چابیاں کسی اور کی جیب میں جا چکی تھیں۔

آدھی سے زیادہ رقم تو قرض کی ادائیگی میں اٹھ گئی اور سادگی سے رخصتی میں بھی اچھا خاصا خرچ ہو گیا پھر علاج تو جاری ہی تھا۔

ابا انجی کو رخصت کرنے دو آدمیوں کے سہارے سے اسٹیج تک آئے تھے ان کے کانپتے لرزتے ہاتھ انجی کے سر پر آئے تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ ابا کے بازو سے لپٹ کر زور زور سے رو رہی تھی۔

''نہ بیٹا وہ مریض آدمی ہے اس کا جی تم سے زیادہ خراب ہو گا۔ ان کے خیال سے خود کو سنبھالو ان کی تکلیف سے بڑی تو نہیں تمہاری تکلیف باپ کو حوصلہ دو انہیں مبارک دو۔ وہ زندگی میں تمہارے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔'' کوئی بڑی بوڑھی اسے اپنی بانہوں میں لے کر سمجھا رہی تھیں۔

افشی کی شادی پر ابا کیسے خوشی خوشی اندر باہر آ جا رہے تھے رخصتی کے وقت بھی کیسے اسے پیار کر رہے تھے۔

''رونا بالکل نہیں تمہاری اماں کہہ رہی تھیں پارلر والی نے بڑے پیسے لیے ہیں سب برباد جائیں گے اور تو تو خوش نصیب ہے اپنی پھپھو کے گھر جا رہی ہے وہ پنجابی کی کہاوت ہے نا پھپھی بھتیجی ایک ذات' دونوں کا درد بھی ایک خوشی بھی ایک' تجھے تو خوش ہونا چاہیے اور مجھے پتا ہے افشی یہ خوشی کے آنسو ہیں اپنے وداع کی خوشی میں' ہے نا۔'' وہ دلہن بنی افشی کے آنچل میں منہ دیے انہیں چھیڑ رہے تھے اور وہ روتے روتے مسکرا دی تھیں اور آج تو ان سے مسکرایا بھی نہیں جا رہا تھا۔ جیسے ابا انجی کو رخصت کرنے آئے تھے۔

رخصتی کی گھڑیاں بخیریت گزر گئیں۔ انجی رخصت ہو گئی ابا جیسے ہلکے پھلکے ہو گئے۔

''مونس اب دو چار دنوں میں پلاٹ کا کام بھی نمٹا دینا میں چاہتا ہوں چھوٹا سا سہی

دو منزلہ گھر ہو جاہے اوپر نیچے دو دو کمرے ہوں ایک پورشن کرائے پر دے دیں' تا کہ کچھ گزر اوقات ہوتی رہے اور تھوڑا بہت بینک میں فکس کرا دینا اس کا منافع آجائے تو مجھے قبر میں بھی سکون ملتا رہے گا" وہ رات کو دیر تک چچا سے باتیں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے رہے۔

اور چچا اگلے ہی دن پلاٹ کی فروخت کے کام پر جت گئے صرف پلاٹ ہی تو نہیں بیچنا تھا آگے گھر بھی تو ڈھونڈنا تھا۔ چچا معین کو ساتھ لے کر جاتے مگر وہ اکھڑا اکھڑا بے زار سا رہتا' پھر چچا کے پنڈی میں بھی سو کام رکے ہوئے تھے۔ روز چچی کا فون آنے لگا۔

"بھائی جان میں صرف تین دن کے لیے جارہا ہوں دو پارٹیاں پلاٹ میں انٹرسٹڈ ہیں انہیں کچھ سوچنے کا موقع مل جائے گا اور قیمت تو ہم منہ مانگی ہی لیں گے تب ہی گھر اور کچھ پیسہ بچ سکے گا۔ میں بس جمعہ کی شام کو ادھر ہوں گا دو چار کام گھر کے نبٹا آؤں پھر آپ کا کام کر کے ہی جاؤں گا آپ ذرا فکر نہ کیجیے گا۔"

چچا جان انہیں تسلیاں دے کر اگلی صبح پنڈی روانہ ہو گئے۔

اس دن صبا کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا۔

اس نے میرٹ سے بھی زیادہ مارکس لیے تھے۔ ابا کو جیسے کسی نے زندگی کی نوید سنا دی۔

"دیکھو ثریا بیگم تم یونہی تقدیر سے شاکی ہوتی تھیں اللہ نے میری سب ہی خواہشوں کو پورا کر دیا ہے۔ ابھی میری زندگی میں اپنے گھر کی ہو گئی۔ صبا انشاءاللہ ڈاکٹر بن جائے گی یہ جو بینک میں پیسہ جمع کر رہا ہوں یہ اس کے ایڈمیشن اور تعلیمی اخراجات کے لیے ہے بس مونس آجائے ہفتہ دس دن میں گھر کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا تم لوگوں کے سر پر اپنی چھت ہو گی میں کتنے سکون سے......" اماں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ خوش ہیں تو زندگی کی باتیں نہیں کر سکتے خوشی کی' آج اللہ نے ہمارے گھر میں اتنی بڑی خوشی اتاری ہے وہ ہم پر اور بھی مہربانی کرے گا اگر ہم سچے دل سے اس کا شکر ادا کریں گے آپ ہی تو کہا کرتے ہیں اللہ سچے دل سے شکر ادا کرنے والوں کو اور بھی نعمتیں عطا کرتا ہے' ہے نا۔" اماں بھی اس روز دل سے خوش تھیں۔

"سچ بالکل سچ کہا تم نے......ثریا تم میری زندگی کا اللہ کی طرف سے عطا کردہ سب سے خوب صورت تحفہ ہو تمہارے ساتھ نے مجھے کبھی ناخوش نہیں کیا سوائے......؟" وہ چپ سے کر گئے۔

"سوائے کیا مطلب ......آپ کہیں میں آپ کو کبھی بھی ناخوش نہیں کرنا چاہتی۔"
اماں بے چین ہو کر بولیں۔

"پتا نہیں کیوں دل میں کانٹا سا چبھتا ہے جب بھی خیال آتا ہے شاید تم نے انجانے میں کوئی زیادتی کر ڈالی ہو ورنہ صفورا آپا ان کا بیٹا......تمہارا دل کیا کہتا ہے؟ سچ پوچھو اس شام تم پہ غصہ تو آیا تھا مگر رنج زیادہ ہوا تھا مجھے یوں لگا جیسے تم نے انہیں دھکے دے کر گھر سے نکال دیا ہو اور تمہارے اس دانستہ نادانستہ فعل پر شاید رب کی رحمت ہم سے روٹھ نہ گئی ہو۔ ثریا اس خیال نے مجھے بہت دن بے چین رکھا اور اس بے چینی کا میں تم سے ذکر بھی نہ کر سکا۔"

ابا کے لیے سوپ لاتی صبا دروازے کے باہر ہی رک گئی تھی۔

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں حالانکہ ......میں نے ایسا کچھ نہیں کیا وہ اپنی مرضی ......" اماں صفائی دے رہی تھیں۔

"کرنا سب کچھ نہیں ہوتا ثریا' نیت ارادہ خواہش ہمارے ناکردہ افعال پر اکثر تکمیل کی مہر ثبت کروایا کرتی ہے اور اللہ نہ کرے ایسا ہوا ہو۔" ابا کے خدشے پر صبا کو اپنی کیفیت کی شدت کا خیال آیا۔ وہ رات اس نے کیسی حالت میں گزاری تھی اور آنے والے بہت سارے دن بھی۔

وہ گہری سانس لے کر واپس پلٹ آئی۔

"پتا نہیں وہ دونوں کہاں ہوں گے انہوں نے دوبارہ کوئی رابطہ بھی نہیں کیا۔"

"کیا ایسے سلوک کے بعد بھی انہیں رابطہ کرنا چاہیے تھا ثریا مجھ سے وعدہ کرو یہ عہد نبھاؤ گی۔" وہ دوبارہ پلٹ کر اندر آئی تو ابا نہ جانے اماں سے کون سا اقرار لے رہے تھے۔

"وعدہ کرتی ہوں میں آپ سے کیا یہ عہد بشرط زندگی نبھاؤں گی بس آپ مجھ سے ناخوش نہ ہوں۔"

وہ ان کے کمزور ہڈیوں بھرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے کہہ رہی تھیں۔

"لو آ گئی ہماری بیٹی میں تو ابھی سے اسے ایک ڈاکٹر کے روپ میں دیکھ رہا ہوں ثریا' صبا ڈاکٹر بن کر کیسی لگے گی۔" ان کے لہجے میں حسرتیں کھنک رہی تھیں۔

"ایسی ہی ہونق جیسی یہ ہے اور دیکھیے گا اس کے نمبر کا چشمہ بھی بازار میں نہیں ملے گا جو یہ نیم اندھیرے میں چھپ چھپ کر کتابیں چاٹتی ہے سمجھائیں اسے۔" اماں نے اس کے ہاتھ سے سوپ لیتے ہوئے ہنس کر کہا تو ابا بھی مسکرا دیے۔ زرد ہڈیوں بھرے چہرے پر ان

کی مسکراہٹ کیسی بجھی ہوئی تھی۔ صبا نے بے اختیار نظریں چرا لیں۔

اس کی زندگی میں دوسری رات آئی جب وہ کوشش کے باوجود سو نہ سکی' پتا نہیں اپنی کامیابی کی خوشی تھی یا کوئی اور بے چینی اس کی آنکھیں نیند سے خالی تھیں۔ صبوحی اس کے قریب لیٹی سوئی جاگی کیفیت میں پڑی تھی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اماں کی دلدوز چیخ نے ان کے دل دہلا دیے۔ صبوحی چیخ مار کر باہر بھاگی تھی اور وہ چیخ بھی نہ سکی بس وحشت زدہ نظروں سے کھلے دروازے کی طرف دیکھتی رہی جہاں سے اماں اور صبوحی کے رونے چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسے لگا وہ پتھر کی ہو چکی ہے اب کبھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گی۔ اس کے دل نے بے اختیار دعا کی کہ کاش وہ اپنی جگہ سے نہ ہل سکے۔ وہ ابا کا مردہ وجود کیسے دیکھ پائے گی کیسے!

اور ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، ہونی ہو کر رہی۔

اماں اور صبوحی کی چیخیں بتا رہی تھیں، موت جیت گئی اور زندگی ہار گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

ابا چلے گئے۔

ایک زندگی کیا گئی وہ اپنے ساتھ ان چاروں کی جیتی جاگتی زندگی کے سارے رنگ چرا کر لے گئے۔ اور ان سب کی زندگیاں ان رنگوں کے بغیر کیسی اجڑی ہوئی، ویران مٹیالی سی ہو گئی تھیں۔

اماں کے آنسو تو جیسے ساون کی جھڑی ہو گئے تھے اسے تو پتا ہی نہیں تھا اماں کے بے ہنگم پھیلے پھیلے وجود میں اتنا گوشت نہیں جتنا پانی ہے اور وہ یہ سارا پانی آنکھوں کے رستے نکال رہی تھیں۔

ان کی صبح زار و قطار آنسوؤں سے ہوتی، آہوں اور لبوں میں دم توڑتے واویلوں سے بار بار آنسو بھری نگاہوں سے سر پر پھیلے بے رنگ آسمان کو دیکھتیں اور ہزاروں فریادیں ان کے دل سے اس نمی کی صورت نکل پڑتیں۔

دن چڑھتے جو وہ سفید چاندنی بچھا کر گٹھلیاں پڑھنا شروع کرتیں سارا دن تین نمازوں کے سوا کسی کام کے لیے نہ اٹھتیں۔ مغرب کی اذان ہوتی، ان بھوری کالی گٹھلیوں کو سمیٹ کر ایک طرف کونے میں کر دیتیں اور جھٹپٹے کے اس سمے اماں کے آنسو جیسے تازہ دم ہو کر

قطار باندھ لیتے ان کی نظریں بار بار بیرونی دروازے کی طرف اٹھتیں، یہ وقت ابا کا دکان سے آنے کا جو ہوتا تھا۔

"بس کریں بھابی اور کتنا روئیں دھوئیں گی، اتنا سوگ اللہ کو بھی ناپسند ہے صبر بہترین ہے اگر انسان صبر کرے اور بھابی زندگی تو آخر کار ہے ہی اللہ کی امانت مٹی کا مال، مٹی سے بنے اس بدن نے بالآخر مٹی ہی میں جا سمانا ہے اور امانت امانت دار کے پاس ایک معین عرصے تک ہی رہ سکتی ہے اور لوٹاتے وقت اتنا واویلا اتنا سوگ کسی بھی طرح جائز ہے نہ مناسب، آپ ماشاء اللہ سمجھ دار ہیں اور بھائی سے آپ کی محبت و الفت بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، پر یہ جدائی تو اب عمر بھر کی ہے آپ کیا ان چند دنوں میں رو دھو کر یہ آنسو بہا ڈالیں گی یہ آنسو تو عمر بھر بہنے ہیں انہیں سنبھال رکھیں کڑے وقت میں بھائی کی یاد کا چراغ جلائیں گی تو کچھ دیر کو سہی دل درد آشنا نہ رہے گا"۔

صبا کو پتا ہی نہیں تھا مونس چچا ایسی اچھی اردو بھی بول لیتے ہیں شاید بھابی کی دلجوئی کے خیال سے انہوں نے بہترین الفاظ کا چناؤ کیا تھا۔ وہ ذرا سا رکے۔ اماں نے سفید آنچل کے پلو سے بھیگا چہرہ رگڑا اور پھر سے نظریں جھکا کر بیٹھ گئیں۔

"پھر آپ اکیلی تو ہیں نہیں کہ بس بیٹھی اپنے ہی غم کی شمع جلائیں قطرہ قطرہ پگھلتی رہیں۔" چچا شاید اور بھی اچھے نثر کے جملے منتخب کرتے کہ چچی نے کھنکار کر انہیں اپنی موجودگی کا اور بات مختصر کرنے کا عندیہ دیا تو وہ خود بھی سٹپٹا کر گلا کھنکارتے ہوئے ذرا رکے۔

"ماشاء اللہ! یہ تینوں بچے ہیں دو بچیوں کو تو الحمد للہ بھائی اپنی زندگی میں گھر بار کا کر گئے، شکر ہے اور باقی یہ تینوں، بھابی یہ اتنے بھی بچے نہیں کہ صرف ان کے کھانے پینے کا ہی تردد ہو اور باقی کا وقت آپ یادوں کے سہارے گزار دیں۔

آپ کو پتا ہے مونی کے آج کل ایگزام ہو رہے ہیں آج اس کا تیسرا پیپر تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اس کے پیپرز کیسے ہو رہے ہیں، وہ کیسی تیاری کر رہا ہے؟ صبوحی کے دو ماہ بعد بی اے کے امتحان ہیں صبا کے داخلے میں ابھی وقت ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ اس کے بارے میں سوچا ہی نہ جائے دوسرے ابھی تو آپ کو یہ طے کرنا ہے صبا میڈیکل میں ایڈمیشن لے بھی سکتی ہے یا...... اسے سادہ بی اے ہی کروانا پڑے گا۔"

اماں اور صبا نے بیک وقت تڑپ کر چچا کی طرف دیکھا تھا۔ صبا کا تو یہ جنون تھا اور

اماں کا ابا سے مرتے دم کیا گیا آخری عہد نبھانے کا معاملہ وہ تو اس عہد کو اپنی جان پر کھیل کر بھی پورا کرنے کا خود سے طے کیے بیٹھی تھیں ابھی...... ابا کو گزرے سترہ ہی دن تو ہوئے تھے۔

''بھابی میڈیکل میں ایڈمیشن بہرحال آسان نہیں وہ بھی ان حالات میں پھر ماہانہ فیس اور دوسرے اخراجات جب کہ آمدنی کا فی الحال کوئی ذریعہ ہے نہیں''۔

''آپ نے پلاٹ کا کیا کیا؟'' اماں نے قدرے روکھے لہجے میں گویا انہیں جتایا۔

''وہ میں کر رہا ہوں بھاگ دوڑ کے باوجود مناسب قیمت نہیں مل رہی سردست تو کچھ اور مسائل ہیں زیادہ قابل توجہ۔'' وہ جھجک کر بولے۔

''وہ کیا بھلا؟'' اماں نے کچھ پریشان سا ہو کر دیور، دیورانی کا منہ دیکھا۔

''چار ماہ سے گھر کا کرایہ ادا نہیں ہوا۔''

''کیا!'' اماں کو ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا تھا، بیس ہزار روپے یکمشت اماں کو چکر سا آیا۔

''مگر تمہارے بھائی تو کرایہ ادا کرنے میں ایک دن کی تاخیر نہیں کیا کرتے تھے۔'' اماں نے چند لمحوں بعد بھیگے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی میں جانتا ہوں، مگر مالک مکان کا یہی کہنا ہے دس دن بعد اگلا مہینہ شروع ہو جائے گا پانچ ماہ کا کرایہ اور مکان خالی کرنے کا نوٹس۔ وہ بے حس انسان تو اسی ماہ گھر خالی کروا رہا تھا۔ میں نے اور محلے والوں نے منت کر کے رکوایا۔''

اماں کو یوں لگا کوئی ان کے سر سے چادر نوچ رہا ہو۔ انہوں نے بے ساختہ سر کے گرد لپٹا دوپٹا زور سے بھینچا۔

''مگر وہ ٹلا نہیں اگلے ماہ اس نے کہہ دیا ہے کہ اسے لازمی گھر خالی چاہیے۔ اس نے یہاں کچھ مرمت کروا کے خود آنا ہے اپنا گھر بیچ کر اس نے دونوں بچوں کی شادیاں کرنی ہیں، اب یہ اس کا بہانہ بالکل جائز ہے جسے ٹالا بھی نہیں جا سکتا، مہلت اس سے مانگی تھی مگر وہ دس بارہ دنوں سے زیادہ رکنے پر تیار نہیں۔''

''پر ابھی تو تمہارے بھائی کا چہلم بھی......'' اماں بے بس ہو کر بے اختیار رو پڑیں۔

''چہلم تک تو کسی نہ کسی طرح اسے ٹھہرا ہی لیں گے مگر پانچ ماہ کا کرایہ تو دینا پڑے گا اس کے علاوہ کچھ اور لوگوں کا قرض جو بھائی صاحب نے......'' وہ جیسے ہاتھ ملتے ہوئے چپ ہو گئے۔

''کون سا قرض کیسا قرض؟ وہ بے چارے تو خود مہینوں سے صاحب فراش تھے دکان بیچ کر پہلے ہی ہر قرض دار کا قرض چکتا کر چکے تھے تو اب یہ کون سے نئے قرض دار پیدا ہو گئے؟'' اماں غصے میں چمک کر بولیں۔ دوپٹے سے چہرہ رگڑا۔

''یہ دیکھ لیں آپ اگر خود ان سے ملنا چاہیں بات کرنا چاہیں......'' چچا جان نے جیب سے سفید کاغذ نکال کر سیدھا کیا اور اماں کے آگے کر دیا۔

''پورے چھبیس ہزار اور پانچ مہینوں کا کرایہ......'' اماں کے ہاتھ سے کاغذ پھسلا اور وہ خود بھی بیٹھے بیٹھے پیچھے کو لڑھک گئیں، انہیں زور کا چکر آیا تھا، وہیں غش کھا گئیں۔

''کیا ضرورت تھی ابھی سب اگل دینے کی چند دن اور ٹھہر جاتے۔'' چچی جان نے کچھ کوفت بھرے انداز میں چچا کو جتایا اور بے زاری ہو کر اماں پر جھک گئیں۔ انہیں تو اب اس گھر کی ہر بلا اپنے سر پڑتی نظر آ رہی تھی۔

''آخر ایسی بھی کیا ہمدردی اور محبت کہ آدمی گلے تک اگلوں کے دکھ سمیٹنے میں لگ جائے، آخر کو اپنا بھی گھر بار ہے اور سو سیاپے، مہینے بھر سے تو یہاں ڈیرے ڈالے بیٹھے ہیں آئے گئے کا خرچ چائے پانی اپنی جیب سے ہو رہا ہے، آخر ہم کوئی قارون کا خزانہ تو نہیں مارے بیٹھے جو کہ اسی سے اشرفیاں نکالے ہی جائیں بس میاں بہت ہمدردی ہمدردی کھیل لیا اب اپنے گھر بار کی خبر لو اور صبح چلنے کا ارادہ کرو۔ اس سے زیادہ میں نہیں کسی کی ٹہل سیوا کر سکتی۔ اتنا بڑا کنبہ اور آپ کے بھائی صاحب ساری زندگی کیا خوابِ خرگوش کے مزے لیتے رہے ایک بار بھی نہ سوچا کہ آنکھیں بند ہو گئیں تو پیچھے اس قبیل داری کا کیا بنے گا اور کچھ نہیں آدمی سر کی چھت کا تو سب سے پہلے سوچتا ہے۔ آپ نے کون سا مجھے گھر بار دیا تھا خود جوڑ جوڑ کر، اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹا اور کچھ نہیں اپنی چھت تو بنالی آپ کے بھائی صاحب ویسے بڑے سیانے بنتے تھے جو کمایا کھا پی کر اڑا دیا، جب عیش کیے جا رہے تھے تب تو بھابی بیگم کو یہ دن نہ سوجھے کہ بندہ کچھ سوچ ہی لے اب مگرمچھ کے آنسو بہانے کا کیا فائدہ؟

اب بات سنو میری، یہ گھر کا کرایہ اور قرض نہ ہم نے لیا ہے نہ ہمارے ذمے واجب الادا ہے اس معاملے میں تم نے خواجے کا گواہ بننے کی کوشش کی یا بھابی کا ضامن تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا اپنے بچوں کے منہ سے نوالہ چھین کر دوسروں کے پیٹوں میں نہیں جانے دوں گی بس رات گزارو جو دنیا داری کا حق تھا سو ادا ہو گیا اب کیا ناک رگڑیں ان کے

دکھ بتانے کو اور ان کے دکھ تو اب شیطان کی آنت جتنے لمبے ہیں ہمارے تمہارے سے نمٹیں گے تم سے بات نہیں ہوگی تو میں خود صبح کر لوں گی، آخر بچوں کو اتنے دنوں سے گھر میں اکیلا چھوڑ رکھا ہے۔صبح ناشتے واشتے پر اٹھنے کی ضرورت نہیں نماز پڑھ کر نکل چلیں گے۔"

صبا تو چچا جان سے ڈاکٹر کو بلانے کا کہنے کے لیے آئی تھی کہ اماں کا شاید بی پی لو ہو گیا ہے آنکھیں ہی نہیں کھول رہیں شام سے انہوں نے کچھ کھایا ہی نہیں اور ادھر چچی تڑاتڑ گولیاں برسا رہی تھیں وہی چچی جن کے اماں، ابا کے سامنے منہ سے پھول جھڑتے تھے کہ۔

"بھابی میرے نیک شریف اور اتنے مہربان محبت کرنے والے جیٹھ صاحب سے بڑھ کر عقل مند شاید ہی کوئی ہوگا۔یہ بھائی صاحب کے نیک مشورے تھے جو مونس جیسے بے کار انسان کو کام کا بنا گئے ورنہ یہ تو لکیر کے فقیر ہیں بس پانچ ہزار کی نوکری پہ لگے اسی سے چمٹے رہنے کا ارادہ تھا ان کا، بھائی صاحب نے اپنے دوست کی مل میں انہیں لگوایا تو اللہ نے کچھ ہمارے بھی دن پھیرے ورنہ میں تو سوچ رہی تھی اپنے گھر کی چھت تو شاید قبر میں جا کر ملے گی دیکھ لیں بھائی صاحب کی مہربانی سے سات سالوں میں شاندار سا نہ سہی کتنوں سے اچھا گھر بنا لیا ہم نے۔اللہ کی مہربانی شامل حال رہے تو ہر ناممکن بات ممکن ہو جاتی ہے مگر میں بھائی صاحب کی اس خاص مہربانی کو مرتے دم تک نہ بھولوں گی"۔اور اب وہی چچی جان فرما رہی تھیں کہ آپ کے بھائی جیسا نکما عیاش آدمی انہوں نے نہیں دیکھا۔

"ابا آپ کے بعد ابھی اور کیا کیا دیکھیں گے ہم"۔

وہ وہیں سے پلٹ کر چھت کو جاتی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"ایں یہ تم اندھیرے میں بیٹھی کون سا وظیفہ کر رہی ہو کیا چچا جان سو گئے ہیں یا نہیں، انہیں کہو کسی ڈاکٹر کو بلا لاتے اماں کو تو جیسے ہوش ہی نہیں"۔صبوحی نے تھوڑی ہی دیر اس کی واپسی کا انتظار کیا تھا اسے ڈھونڈتے ہوئے ادھر آ نکلی۔

"ڈاکٹر کو گھر لانے کا مطلب تمہیں پتا ہے اس کی فیس کون دے گا اور چچا جان نے کیا ہمارا ٹھیکہ لے لیا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا کام ہر چھوٹی بڑی ذمہ داری ہم ان پر ڈالتے جائیں وہ کوئی ہمیشہ ادھر تو نہیں بیٹھے رہیں گے آج کل انہیں چلے تو جانا ہے پھر ہم خود کو کیوں ان کے سہارے کا اتنا عادی کر رہے ہیں ہمیں اپنے کام اپنے مسائل خود حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے آخر کوئی کب تک کسی کا بوجھ اٹھاتا ہے اتنے دنوں سے وہ جو ہمارے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر

ادھر بیٹھے ہیں تو یہ ان کی مہربانی ہے اب انسان کسی سے مہربانی پر اتنا ہی نہ پھیل جائے کہ اگلے کا دم اٹکنے لگے۔مونی کو بھیجو گلی میں جو ڈسپنسر کی دکان ہے اگر وہ فارغ ہے تو اسے بلا لائے ورنہ......اماں اخراجات کی اس نئی افتاد سے نڈھال ہوئی ہیں حقیقت سے نظریں ملانا بہت دشوار ہو رہا ہے یونہی آنکھیں موندے خود کو حوصلہ دیں گی اور خود صبح تک ٹھیک ہو جائیں گی ورنہ صبح کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔" وہ بے حد چڑے ہوئے لہجے میں بولتی چلی گئی صبوحی پہلے تو حیران ہو کر اس کی شکل دیکھ رہی تھی پھر سیڑھیوں کی ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا کہہ رہے تھے چچا جان۔" چند لمحوں بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"کچھ نہیں انہوں نے کیا کہنا تھا" صبا کو پتا نہیں چلا کہ اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

یقیناً چچی جان بول رہی ہوں گی آج دن بھر ان کا مزاج اکھڑا اکھڑا سا رہا میں دیکھ رہی تھی۔"صبوحی رک رک کر بولی۔

"ایسا اگر ہو بھی تو کیا ہے صبو آخر وہ بھی انسان ہیں جذبات رکھنے والے......ہم تو شاید کسی کے ساتھ اتنا بھی نہ کر سکیں گے۔" وہ اوس بھرے لہجے میں بولی تو صبوحی کو پتا چلا وہ رو رہی تھی۔

"یہ ایسے نازک موقع پر ان کی ہم پر مہربانیاں بے شمار ہیں لیکن اب جب کہ مکان مالک گھر خالی کروا رہا ہے قرض سر پر ہے تو ہم ان کے بغیر کیا کریں گے"۔

صبوحی حقیقتاً پریشان ہو گئی تھی۔

"کیا ابا کو اپنے پاس بلانے سے پہلے اللہ کو یہ سب معلوم نہ تھا یقیناً اس نے ہمارے بارے میں کچھ اور بھی سوچ لیا ہوگا اچھا یا برا۔اچھا تو وہ ہوگا کہ ہم اپنے زور بازو پہ اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کریں اور برا! بلکہ بدترین یہ کہ ہم اللہ کی رحمت اس کے کرم سے مایوس ہو کر دوسروں پر بھروسا کرنے لگیں، چچا جان چند دن اور ادھر رہیں تو شاید ہم اسی گناہ کے مرتکب ہونے لگیں، صرف ان پر بھروسا قناعت کر کے بیٹھ جائیں اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بالکل معذوروں کی طرح......میں تم اماں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں چاہے گا ہے نا"۔

وہ بالکل صاف آواز میں کہہ رہی تھی کچھ دیر پہلے والی اس کی کمزور روئی روئی آواز پر الفاظ اور ارادے کی مضبوطی غالب آ گئی تھی سیڑھیوں میں اندھیرا تھا کمروں اور برآمدے سے آتی معمولی سی روشنی میں صبوحی کو اس کا چہرہ بہت غیر معمولی سا محسوس ہوا تھا۔

"مگر ہم کیا کر سکتے ہیں اب یہ مالک مکان سے منہ ماری اور قرض خواہوں سے بات چیت تم کرو گی میں یا اماں...... کر سکتے ہیں ہم یہ سب" وہ صبا کی لفاظی سے باہر آتے ہوئے بولی۔

"کرنا پڑے گا چچا جان صبح چلے جائیں گے۔" پہلی بات سے زیادہ صبوحی کو اس کی دوسری اطلاع نے شاک پہنچایا تھا۔

"تم نے سنا وہ کہہ رہے تھے۔" چند ثانیے بعد صبوحی کمزور آواز میں بولی۔

"چچی جان رات ہی میں سامان باندھ لیں گی...... اور صبح سویرے، پلیز اماں کو سمجھانا کہ وہ ان سے زیادہ رکنے پر اصرار نہ کریں کیونکہ وہ اب رکیں گی نہیں۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"مگر صبا ہم کیا کریں گے چچا جان چند دن اور ٹھہر جاتے سارے معاملے...... کم از کم پلاٹ کا کچھ کر جاتے، گھر کا" صبوحی کے جیسے ہاتھوں کے طوطے اڑ رہے تھے۔ صبا نے پل بھر کو اسے دیکھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے میں دل میں دعا کر رہی تھی کہ چچا جان کچھ دن اور رک جائیں رات بھر میں ان کا ارادہ بدل جائے اور کچھ نہیں تو وہ چچی جان کو بھیج دیں اور خود...... لیکن اب تمہاری حالت دیکھ کر میں دعا کر رہی ہوں کہ اللہ کرے چچا جان اپنا ارادہ نہ بدلیں اور صبح یہاں سے روانہ ہوں ورنہ ہم سب واقعی معذور ہو جائیں گے، 'مفلوج' وہ کہہ کر رکی نہیں اور سیڑھی اتر کر برآمدے سے اماں کے کمرے میں چلی گئی۔

"اماں ٹھیک کہتی ہیں اس کے دماغ کے کچھ پرزے یا تو ہیں ہی نہیں اگر ہیں بھی تو ڈھیلے ہیں کتابیں پڑھ پڑھ کر اسے ڈائیلاگ بولنا آ گئے ہیں جن کا حقیقی زندگی کی تلخیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ تیس مار خان خود سارے معاملے طے کرے گی خود مالک مکان سے بات کرے گی قرض کا روپیہ اکٹھا کرے گی۔ پلاٹ بیچ کر خود گھر کا انتظام کرے گی سارے مسئلے خود بخود حل ہوتے جائیں گے صرف اچھی سوچ اور اچھے خیال اور خوب صورت الفاظ کے زور پر۔

صبا بی بی ابھی آپ نے دنیا دیکھی کہاں ہے جاؤ جا کر ان سے پوچھو اور ان کو دیکھو جنھوں نے یہ دنیا پہن اوڑھ کر اور برت کر چھوڑی ہے تمہاری عمر سے دوگنا اماں کا تجربہ ہے اس دنیا کے بارے میں، یونہی تو وہ شام سے کسی ادھ موئی لاش کی طرح نہیں پڑیں یہ سارے

مسائل حل کر لینا اتنا آسان ہوتا تو وہ کاہے کو یوں پیلی پھٹک ہو کر بستر سے لگ جاتیں بات کرتی ہے اپنے زور بازو کی ہونہہ"۔ صبوحی وہیں کھڑے کھڑے خود سے کہتی رہی اور پھر تھکے تھکے قدموں سے برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

اور اگلی صبح اللہ نے صبا کی دعا سن لی اور ان سب کو امتحان کی بھٹی میں ڈالنے کا گویا حکم دے دیا۔

چچا جان علی الصبح سامان باندھے کھڑے تھے۔

اماں تو مارے حیرت اور پریشانی کے گم صم سی ہوگئیں انہیں رکنے کا بھی نہ کہہ سکیں، بس ٹکر ٹکر ان کے بندھے سامان اور رات بھر میں اجنبی ہوئے چہروں کو دیکھتی رہیں۔

"انشاء اللہ! بھابی چالیسویں سے ایک دو دن پہلے آ جاؤں گا کام کا حرج ہو رہا ہے مل سے بس اتنی چھٹیاں لی تھیں درخواست سے بھی ایک ہفتہ زائد رہ چکا ہوں اب نوکری کی بات نہ ہوتی تو چلو پندرہ دن اور رہ لیتا آپ اب تھوڑا حوصلہ پکڑیں بچوں کی خبر لیں اور گھر کی بھی، جانے والوں کے ساتھ کوئی زندہ دفن تھوڑا ہی ہو جاتا ہے جب تک اللہ کا حکم ہو زندہ انسان کو جینا پڑتا ہے اور جینے کا سامان کرنا پڑتا ہے نہ کوئی اپنی مرضی سے یہاں جیتا ہے نہ مرتا ہے سب اوپر والے کی مرضی اور حکم کی مرضی سے ہوتا ہے اللہ آپ کو صبر دے اور ہمت بھی۔ میں فون کرتا رہوں گا کوئی مسئلہ ہو پریشانی بلا جھجک کہہ دیا کیجیے گا جس لائق ہوا کام آ جاؤں گا، اب یوں بھی مونی کے پیپرز ختم ہو جائیں گے تو آپ کو اور آسانی ہو جائے گی اپنی صحت کا بھی دھیان کیجیے گا اب ان بچوں کے لئے آپ ہی ماں ہیں، آپ ہی باپ"

چچا جان شاید ابھی اور نصیحتیں کرتے کہ چچی جان نے بے زار سا ہو کر مونی کو رکشہ لینے کے لئے بھیج دیا۔

"آپ نے اگر باتھ روم جانا ہے تو ہو آئیے اتنا لمبا سفر ہے" چچی جان نے چچا کی طرف دیکھ کر گویا انہیں بھابی کے گھٹنے چھوڑنے کا اشارہ کیا تو وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹا تم لوگ بھی ماں کا خیال رکھنا اور اپنا بھی اور پریشان نہیں ہونا میں آتا جاتا رہوں گا"

ہاں جیسے پنڈی اور لاہور بھائی لوہاری ہیں۔ چچی کی بڑبڑاہٹ پاس کھڑی صبا نے

صاف سن لی۔

''چچا جان آپ کیوں فکر کرتے ہیں یوں بھی اللہ سے بڑھ کر کون کسی کا سہارا ہوتا ہے''اگر کوئی انسان کسی دوسرے کی مدد کرتا بھی ہے یا اس کا سہارا بنتا ہے تو اللہ کے حکم سے ورنہ خود تو آدمی میں اتنا دم نہیں کہ وہ اپنی ہی مدد کرے اگر اللہ نہ چاہے تو......آپ نے ابا کے بعد واقعی چچا ہونے کا حق ادا کر دیا کوئی بھی مشکل پریشانی ہوگی ہم آپ سے ہی کہیں گے آپ بے فکر ہو کر جائیں اللہ بہتر کرے گا۔''

چچا جان کی طرح چند پل چچی بھی منہ کھول کر صبا کی طرف دیکھتی رہیں کہ یہ وہی صبا ہے جو کسی اجنبی کے سامنے بات کرنا تو در کنار سامنا نہیں کر سکتی تھی۔

مہمانوں کو دیکھ کر کمرے میں چھپ جایا کرتی تھی بات بھی کرتی تو جھینپ جھینپ کر......پھر انہیں سمجھ آئی کہ غم میں ایسی طاقت ہوتی ہے جو بے زبانوں کو بھی درد ہونے پر بلبلانے کی قوت عطا کرتی ہے صبا کا بولنا ایسا انوکھا تو نہیں تھا۔

''اچھی بات ہے بیٹا اس طرح ہمت کرو گی تو کچھ بنے گا اور بھابی جان میں پراپرٹی ڈیلر سے کہہ کر جا رہا ہوں جیسے ہی پلاٹ کی کوئی تگڑی پارٹی ملتی ہے وہ فوراً مجھ سے رابطہ کرے گا، بلکہ میں خود بھی اسے فون کر کے معلومات لیتا رہوں گا اب دیکھا جائے تو ایک ہی آسرا بچا ہے پلاٹ کا، یونہی کوڑیوں کے مول تو نہیں پھینک دینا اچھے دام ملیں گے تب ہی کچھ بنے گا، اچھا بھابی چلتے ہیں۔''وہ اماں کو تسلی دے کر کھڑے ہو گئے۔

''آپ ناشتا تو کر جاتے۔''اماں نے کمزور آواز میں کہا بھی تو صرف یہ۔

''نہیں بھابی جان، اتنی صبح دل نہیں کرتا چائے صبوحی نے پلا دی تھی۔ آپ ابھی آرام کر لیں رات نیند تو ٹھیک سے آئی آپ کو۔''انہیں یاد آیا کہ رات ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

''یہ سامان اٹھا کر باہر رکھیں میرا خیال ہے رکشا آ گیا ہے۔''چچی جان نے اکتا کر خود سے ایک بیگ اٹھایا اور باقی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باہر کی طرف چلیں تو چچا جان بھی جلدی سے سامان اٹھانے لگے۔

تھوڑی دیر میں وہ رکشا میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے انہیں رخصت کر کے وہ چاروں اندر آئے تو انہیں لگا آج حقیقی معنوں میں وہ اکیلی رہ گئی ہوں اماں تو وہیں تخت پر بیٹھ کر بے آواز آنسوؤں سے رونے لگیں۔ صبوحی اور صبا ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ مونی کچھ دیر کھڑا رہ

کر ان تینوں کو دیکھتا رہا پھر اندر کمرے میں جا کر بستر میں لیٹ گیا۔

''تمہارا آج انگلش بی کا پیپر ہے، ایک بار دہرا لیتے۔''صبا اسی وقت کمرے میں آ کر اسے یوں بستر میں دراز ہوتے دیکھ کر بولی۔

''ہے میری تیاری ابھی ٹائم ہے تھوڑا سو لوں۔''وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے کروٹ بدل کر لیٹ گیا تو صبا نے اسے افسوس بھری نظروں سے دیکھا جیسی اس کی تیاری تھی صبا کو پتا تھا۔

☆ ☆ ☆

''بھائی صاحب کچھ اور رعائیت کوئی چھ آٹھ مہینے کی نہ سہی دو چار مہینے اور ہمارا اللہ کوئی بندوبست کر دے گا آپ کی بڑی مہربانی۔''اماں پردے میں بیٹھی مالک مکان سے بات کر رہی تھیں جو اگلے ہفتے گھر خالی کرنے کا کہنے کا آیا تھا۔

''بہن جی اللہ کے واسطے مجھے اور شرمندہ نہ کریں میں جانتا ہوں آپ اس وقت مشکل میں ہیں، پر میرا گواہ اللہ ہے کہ میں آپ سے زیادہ مجبوری میں جکڑا گیا ہوں میری دونوں بچیوں کی منگنیاں یا رشتے نہیں طے ہوئے نکاح ہو چکے ہیں کہ میں ٹال مٹول کرتا رہوں دونوں میرے سالے کے گھر جا رہی ہیں اور ان کے ساس سسر نے اگلے مہینے حج پر جانا ہے تاریخ آ چکی ہے آپ ہفتہ بھر بعد گھر خالی کرتی ہیں تو ہمارے پاس صرف اکیس دن ہوں گے اپنا گھر میں سیل کر چکا ہوں ایڈوانس پکڑ کر خرچ بھی کر چکا ہوں ان سے مہینے بھر کی مہلت لی تھی، جو پوری ہونے میں فقط تین دن ہیں میں تو انیس بھائی کی زندگی میں ہی بات کر لینا چاہتا تھا مگر ان کی طبعیت ہی اچانک بگڑ گئی، سوچتا رہا ذرا بہتر ہوتے ہی دست بستہ عرض کروں گا جا کر معافی مانگ لوں گا پرانی دوستی محلے داری کا ناتا ہے پر میرے اللہ نے اتنی مہلت ہی نہ دی اور ان کی جیسی حالت رہی اس میں کیا میری زبان زیب دیتی تھی۔''اس کی مجبوریاں بھی اپنی جگہ تھیں اماں کا زور تو یوں بھی صرف آنسوؤں پر چلتا تھا ایک بار پھر بہانے لگیں۔

''کوئی گنجائش، ابھی تو ان کے چالیسویں میں چار دن باقی ہیں مہمان آئیں گے تو کیا منہ دکھاؤں گی ان کو۔''

''بہن جی سچ بات کہوں جانے والے چلے جاتے ہیں چالیسویں قل برسی سب دنیاداری کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور جو سچ پوچھیے تو کہیں بھی چالیسویں قل یا برسی کا ذکر نہیں بلکہ ایسی باتوں کی صریحاً ممانعت ہی کی گئی ہے پر کیا کریں، آپ بھی سچ کہتی ہیں یہ سارے رسم

ورواج ہماری معاشرتی اقدار میں رچ بس گئے ہیں جیسے کپڑے کی بنت میں ریشے سے ریشہ جڑ جاتا ہے آپ چالیسواں کر لیں اور اس سے اگلے دن مہمان چلے جائیں گے تو......آپ کی مہربانی ہوگی بڑی۔'' وہ صاف خالی کرنے کا کہنے سے جھجک گیا۔

''اتنی جلدی ہم کہاں جائیں گے۔'' اماں کی آواز کانپ رہی تھی۔

''آپ کی سب باتیں صحیح ہیں جوان بچیوں کے ساتھ میں کہاں ٹک پڑوں دو چار دنوں میں،'' ''میں کوئی چھوٹا موٹا گھر دیکھ کر بتا دیتا ہوں کرائے کا۔'' وہ جلدی سے بولے۔

''کرائے کے گھر کے اخراجات کہاں سے ادا کریں گے، آپ ہمیں ایک مہینہ اور؟''

''بہن جی مجھے مزید شرمندہ نہ کریں ایک مہینہ کیا پندرہ دن بھی نہیں میں آپ کو ساری مجبوری بھری داستان سنا چکا ہوں آپ خود بیٹیوں والی ہیں میری بات سمجھ سکتی ہیں اگلے ہفتے جمعہ کے دن میں سامان لے آؤں گا آپ کی نوازش ہوگی کہ وہ جو پانچ ماہ کا کرایہ دینے والا ہے وہ مجھے پرسوں شام تک عنایت کر دیں تا کہ میں بھی اپنے کچھ ضروری کا نبٹا سکوں چلتا ہوں، بہن جی اللہ آپ کو صبر دے اور ہر مشکل کو جھیلنے کی ہمت بھی دے

رب رکھا! اماں جو مزید منت کرنا چاہ رہی تھیں اس کے اٹھنے پر ان کے لب پھڑ پھڑا کر رہ گئے اب منت سماجت کے لئے کون سے الفاظ باقی رہ گئے تھے۔

اس شام بھی گھر میں کچھ نہیں پکا سر سے چھت چھن جانے کے خوف نے ان کی بھوک تو کیا نیند بھی اڑا دی تھی۔

اماں تو وضو کر کے مصلے پر بیٹھ گئی تھیں صبوحی منہ سر لپیٹے پڑ گئی تھی مونی باہر نکل گیا اور وہ پیر جلی بلی کی طرح پورے گھر میں چکراتی رہی

گھنٹا بھر بعد انجی اور اسکے شوہر گھر آ گئے

''یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے صبا کم از کم لائٹیں تو آن کر لیا کرو۔'' وہ صحن میں آتے ہی نخوت سے بول پڑی۔

وہ تو یوں بھی آج کل پیا کی محبتوں کی روشنی میں نہائی ہوئی تھی اسے اندھیرے نحوست ہی لگنے تھے۔

''بس جلانے لگی تھی۔'' صبا، عامر بھائی کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکی۔

''اماں کہاں ہیں۔'' وہ مہمانوں کی طرح خود ہی میاں کو لیکر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی۔

''اندر نماز پڑھ رہی ہیں بلاتی ہوں۔'' وہ باہر نکل گئی۔ اماں سجدے میں پڑی تھیں اور ان کا بدن لرز رہا تھا اسے بے اختیار رونا آ گیا یہ وہی اماں تھیں جو ہر وقت ہر کسی سے کیسا گرج برس کر بولا کرتی تھیں اور اب بس آنسو ہچکیاں اور آہیں ان کے ساتھ تھیں۔

''صبوحی اٹھو انجی اور عامر بھائی آئے ہیں۔'' وہ اماں کو چھوڑ کر صبوحی کو اٹھانے آ گئی۔

''انہیں کہہ دو جا کر آج کسی دعوت کا اہتمام نہیں ہو سکتا آج کہیں باہر سے اڑا لیں جا کر۔'' وہ چادر میں منہ ڈالے بولی۔

''بری بات صبوحی، عامر بھائی کیا سوچیں گے ابھی ان کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔''

''اور اسے شرم نہیں آتی روز میاں کو لئے چلی آتی ہے دعوت اڑانے ذرا اس کے دل میں خوف نہیں آتا کہ ابا کو گزرے ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں آخر وہ صرف ہمارے ابا تو نہیں تھے اس کے بھی کچھ لگتے تھے کہ اپنی تکلیف اپنے درد کی پروا کئے بغیر آخری دنوں میں انہوں نے اس کے ہاتھ پیلے کیے، کیسی ان دنوں تکلیف تھی انہیں کہ گھڑی بھر کو کھڑا نہیں ہو سکتے تھے اور یہ احسان فراموش خود غرض بیٹی شوہر کی سیج سجاتے ہی سب کچھ بھول گئی تو جاؤ اس سے کہہ دو ہم بھی بھول گئے۔

''وہ چادر جھٹک کر اٹھی اور اونچی اونچی آواز میں کہتی ہوئی رونے لگی اور پھر سے اسی طرح چادر اوڑھ کر لیٹ گئی صبا نے ایک دکھ بھری نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل آئی۔

باہر صحن میں رات گہری ہو رہی تھی۔

''پتا نہیں سات بجے ہیں کہ آٹھ کہ نو وقت تو جیسے تھم گیا ہے گھڑی دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا اور اب یہ چائے پیش کرنے کا بھی ٹائم نہیں اور کھانے میں تو کچھ پکا ہی نہیں، دوپہر کی دال تھوڑی سی ہوگی اور بازار سے منگوانے کے لئے پیسے نہیں یہ مونی ابھی تک نہیں آیا، پتا نہیں اس نے کیسے پیپرز دیے ہیں پورے بھی دیئے ہیں کہ ایک آدھ چھوڑ گیا اور نہ جانے کس کے ساتھ پھرتا رہتا ہے یا اللہ ہم پر رحم کر۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

اماں اندر آ چکی تھیں اور اب اپنا بھیگا چہرہ چادر کے پلو سے صاف کر رہی تھیں گویا مالک مکان کی آمد اور اسکی مجبوریوں کی کتھا سنا چکی تھیں۔

"تو اماں یہ ساری غلطی تو مونس چچا کی ہے انہیں یہ سب کچھ طے کروا کے جانا چاہیے تھا۔" انجی نے اپنی تئیں بڑی عقل کی بات کی۔

"نہ بیٹی اس بے چارے نے کیا ہمارا عمر بھر کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اس کا اپنا بھی گھر بار ہے بیوی بچے ہیں سب کی سو مجبوریاں ہیں اس نے جتنا کر ڈالا اسکی مہربانی۔" اماں رقت بھری آواز میں بولیں۔

"تو اب کیا کریں گی؟" انجی نے انجان بن کر پوچھا۔

"کچھ سمجھ نہیں آرہی اب ہفتہ بھر میں بھلا کیا کوئی الہ دین کا جن ہمیں سر چھپانے کو نیا ٹھکانہ دے جائے گا۔"

"اماں آپ کہتی ہیں تو میں بات کروں مالک مکان سے۔" عامر نے ساس کی دلجوئی کے خیال سے کہا۔

"انہوں نے اماں کی بات نہیں سنی تو آپ کی کیا سنیں گے بھلا۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ آپ کو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ کا پنگا لینے کی۔

"نہیں بیٹا بات تو میں کر چکی ہوں وہ نہیں مانے گا اس کی بھی مجبوری صحیح ہے پر مسئلہ دوسرا گھر تلاش کرنے کا ہے اور اس میں اچھی خاصی رقم اٹھتی ہے پھر پانچ ماہ کا گھر کا کرایہ۔ وہ تو اس نے پرسوں کا ادا کرنے کا کہہ دیا ہے۔"

"اماں تھوڑا بہت جو آپ کے پاس پس انداز ہوگا اسے دے کر تو فارغ کریں باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔" انجی کے کہنے پر اماں نے اسے زخمی نظروں سے دیکھا۔

"جو کچھ بھی تھا تمہارے ابا کی بیماری اور تمہاری رخصتی پر اٹھ گیا اب تو......" اماں آگے کا احوال بیان کرنے کی بجائے ہونٹ کاٹنے لگیں۔

"میں تھوڑا بہت کر دیتا مگر جو جمع تھا سب شادی پر لگ گیا ہمارے ہاں کی رسمیں بھی تو اتنا بندے کا لہو نچوڑتی ہیں کہ بعد میں صرف سانس ہی بچتا ہے ویسے آنٹی آپ فکر نہ کریں میں کوشش کرتا ہوں کل شام کو آکر آپ کو بتا دوں گا اور کوئی چھوٹا سا گھر بھی دیکھتا ہوں اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ ضرور کوشش کریں دیکھ نہیں رہے اماں کیسی کمزور ہوگئی ہیں ابا کو کچھ تو ان دنوں کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا اور اماں سچی بات ہے ایسے وقت میں سب کو اکٹھا ہونا

چاہیے دکھ درد بانٹنے کے لئے کیا افشی آپی کے میاں جاوید بھائی کا کوئی فرض نہیں بنتا کہ ایسے وقت میں آکر ساتھ کھڑے ہوں، کوئی ساتھ دیں اب بے چارے ایک عامر کیا کیا کریں گے آج کل تو وہ زمانہ ہے کسی کو ہاتھ دو وہ بازو کھینچنے لگتا ہے۔

پھر بھی اماں آپ زیادہ فکر نہ کریں عامر کچھ نہ کچھ کریں گے اور یہ مونی کہاں ہے

اماں جو سر جھکائے اس کی سخت کڑوی کسیلی باتیں سن رہی تھیں، سر اٹھا کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں انہیں یقین نہیں آرہا تھا یہ ان کی انجی ہے ماں باپ کی ہمدرد اور اب میرے باپ کو کہہ رہی تھی کہ انہیں کچھ تو خیال کرنا چاہیے تھا جیسے ساری زندگی انہوں نے ان کا خیال کیا ہی نہیں وہ رونا چاہتی تھیں۔ انجی کو دو چار سنانا چاہتی تھیں مگر جیسے ان کے آنسو سوکھے تھے الفاظ بھی حلق میں پھنس کر رہ گئے۔

"آج کل زمانہ اتنا خراب ہے پھر ہر وقت گلی میں آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتا رہتا تھا گھر بلا کر کچھ ذمہ داری اس پر بھی ڈالیں ماشاء اللہ جوان ہے آج اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھے گا تو کب سمجھے گا میٹرک تو کر لیا اس کی عمر کے لڑکے پورا پورا گھر چلا رہے ہوتے ہیں اور آپ نے اسے لاڈ پیار میں پپو بنا کر رکھا ہے اماں آپ بھی تو کچھ سوچیں نا صرف رونے دھونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔" ابھی اماں پہلی انجی کو نہیں سہہ پا رہی تھیں کہ یہ طعنہ دیتی انجی ان کی کوکھ سے جنم لینے والی انجی تو نہ لگتی تھی۔

"چلیں پھر۔" وہ اماں کے بت بنے وجود کو کچھ دیر دیکھتی رہی ہاتھ دبا کر گویا تسلی دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج کیا گھر میں کھانے کی ہڑتال ہے اور یہ صبوحی کہاں مری ہوئی ہے یا ہمیں دیکھ کر چولہے پر پانی ڈال دیا۔" وہ صبا کے ساتھ چلتے ہوئے طنز کے تیر برساتے ہوئے بولی۔

"صبوحی کے سر میں درد ہے دوپہر میں دال پکائی تھی وہی اب بھی چل جائے گی آپ کے آنے کا پتا ہوتا۔"

"ہاں میں نکارے بجا کر آیا کروں، مسجد میں اعلان کروا کے یا ٹی وی پر اشتہار چلا کر پتا ہے ابا کے چالیسویں تک کم از کم بیٹیوں کو آنا ہی چاہیے اب میرا دل افشی آپی کے جیسا پتھر تو ہے نہیں کہ ابا کا منہ جو دیکھ کر گئیں تو پلٹ کر خبر نہ لی کہ کہیں جھوٹ موٹ کے چار آنسو نہ بہانے پڑ جائیں۔" وہ شروع سے ایسی ہی خود غرض اور اپنے احساس کی پروا کرنے والی تھی۔

وہ صبا کے ساتھ چلتے ہوئے افشی کے خلاف زہر اگل رہی تھی۔

''آنٹی آپ بالکل فکر نہ کریں اگر کچھ بھی بندوبست نہ ہو سکا تو کوئی بات نہیں ہمارے ٹاپ فلور والے دو کمرے خالی پڑے ہیں جب تک آپ کے پلاٹ کا مسئلہ حل ہو کر گھر نہیں مل جاتا آپ اوپر آ کر رہ لیں میں امی سے بھی بات کرلوں گا انہیں تو ویسے بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور انجی کے حوالے سے میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں۔'' وہ اپنائیت بھرے انداز میں بولا تو بڑے دنوں بعد اماں کے سوکھے مرجھائے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ سی رینگی تھی۔

''کیوں نہیں بیٹا تم انجی سے بھی پہلے میرے بیٹے ہو اور تمہارا یوں خیال رکھنے کا شکریہ اللہ مسبب الاسباب ہے تم اپنے دوستوں میں کہیں دیکھ کر اس پلاٹ کا سودا کروا کے ہمیں کوئی چھوٹا موٹا سا سر چھپانے کا آسرا ڈھونڈ دو ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔''

''ارے نہیں آنٹی مجھے یہ کام کر کے دلی خوشی ہوگی میں، دو ایک دنوں میں پھر چکر لگاؤں گا تو آپ اس پلاٹ کے پیپر نکال کر رکھیے گا میں انشاء اللہ دو چار دنوں یا ہفتوں میں اسکی سیل کروا کے گھر لے دوں گا آپ زیادہ ٹینشن نہ لیں، اپنی صحت کی طرف دھیان دیں۔''

وہ اماں کو یوں اپنائیت و فکر مندی سے بات کرتا بالکل اپنے مونی کی طرح لگا۔ انجی کا البتہ منہ پھولتا جارہا تھا خاص طور پر اوپر آ کر رہنے والی پیشکش پر۔

''اب چلیں بھی یا بس کھڑے کھڑے سارے مسائل حل کر کے جائیں گے۔ امی انتظار کر رہی ہونگی۔'' وہ آخر چڑ کر بولی تو عامر سر ہلا کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

''اماں ویسے افشی آپی کو بھی فون کر کے سب کچھ بتا دیجیے انہیں بھی تو خبر ہونی چاہیے۔'' وہ جاتے جاتے بولی۔

''بیٹا وہ اس حال میں ہے دوسرے جی سے میں کیا اسے میں پریشان کروں اللہ نے یہ تنگی کے دن دکھائے ہیں وہی کاٹ بھی دے گا۔' اماں ہولے سے بولیں۔

''چلتی ہوں اماں ورنہ میری ساس اللہ توبہ جاتے ہی کچہری کھول کر بیٹھ جائیں گی کہاں گئے تھے اتنی دیر لگائی ماں نے کون سی پٹیاں پڑھائیں تمہارے بیوی کے انداز ہی بدلے بدلے لگتے ہیں، دیکھنے میں اتنی خوش اخلاق ہیں دل کی اتنی ہی تنگ۔ یہ تو میرا حوصلہ ہے جو میں ان کے ساتھ رہ رہی ہوں، ورنہ کوئی ان کے ساتھ چار دن ساتھ رہے تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے ان کی ساری خوش اخلاقی منہ دکھاوے کی ہے میں تو اب بھی کہتی ہوں آپ کو

مونس چچا کو فون کر کے بلوانا چاہیے تھا۔ وہی سب کریں تو زیادہ اچھا ہے اچھا اماں اللہ حافظ!'' وہ اپنے مدعا ڈھکے چھپے لفظوں میں صاف صاف کہتے نکل گئی تو اماں ایک آہ بھر کر رہ گئیں۔

''کیا سب ہی بیٹیاں شادی کے بعد ایسی بے حس ہو جاتی ہیں۔'' دروازہ بند کرتے ہوئے صبا نے سوچا۔

''صبا دروازہ بند نہ کرد ابھی مونی نہیں آیا۔'' اماں جاتے جاتے بولیں اسکی چٹخنی لگاتے ہاتھ رک گئے۔

''اماں اب تو ذرا دیر کو دروازہ کھلا رہے تو کیسا دھڑکا رہتا ہے ابا جی تھے گھر ہوتے تھے یا نہیں دروازہ کھلا ہی رہتا تھا اور کبھی خوف نہیں آیا تھا مونی آئے گا تو میں دروازہ کھول دوں گی۔'' اس نے چٹخنی لگا دی اور اندر کی طرف چل دی۔

☆ ☆ ☆

مونی اس رات ساڑھے گیارہ بجے گھر لوٹا وہ بھی کچھ ایسے حال میں کہ صبا سے نظریں چرا کر بات کر رہا تھا۔

''کہاں سے آرہے ہو تم اس وقت۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ذرا رعب سے بولی اور وہ مونی کیا جو صبا کے رعب میں آجاتا وہیں کمر پر ہاتھ جما کر اسے گھورنے لگا۔

''ابا میرے اس دنیا سے رخصت ہو چکے، اماں سو رہی ہیں تم کون ہوتی ہو یوں کوتوالوں کی طرح مجھ سے سوال جواب کرنے والی۔''

''دروازہ میں نے کھولا ہے پوچھوں گی تو ضرور اور یہ مت سمجھو ابا چلے گئے اماں اپنی پریشان حالت میں تمہاری حرکتوں پر دھیان نہیں دے رہیں تو کوئی تمہیں پوچھنے والا نہیں رہا میں ہوں ابھی سنا تم نے۔'' اس نے حتی الامکان اپنے سے پونے دو سال چھوٹے معین کو ذرا ڈرانے کی کوشش کی۔

''اچھا تم پوچھو گی مجھ سے شکل دیکھی ہے اپنی ہونق، پہلے اپنے حواس تو قائم کرلو بات کرنے کے لئے ہونہہ میں پوچھوں گی...... پوچھتی رہو میں بتانے کا پابند نہیں۔''

اس نے حسب عادت گزرتے گزرتے صبا کے بالوں کی پونی کو زور کا جھٹکا دیا تھا وہ سی کر کے دو قدم پیچھے ہٹ گئی وہ آتے جاتے یونہی صبا اور صبوحی کے بال کھینچ جاتا چٹکی کاٹ جاتا یا دھپ لگا جاتا تھا اور آج سے پہلے یہ سب اس کا لاڈ تصور کیا جاتا تھا اور آج اس معمولی

سے جھٹکے پر جیسے صبا کے قدم زمین سے اکھڑ گئے بال تو اس نے آہستہ سے کھینچے تھے درد اسے بہت زیادہ ہوا تھا۔

وہ سیڑھیوں میں بیٹھ کر چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر بے آواز آنسوؤں سے رونے لگی ابا مونی کو جب بھی ایسی حرکت کرتے دیکھتے ٹھیک ٹھاک اسے جھاڑ دیا کرتے تھے اور اب وہ کس سے جا کر مونی کی شکایت کرے اس کی اس بدتمیزی کی، اماں تو اپنے ہی غم میں گرفتار ہیں اور کون ہے بے بسی کے احساس سے اس کے آنسو اور بھی روانی سے بہنے لگے۔

''یہ مونی کے منہ سے کیسی بدبو آ رہی تھی۔'' روتے روتے اسے یاد آیا۔

''سگریٹ...... ہاں وہ سگریٹ کی بو تھی اچھی خاصی تیز اور صاف محسوس ہوتی ہوئی...... تو اب اس نے سگریٹ نوشی بھی شروع کر دی ہے اوہ میرے اللہ۔'' وہ ایک بار پھر ہاتھوں پر سر گرا کر رونے لگی۔

''اب یہ سب اماں کے علم میں لانا ضروری ہو گیا ہے ورنہ یہ لڑکا ہاتھوں سے نکلتا جائے گا۔''

وہ دل میں پختہ عزم کرتے ہوئے ابھی اور اسی وقت اماں کو بتانے کے لئے ان کے کمرے کی طرف چل دی کمرے میں اماں کے ہلکے ہلکے خراٹے گونج رہے تھے۔

''کتنے دنوں بعد اماں ایسی بے خبر ہو کر سوئی ہیں ورنہ تو انہیں نیند ہی نہیں آتی تھی سو لیں کم از کم آج کی رات تو اس بے فکری کی نیند سو لیں کل سے ان کی فکروں میں ایک بوجھ کا اور اضافہ ہونے والا ہے۔''

وہ چپکے سے اماں کے دوسری طرف لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

شاید انجی کے طعنوں کا اثر تھا کہ اماں نے صبح اٹھتے ہی پہلا کام افشی آپی کو فون کرنے کا کیا۔

''اماں جاوید بھلا کیا کر سکتے ہیں خود ملازمت پیشہ ہیں صبح کے نکلتے رات کو گھر لوٹتے ہیں پرائیوٹ نوکری ہے کون سی گورنمنٹ کی ہے کہ جتنی چاہے چھٹی لے کر آپ کے پاس آ جائیں محکمے والے ایک ایک چھٹی کے پیسے کاٹتے ہیں دوسرے جاوید بے چارے کو ان پراپرٹی کے لین دین خرید و فروخت کا کیا علم، کیا تجربہ کوئی الٹا نقصان کروا بیٹھیں گے آپ چچا ہی کو فون کریں وہی سمجھ داری سے یہ کر سکیں گے۔'' افشی نے فوراً اپنی جان چھڑا لی۔

''پر افشی گھر کے کرائے کی رقم اور قرض...... پھر ایک ہفتے کے اندر گھر خالی کر کے کہاں جوان اولاد کو لے کر سر چھپاؤں۔'' اماں روہانسی ہو کر بولیں۔

''توبہ ہے اماں کیا بات کرتی ہیں ابا کچھ بھی نہ چھوڑ کر گئے کہ آپ یہ قرض ورض اتار تو لیں یا صبوحی کے لیے کچھ جمع جتھا کر رہی ہیں اماں ان حالات میں فی الحال صبوحی کا خیال چھوڑ دیں اپنی چھت تلے بیٹھیں گے تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔'' وہ سیانوں کی طرح اماں کو سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''میں بھی کوئی پاگل یا احمق نہیں ہوں جو گھر در کے لالے پڑے ہوں تو بیٹی کے لیے جوڑتی پھروں ایک دھیلا گھر میں نہیں، جو تھا سو تمہارے باپ کی بیماری اور انجی کی رخصتی پر اٹھ گیا جو ابھی بھی کہہ رہی ہے کہ اماں میرا بیاہ تو آپ نے ایسے ٹٹ پونجوں کی طرح کیا جیسے کوئی مرگ کی رسمیں ادا کرتا ہے نہ ڈھنگ کا جہیز زیور کپڑا لتا اور نہ کوئی رسم خوشی کی۔ بولتے ہوئے سوچتی بھی نہیں کہ باپ کیسے بستر مرگ پر پڑا تھا شکر ادا کرے جو اپنے گھر کی ہو گئی اب ادھر آ کر ہمارا حال دیکھو کیسے جان ہلکان ہو رہی ہے۔''

''اماں اللہ کے لیے میرا بی پی شوٹ کر رہا ہے ڈاکٹر نے مجھے آرام کرنے اور کوئی بھی ٹینشن سر پر سوار کرنے سے منع کیا ہے اور سچی بات کہوں کہ اماں آپ کو ایسے حالات میں مجھے فون کرنا ہی نہیں چاہیے تھا، مائیں تو بیٹیوں کو ایسی حالت میں گرم ہوا نہیں لگنے دیتیں اور آپ ایسی پریشان کن خبریں سنائے جا رہی ہیں میرا سانس پھول رہا ہے آئے ہائے...... اماں پھر فون کروں گی آپ بھی زیادہ پریشان نہ ہوں ......سوری اماں میرا دل گھبرا رہا ہے اللہ حافظ۔'' اماں نے گہرا سانس لے کر ریسور رکھ دیا۔

''اماں چہلم میں تین دن تو ہیں پرسوں شام کو چچا آ جائیں گے اس کے بعد بھی ہمارے پاس چار دن ہوں گے ان چار دنوں میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا آپ ایک بار مونی کو بھیج کر اس پراپرٹی والے کو بلوا بھیجیں جسے پلاٹ بیچنے کا کہہ رکھا ہے شاید کوئی پیش رفت ہوئی ہو۔ مناسب سی بھی قیمت ملتی ہے لے کر چاہے دو کمروں کا گھر لے لیں اس ٹینشن سے نکلنے کی کوشش کریں۔'' صبا ہولے ہولے ان کے کندھے دباتے ہوئے بولی۔

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں صبوحی ذرا مونی کو بلا کر لاؤ۔'' صبوحی مونی کو بلانے چل دی۔

''اماں وہ سو رہا ہے اور جگانے پر بھی نہیں اٹھ رہا۔'' صبوحی نے جلدی ہی آ کر بتایا۔

''یہ رات کو کتنے بجے آیا تھا صبا؟''

''اماں بہت دیر سے، آپ اسے پوچھیں کہ رات کو کہاں رہتا ہے اور...... مجھے نہیں لگتا اس کے دوستوں کی کمپنی اچھی ہے پتا نہیں اس نے پیپرز بھی پورے دیے ہیں یا نہیں آپ ذرا سختی سے پوچھیں اس سے؟''

''ہاں یوں کریں لوہے کی سلاخیں لے کر اس سے میری ہڈیاں پسلیاں توڑیں بالکل نرمی سے نہ پوچھیں کہ میں کہاں کون سے اڈوں پہ رات بھر عیاشی کرتا ہوں کن لچوں لفنگوں کے ساتھ پھرتا ہوں، ان کی گندی صحبت نے مجھے کتنا بدکردار کر دیا ہے اور سن لیں میں نے پیپرز بھی پورے نہیں دیے، جس سے جو ہوتا ہے کر لے۔''

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ مونی ایک دم سے اٹھ کر باہر آ جائے گا اور یوں چلانے لگے گا۔ ٹراؤزر کے اوپر خالی بنیان کے ساتھ چیختا دھاڑتا یہ وہ مونی تو نہیں تھا جو دن بھر آتے جاتے ان کے ساتھ چھیڑ خانی کیا کرتا تھا اس کی خونخوار بڑی بڑی آنکھیں جیسے باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں اور منہ سے کف نکل رہا تھا بھیگی ہوئی مسیں اچھی خاصی گہری لگ رہی تھی اور انداز......وہ تینوں ماں بیٹیاں پل بھر کو لرز کر رہ گئیں۔

''دماغ خراب ہے تیرا کیوں پاگلوں کی طرح چلا رہا ہے ایسا کیا کہہ دیا صبا نے اور اس میں جھوٹ کیا ہے سارا دن ساری رات غائب رہنے لگا ہے باپ کیا گیا تیرے تو جیسے رستے کی رکاوٹ ہٹ گئی پر یاد رکھ مونی تیری ماں ابھی زندہ ہے جیتے جی تجھے یہ من مانیاں نہ کرنے دوں گی سنا تو نے۔'' اماں نے اپنی پوری طاقت استعمال کرتے ہوئے چلا کر کہا۔

''اچھا کیا کر لیں گی بھلا، مجھے روکیں گی رسی سے باندھ کر چارپائی پر ڈال دیں گی یا مجھے زنجیریں پہنا دیں گی برقعہ اوڑھا دیں گی کیا کریں گی میرے ساتھ۔'' وہ واضح انداز میں ماں کا تمسخر اڑا رہا تھا۔

''یہ کروں گی۔'' وہ ایک دم اٹھیں اور اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔

''بہت بدتمیز بے ہودہ ہو گیا ہے تو، ماں سے بات کرنے کی تمیز نہیں رہی تجھے نا ہنجار دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے اس واہیات حلیے سمیت اور آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا ماں کا نافرمان تیرا دکھ رہ گیا تھا میرا کلیجہ چیرنے کو۔ دفع ہو جا یہاں سے۔'' انہوں نے

زور سے اسے دھکا دیا اور خود تخت پر گر گئیں۔

''ہونہہ'' کر کے وہ پاؤں پٹختا اندر چلا گیا۔ اماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور وہ دونوں بے بسی سے آنکھوں میں آنسو لیے اماں کو دیکھنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

چچا جان چہلم کے دن عین ظہر کے وقت آئے تھے حالانکہ پہلے انہوں نے بار بار فون پر بھی کہا کہ وہ دو تین دن پہلے آئیں گے اب موقع ایسا تھا کہ کوئی گلہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اماں نے ہمسائیوں کے ذریعے کھانا پکوا لیا تھا۔

''تمہاری چچی کو ٹائیفائیڈ ہو گیا ہے اور چھوٹی حمنی کو بھی بڑی مشکل سے یہ چند گھنٹے نکال کر آیا ہوں رات تک واپسی ہے کل صبح دونوں کے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر سے ٹائم لے کر رکھا ہے ڈیکسی نیشن ہو رہی ہے اینٹی بایوٹکس کی اس لیے'' چچا نے دیر سے آنے کی وجہ بھی بتا دی اور جلدی جانے کا ناگزیر عذر بھی بیان کیا کہ ختم کے بعد اماں انہیں رکنے کا بھی نہ کہہ سکیں۔

''پر اب کیا کروں میں وہ موا تو ٹل نہیں رہا اس ہفتے گھر خالی کرنا ہے۔'' اماں خواتین کے بیچ سے اٹھ کر چچا کے پاس آئیں انہیں پتا تھا چچا اب رکیں گے نہیں عدت کی وجہ سے وہ چچا سے بھی پردہ کر کے ہی بات کرتی تھیں۔

''ابھی ملا ہے مجھے بات ہوئی ہے میری اس سے وہ کہہ رہا تھا کہ پندرہ دن ٹھہر جاتا ہوں مگر سامان وہ پرسوں ہی لے آئے گا۔ آپ لوگ اپنا سارا سامان ایک کمرے میں کر کے تالا لگا دیں تا کہ وہ اپنا سامان لے آئے اب خالی تو کرنا ہے چند دنوں پہلے کیا بعد کیا اور......یہ میں لے کر آیا تھا فی الحال یہ دو مہینے کا کرایہ تو اسے ادا کریں تین ماہ کی مہلت لے لیں گے تھوڑی دیر میں آتا ہو گا میرے سامنے آ گیا تو میں دے دوں گا نہیں تو آپ اسے دیجیے گا۔'' چچا جان دس نیلے نوٹ اماں کو تھمائے اس دوران عورتیں اٹھ کر سلام دعا کرتی رخصت ہوئیں تو صبوحی اور صبا کمرے کے فرش سے چاندنیاں اور سامان اٹھانے لگیں۔

''جو سامان لے آئے گا وہ پھر رکے گا تھوڑی، بال بچوں کو بھی اگلے روز لے آئے گا اور یہ تو کوئی طریقہ نہیں میری بھی جوان بچیاں ہیں اس کے دو جوان بیٹے ہیں۔'' اماں فکر مندی سے بولیں۔

''مونس پلاٹ کا کچھ کر جاتے جیسے تیسے......اور کچھ نہیں تو اس کے گرد ہمیں چار

دیواری ہی کروا دو وہیں جا کر سر چھپالیں‘‘ کہتے ہوئے پھر سے اماں کا ضبط جواب دینے لگا۔

’’چار دیواری کرنا کوئی آسان ہے پھر چھت بھی تو ہوگی آپ فکر نہ کریں ایک پارٹی سے میری بات چیت چل رہی ہے انشاء اللہ ہفتہ دس دن میں سب طے ہو جائے گا اور پراپرٹی ڈیلر مجھے بتا رہا تھا کہ ہمارے مطلب کا ایک گھر بھی نکل آیا ہے تھوڑا علاقہ پسماندہ ہے اسی لئے مناسب قیمت میں مل جائے گا اور کچھ رقم بنک میں اٹھا رکھیں فکس کروا لیں تو تھوڑا بہت منافع آتا رہے گا بس آپ مجھے ایک ہفتے کی اور مہلت دیں بس ذرا آپ کی بھابی ٹھیک ہو جائیں بس فوراً چل پڑوں گا وہاں سے۔‘‘ انہوں نے دلاسا دیا۔

’’عامر کہہ رہا تھا کہ میں اپنے کاغذات دے دوں وہ اپنے جاننے والوں سے بات کرے گا پلاٹ جلد بھی بکوا دے گا۔‘‘ اماں کے منہ سے نکلا۔

’’ٹھیک ہے پھر اس کو دے دیں سارا کچھ اچھی بات ہے ایسے کام میں تو یوں بھی بندے کو ایمان کی صحت کا کھٹکا لگا رہتا ہے آپ نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا چلتا ہوں۔‘‘

انہوں نے تو پل بھر میں ماتھے پر آنکھیں رکھ کر اجازت چاہی تو اماں ہکا بکا سی رہ گئیں۔

’’نن.....نہیں میرا مطلب تو یہ نہیں تھا میں تو ایک بات بتا رہی تھی ورنہ عامر تو بچہ ہے اسے ایسے معاملوں کی کیا خبر آپ بیٹھیں سہی کھانا کھا کر جایئے گا۔‘‘ اماں بوکھلا کر اٹھتے ہوئے بولیں۔

’’نہیں بھابی مجھے دیر ہو جائے گی لیکن میں نے برا نہیں مانا اگر عامر کے پاس مناسب گاہک ہے تو اسے کہیں دیر نہ کریں ہمیں تو خود جلدی ہے بہتر ہے آپ پیپرز عامر کو.....‘‘ چچا جان کچھ جلے بھنے انداز میں کہہ رہے تھے۔

نن نہیں بالکل نہیں بھلا آپ کے ہوتے ہوئے میں عامر کو آگے کر سکتی ہوں اللہ کے بعد اب آپ ہی تو ہمارا سہارا ہیں بس ذرا جلدی آنے کی کوشش کیجیے گا جوان بچیوں کا ساتھ ہے دل پتے کی طرح لرز رہتا ہے ایسی بے اعتماد ہو گئی ہوں کہ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگی ہوں وہ بہشتی بھلا کب گھر میں بیٹھے رہتے ہیں ان کا ہونا ہی ہمارے لئے لوہے کے قلعے کے برابر تھا اور اب تو جیسے ریت کی بھربھری دیوار تلے آ بیٹھے ہیں ذرا تیز ہوا چلی تو اس آڑ سے بھی جائیں گے یہی دھڑکا ہر پل دل کو دھڑکائے رکھتا ہے عمر بھی ایسی ہے اب تو کوئی

صدمہ شاید ہی یہ دل سہے۔‘‘ اماں ہولے ہولے اپنے سینے کو سہلاتے ہوئے بولیں تو چچا کو جیسے ان پر ترس آ گیا اٹھ کھڑے ہوئے۔

’’آپ فکر نہ کریں مجھے خود بہت خیال ہے میں ذرا پراپرٹی ڈیلر کی طرف چکر لگا کر آتا ہوں اگر ہوا تو وہ جو گھر کہہ رہا تھا وہ بھی دیکھ آؤں گا واپسی گیارہ بجے والی گاڑی سے کر لوں گا گھر ہی تو جانا ہوگا‘‘ وہ کہہ کر باہر نکل گئے اور اماں جیسی بے اماں سی بیٹھی رہ گئیں۔

ابھی انہیں گئے چند منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ وہ الٹے قدموں اونچا اونچا بولتے لوٹ آئے تھے۔

’’یہ حال دیکھ رہی ہیں آپ اس نواب زادے کا گلی کے نکر پر بیٹھا لفنگے لڑکوں کے ساتھ بیٹھا یہ نشے والا سگریٹ پی رہا تھا اور حلیہ دیکھیں کان میں بالی بالوں میں پونی اور لڑکیوں جیسے نیل، بھابی آپ کی بینائی بھی کیا بھائی جان کے ساتھ رخصت ہو گئی حد ہے لاپروائی اور غفلت کی ایک بچے کو آپ نہ سنبھال سکیں سارا دن آنسوؤں اور آہوں کی مالا جپتی رہیں ایک نظر اس لاڈلے پر بھی ڈال لینی تھی۔‘‘ کہتے کہتے گدی سے پکڑے مونی کو انہوں نے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا وہ تیورا کر سامنے برآمدے کے ستون سے جا ٹکرایا تھا۔

اماں کے تو جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں مونی کے بدلے بدلے انداز تو کئی دنوں سے ان کی نگاہوں میں آ رہے تھے مگر وہ اتنا آگے نکل گیا ہے اس کا انہیں گمان تک نہ تھا۔

’’ہاں تو جو میرے جی میں آئے گا میں کروں گا آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے کس نے حق دیا ہے آپ کو مجھ پر ہاتھ اٹھانے کا اب اگر مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو میں بھی لحاظ نہیں کروں گا۔‘‘

’’منحنی سے مونی کے وجود میں ایسی بھاری کرخت آواز کب جاگی کسی کو پتا ہی نہیں چلا اس کی شعلہ بار نگاہیں اور ان میں تیرتی نفرت اور غصہ سب کو حیران ہی نہیں خوف زدہ کر رہا تھا۔

’’تو کیا کر لو گے، کیا کر لو گے تم ہاتھ اٹھاؤ گے باپ برابر چچا پر بول تیری اتنی جرأت ہو گئی اتنا جوان ہو گیا کہ تو ماں باپ پر ہاتھ اٹھائے۔ مونی میں تیرا گلا نہ گھونٹ دوں اس سے پہلے۔‘‘ اماں دیوانہ وار اسے پیٹ رہی تھیں۔

اس خسارے کا انہیں پل بھر کو بھی دھیان نہ آیا تھا۔

’’چھوڑیں مجھے، چھوڑیں مجھے، کچھ نہیں کیا میں نے ایک سگریٹ ہی تو پی ہے نا

کون سا شراب پی لی ہے اور اپنے پیسوں سے نہیں کسی سے لیکر میری تو اتنی اوقات نہیں کہ میں
اپنے لیے ایک سگریٹ خرید سکوں اور ماں باپ ہونہہ...... کس ماں باپ کے واسطے دیتی ہیں، کیا
دیا ہے ان ماں باپ نے ساری زندگی مجھے ترس ترس کر دال روٹی پیوند لگے کپڑے اور سال
خوردہ پرانے جوتے بچپن سے لے کر آج تک ہر ہر چھوٹی بڑی معمولی غیر معمولی خواہش کا گلا
گھونٹنا سکھایا ہے آپ نے اور کیا دیا ہے صبر کرو صبر کرو برداشت کرو حوصلہ کرو اور بس کیا دیا
آپ نے مجھے میرا ضبط، برداشت، صبر اور حوصلہ سب ختم ہو چکے ہیں یا شاید میرے اندر پیدا ہی
نہیں ہوئے تھے اب میں اپنی زندگی جیوں گا اپنی مرضی سے جیسے میرا دل چاہے گا اب کوئی
میرے رستے میں آیا تو میں ہر رشتہ بھلا دوں گا۔''

''وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہا تھا اس کی آواز میں شب برات کے پٹاخے بج رہے
تھے انہیں اس کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی اس کی پھٹی ہوئی آواز کا شور اور ہر چیز تہس نہس کر
دینے والا غصہ وہ چیختا چلاتا اندر کمرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈی لگا لی۔

اماں تو وہیں زمین پر دھڑام سے گر گئیں اور دونوں ہاتھوں میں سر لے کر سینہ کوبی
کرنے لگیں ان کے وحشت بھرے بین سن کر لگ رہا تھا کسی نے ابھی ابا کا جنازہ صحن میں لا کر
رکھ دیا ہے۔

''بھابی سنبھالیں خود کو پہلے بھی منع کر کے گیا تھا کہ اپنے غم کو قابو میں رکھیں اتنا رونا
دھونا کسی اور کم بختی کو نہ گھیر لائے دیکھا وہی ہوا نہ ہو گیا ایک اور ناقابل تلافی نقصان...... کاش
آپ دو ڈھائی ماہ پہلے آپ آنکھیں کھول لیتیں میں تو بھائی جان کی بیماری کے دوران اس
لڑکے کے تیور بھانپ رہا تھا، صرف وقت کی نزاکت کا خیال کر کے کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا اور کہتا
بھی تو کس نے سننا یا یقین کرنا تھا خیر اب بھی پلوں کے نیچے سے پانی نہیں نکلا میں اسے
سمجھانے کی کوشش کروں گا یوں بھی نیا نیا صدمہ سر پر پڑا ہے یتیمی کا احساس ہی بڑا ہوتا ہے کجا
ایسے حالات اور کچھ نئی نئی ملنے والی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا خیال بری صحبت کے
دوست اس کے دل میں ڈال رہے ہیں صبح مجھے نہ جانا ہوتا تو ضرور۔ بڑی غلطی کی
بھابی......'' وہ پشیمان سے لہجے میں بولتے بولتے رکے۔ اماں ان کا منہ دیکھنے لگیں۔

''ہم دکان نہ بیچتے اس کے اوپر بآسانی ایک کمرہ ڈالا جا سکتا تھا رہائش کا سلسلہ بھی
حل ہو جاتا اور روزگار بھی اسے میں مال ڈال کر دکان پر بٹھا دیتا تو خود بخود دماغ ٹھکانے پر

آ جاتا خود پیسہ کمانا پڑتا اور مختاری بھی مل جاتی تو اس کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہو جاتا
اب بھی آپ تھوڑی غلطی کر رہی ہیں کہ ہر معاملے میں اسے ہر مشورے میں شامل کیا کریں
احساس دلائیں اسے اس کی ذمہ داری کا۔''

''چچا جان ایک بات کہوں آپ سے بلکہ درخواست سمجھیں۔'' صبا چند لمحوں بعد بولی
تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''چچا آپ ایک ہفتے بعد واپس آئیں گے؟'' اس نے پوچھا تو انہوں نے اثبات
میں سر ہلا دیا۔

''چچا مونی کو بھی ایک ہفتہ اپنے ساتھ لے جائیں ذرا اس کی آب و ہوا تبدیل ہو
جائے گی کچھ فرسٹریشن کم ہو جائے گی۔'' صبا کی تجویز پر مونس آئیں بائیں شائیں کرتے فرار کا
راستہ ڈھونڈنے لگے۔

''کہاں جائیگا وہ میرے ساتھ یوں بھی میں تو ابھی تھوڑی دیر میں نکلنے والا ہوں۔''
وہ عجلت بھرے انداز میں بولے۔

''اماں منا لیں گی اسے اور آپ ہماری خاطر صبح چلے جائیں چچا جان میں چاہتی
ہوں مونی اس ماحول سے کچھ دنوں کے لیے دور چلا جائے۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔

''ہاں مونس بھائی اگر آپ مہربانی کریں تو۔'' اماں نے بھی لجاجت سے کہا تو وہ کچھ
سوچنے لگے۔

''جانا تو مجھے ابھی ہے گھنٹا دو گھنٹے میں۔ صبح سے پہلے مجھے پنڈی پہنچنا ہے آپ
اسے تیار کریں میں گھنٹا بھر میں پراپرٹی ڈیلر سے مل کر آتا ہوں۔'' وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر
اٹھے اور باہر نکل گئے۔

صبا نے اماں کو اٹھنے اور مونی کو منانے کا اشارہ کیا وہ ایک سرد آہ بھر کر اٹھیں۔
پھر جن جتنوں سے انہوں نے اس اڑیل ٹٹو کو منایا یہ ان کا جگر ہی جانتا تھا وہ تو جیسے
دم پر پاؤں نہیں رکھنے دے رہا تھا۔

''مونی تم ساتھ جاؤ گے تو چچا کو ہفتہ بھر بعد واپس لاؤ گے ورنہ وہ یونہی ٹال مٹول
کرتے رہیں گے پلیز مونی ہم سب کی خاطر بس گھر کا بندوبست ہو جائے پھر تمہیں کوئی کچھ نہ
کہے گا جو تمہارا دل چاہے کرنا بس اماں کا کہا مان جاؤ پلیز۔'' صبا اور صبوحی نے ہاتھ جوڑ کر اس

کی منت سماجت کی تو وہ سر جھٹک کر اچھا کہتے ہوئے کھڑا ہوا۔

''میرا اچھا بیٹا میری جان! ایک بات اور مان جاؤ ابھی سامنے فدا حسین نائی کی دکان کھلی ہے اللہ کے واسطے اپنے بال......''

''ہرگز نہیں۔'' اسے جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا تھا۔

''سارے نہیں کٹواؤ ہلکے کروا آؤ اٹھو تمہارے چچا آتے ہوں گے۔'' اماں ہاتھ پکڑ کر اسے بیرونی دروازے تک چھوڑ کر آئیں۔

''میرے مولا یہ دن بھی دکھانے تھے، کیسا سیدھا سادا بھولا بھالا تھا میرا بچہ چار چھ مہینے میں کیسے پر پرزے نکالے کہ ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ مونی کے ابا یہ ہاتھوں سے نکل گیا میں تو دن دہاڑے لٹ جاؤں گی پہلے ہی کنگال ہوئی پڑی ہوں اللہ رحم کر ہمارے اوپر۔''

اماں دروازے میں کھڑی اسے نائی کی دکان میں داخل ہوتے دیکھتی رہیں اور نم آنکھوں سے دعا کرتی رہیں۔

''بھابی جان گھر تو اچھا ہے دو کمرے نیچے ہیں اور اوپر ڈھائی مرلے کا گھر ہے ایک پورشن کرائے پر دے دیں تو دوسرے میں خود رہا جا سکتا ہے اور کرائے سے گزر اوقات بھی تھوڑی بہت نکل آئے گی بس اب یہ پلاٹ نکل جائے میں کہہ آیا ہوں اس کے ہفتے بھر کے دوران کوئی ذرا بھی مناسب گاہک ملتا ہے تو ڈن کر دے بس انشاء اللہ بھابی جان آٹھ دس دنوں کی بات ہے سب مسئلے حل ہو جائیں گے آپ دیکھیے گا۔''

چچا جان واپس آئے تو اچھے خاصے پر جوش تھے اور خوش بھی مونی کو مناسب ہیئر اسٹائل کے ساتھ آتے دیکھا تو اور بھی خوش ہو گئے۔

''چلیں بھابی ہمیں کھانا دیں ہم چچا بھتیجے تو کھانا کھا کے نکلنے کی کریں۔'' وہ ہاتھ منہ دھونے غسل خانے کی طرف بڑھے۔

''اور مونس بھائی صبا کے داخلے کے دن بھی قریب آتے جا رہے ہیں اس کے لیے بھی انتظام کرنا ہوگا۔'' جیسے ہی چچا کھانا کھا کر اٹھے اماں نے اچانک سے کہہ ڈالا صبا اور صبوحی تو حیران ہوئیں چچا بھی ٹھٹک سے گئے۔

بھابی جان آپ کو پتہ ہے میڈیکل میں داخلے کے لیے کتنی موٹی رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور صاف بات ہے میری اتنی پسلی نہیں کہ میں اپنی طرف سے کچھ کر سکتا، دوسرے

پلاٹ سے تو اتنا بمشکل ملے گا کہ گھر لے کر آئندہ کے چھ آٹھ ماہ کا خرچ نکل آئے کہ اس دوران روزگار کا کچھ اور بندوبست ہو سکے بہتر ہے صبا پرائیویٹ بی اے کرے اس میں کوئی قباحت نہیں آئندہ رشتہ ڈھونڈنے میں بھی آپ کسی مشکل میں نہ پڑیں گی، چلتے ہیں اب ہم، چلو مونی بیگ اٹھاؤ اپنا۔ اپنا خیال رکھیے گا بھابی جان اور بچیوں کا بھی یہ صبا نے تو یونہی ضد کی مونی کو ساتھ لے جانے کی ورنہ یہ ادھر رہتا مجھے بے فکری تھی کم از کم کوئی مرد تو گھر میں موجود رہتا پھر سودا سلف لانے کی دقت نہ ہوتی، چلو اللہ بہتر کرے گا اللہ حافظ۔'' وہ حسب عادت انہیں تسلیاں دیتے روانہ ہو گئے

اور صبا تو انہیں اللہ حافظ کہنے دروازے تک بھی نہ گئی۔

''وعدہ کرو میری صبا ڈاکٹر بنے گی نا ہارٹ سرجن ہے نا کیسی لگے گی صبا ڈاکٹر بن کر ہے نا مونی کی ماں۔'' ابا اس کے کانوں میں بولے جا رہے تھے اور اس کی آنکھیں ٹپ ٹپ موتی گرا رہی تھیں۔

''ابا ڈاکٹر بننا میرا جنون ہے۔''

''اور میری خواہش پر بیٹا خواہش کی تکمیل میں خود کو کبھی ہلکان نہ کرنا تم سے زیادہ کچھ بھی ضروری اور اہم نہیں تمہاری خواہش تمہارا جنون بھی نہیں۔'' ابا شاید اسے بہلا رہے تھے تسلی دے رہے تھے مگر اس وقت اس کے لاوے کی طرح پھوٹتے آنسو کسی بہلاوے کسی تسلی کو نہیں سن رہے تھے اس دن بڑے دنوں بعد وہ سر شام تو نہیں مگر گہری رات سے پہلے وہ اسٹور میں گھس کر سوتی بن گئی۔

اب تو وہ اسٹور میں آتی بھی نہیں تھی سارا گھر تو خالی پڑا تھا صبوحی اسے بلانے آئی اور وہ سوتی بن گئی۔ صبوحی کو پتہ تھا وہ رو رہی ہے وہ آہستہ سے باہر نکل آئی۔

وہ اس کی زندگی کی دوسری رات تھی جب وہ ساری رات نہیں سوئی بس روتی رہی پہلی رات کے آنسو اس نے کسی کے احساس میں بہائے تھے اور آج اپنی خواہش اپنی جنون کے چکنا چور ہونے پر برسائے تھے۔

دونوں معنوں میں فرق تھا۔

مگر آج کی رات جیسے دونوں غم مدغم ہو گئے۔

خواہش سے، جنون سے علیحدگی کا غم اور اس احساس سے جدائی کا غم جو عبیدالرحمان

کے دل میں اس رات سے اس کے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا۔

"صبا کیا تم بھی مادی چیزوں سے محبت کرتی ہو، اچھی صورتوں سے کیا تم بھی سب جیسی ہو......بولو صبا کیا تم بھی......" کوئی اس کے کانوں میں بول رہا تھا اور اس کے دل سے نکلنے والا لاوا اور بھی شدید ہو گیا "مجھے نہ اچھی صورت سے پیار ہے نہ بری صورت سے مجھے صرف اچھے دل سے پیار ہے ایسا دل جو دوسروں کی پروا کرے، دوسروں سے پیار کرے سنا تم نے......ہے تمہارے پاس ایسا دل......نہیں نا ہوتا تو تم میرا احساس کرتے یوں مجھے بیچ منجدھار چھوڑ کر غائب نہ ہو جاتے، نہیں ہے تمہارے پاس ایسا حساس دل......نہیں ہے مجھے تم سے پیار سنا تم نے۔" کسی اور بات کا غصہ کسی اور طرف نکل گیا۔

اسے خود بھی پتا نہیں چلا وہ کیا کہہ رہی ہے اور کیا سمجھ رہی ہے مگر اتنا وہ سمجھ گئی کہ اس کے دل میں عبیدالرحمان کی محبت نہ سہی کچھ ہونے کا احساس بیج سے نمو پا کر اب ایک پودا بن چکا ہے جسے اپنے دل سے نکال پھینکنا شاید اس کے بس میں نہیں۔ روتے روتے وہ بے چارگی سے سوچے گئی۔ وہ اپنی زندگی کی اس دوسری رات بالکل نہیں سو سکی تھی۔

☆ ☆ ☆

کسی نے دروازہ قیامت کی دھمک سے کھٹکھٹایا تھا۔

گھر کے در و دیوار ہل گئے تھے۔ اماں نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا صبوحی نے بھاگ کر پوچھے بغیر دروازہ کھول دیا۔

سامنے بڑے سے ٹرک میں سامان اوپر تک لدھا کھڑا تھا کہ پورے گھر کے دروازے اور دیواروں کو اس ٹرک نے ڈھانپ لیا تھا۔

"بہن جی آپ لوگ پردہ کر لیں ہم سامان لوڈ کرنے لگے ہیں کل تو آپ نے چلے ہی جانا ہے مالک مکان نے ہمیں بھی تنگ کیا ہوا تھا اس لیے سوچا سامان آج ہی شفٹ کر آتے ہیں ہم کل آجائیں گے آپ کا کچھ انتظام ہوا۔" وہ ایسے انجان بن کر پوچھ رہا تھا جیسے گھر ملنے کے باوجود وہ یہاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اماں ابھی کوئی جواب بھی نہ دے پائی تھیں کہ انہوں نے سامان اتار کر صحن میں بھرنا شروع کر دیا۔

اپنا سامان تو وہ ایک دن پہلے ہی سارا ایک کمرے میں اکٹھا کر چکی تھیں چچا جان سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا صبح مالک مکان کا پیغام انہیں ملا تھا کہ وہ شام کو سامان لے کر آئے گا انہوں نے

گھبرا کر دونوں دامادوں کو فون کر ڈالا کسی نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ کورٹ سے جا کر stay order لے آئیں مگر یہ مشورہ اتنی دیر سے ملا کہ اب اس پر عمل درآمد بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

اور جب مالک مکان کے جوان ہٹے کٹے بیٹے سامان اٹھا اٹھا کر کمروں میں رکھنے لگے تو جیسے ان کی برداشت ختم ہو گئی۔

"یہ کیا تماشا ہے آپ لوگوں میں کوئی احساس شرم ہے باقی، بچوں والا گھر ہے اور یوں دندناتے ہوئے چلے آ رہے ہیں جیسے گھر نہیں سڑک ہو۔" وہ بے قابو ہو کر چیخی تھیں۔ صبا اور صبوحی چادروں میں منہ لپیٹے انہیں روکتی رہ گئیں۔

"بی بی ہمارا گھر ہے یہ تمہارے باپ کا نہیں ہماری شرافت کا ناجائزہ فائدہ تو تم لوگ اٹھا رہے ہو حد ہے ڈھٹائی اور بے شرمی کی بھی مہینوں سے کہہ رہے ہیں کہ گھر خالی کر دو ایک تو چار ماہ کا کرایہ مارے بیٹھی ہے بڑھیا دوسرے ہنگامہ کر رہی ہے اب تو ہم گھر میں آگئے نکال سکتی ہو تو نکال دیکھو ہماری شرافت دیکھ لی اب اپنی شرم وحیا بھی دیکھ لو جوان بچیاں کم سے کم تم سے تو اچھی ہیں جو یوں واویلا نہیں کر رہیں ورنہ......"

سامان سارا اتر چکا تھا ٹرک کا ڈرائیور اور مزدور جا چکے تھے یہ تینوں نوجوان رہ گئے تھے۔ اماں کے واویلے پر ان کے تیور ان کے انداز ہی بدل گئے پیچھے کھڑے تیسرے نے الٹے قدموں مڑ کر بیرونی دروازہ بند کر دیا۔

"یوں بھی جب ایک ہی گھر میں رہنا ہے تو بندہ مل جل کر رہے پیار و محبت سے جب اتنی قربت ہو گی تو پیار و محبت خود بخود ہو جائے گا کیوں بے بی۔" ان میں سے ایک صبوحی کے بے حد قریب اس کے ماتھے سے بالوں کی لٹ کھینچ کر بولا تو پیچھے ہٹتے ہوئے صبوحی کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی تھی اس کے ساتھ ہی......وہ صبوحی کو گھسیٹتے ہوئے پیچھے کمرے میں لے گیا۔

☆ ☆ ☆

"کھانا تو ٹھیک سے کھائیں۔" انجی نے ان تینوں کو دو دو نوالے لے کر پیچھے ہٹتے دیکھ کر کہا۔

"بس بھوک نہیں۔" اماں نے جیسے ہوکا بھرا، صبوحی نے تو دو نوالے بھی نہیں لیے تھے خوف و دہشت سے ابھی تک اس کا رنگ اڑا ہوا تھا جیسے دھلا ہوا لٹھا۔

"غضب خدا کا کیا اندھیر مچ گیا ہے۔" اماں نے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ٹھنڈی

سانس لے کر کہا۔

"اماں پہلی غلطی آپ کی ہے آپ کو اس مردود کو سامان لانے کی اجازت دینی ہی نہیں چاہیے تھی، صبوحی چلو اٹھ کر لیٹ جاؤ تم بھی، میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے پیار سے صبوحی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا غلطی کیسی اسے سامان لانے کے لیے بھلا میرا اجازت نامہ چاہیے تھا کیا! خود ہی ٹرک بھر کر ان مشٹنڈوں کے ہاتھ بھیج دیا میری تو یہ سوچ کر روح کانپے جا رہی ہے اگر عین ٹائم پر عامر نہ آ جاتا تو آج ہم کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہتے، واہ میرے مولا کیسے تخت سے تختہ کر ڈالا ہے اور منہ سے بھاپ نکالنے کا حکم نہیں۔" انہوں نے کنپٹیاں دباتے ہوئے آنکھیں بند کیں تو وہی وحشت بھرا خوفناک منظر ان کے چکراتے سر کو اور بھی چکرانے لگا۔

ان تینوں کی چیخوں سے در و دیوار تو کانپے ہی تھے دروازے پر ہونے والی قیامت خیز دھڑ دھڑاہٹ نے ان کے لرزتے کانپتے دلوں کو بھی دہلا دیا تھا۔

عامر کو رب تعالیٰ نے نجات کا فرشتہ بنا کر بھیجا تھا جو یونہی ان کی خبر گیری کو چلا آیا تھا۔

انہوں نے اس منظر کی وحشت سے گھبرا کر بے اختیار آنکھیں کھول دیں اور اپنی پائنتی سے سکڑی سمٹی صدیوں کی بیمار صبوحی کو کھینچ کر اپنے سینے میں سمو لیا۔

صبا ان کے دائیں جانب آ کر ہولے ہولے ان کا سر دبانے لگی۔

"کیسی دربدری ملی ہے اب تو ہی کرم کرنا گھر سے بے گھر ہو بیٹھے ہیں صحیح کہتے ہیں سیانے وقت سے ظالم کوئی شے نہیں، کیسے چند مہینوں میں اس ظالم وقت نے ہماری زندگیوں کی شکل ہی بدل دی ہے آج دوسروں کے در پر آ پڑی ہوں، تمہاری ساس کی کھوجتی نظریں اور سوال کرتی زبان جو بیٹی کی آبرو جیسی نازک شے کا معاملہ نہ ہوتا تو انجی خدا کی قسم آج جیسا ستم تقدیر نے ڈھایا تھا تمہاری ماں کی برداشت تحمل ضبط کا ہر بند ٹوٹ جانا تھا چیخ چیخ کر وہ واویلا کرنا تھا کہ ظالموں کو ایک بار اپنے ظلم پر آنسو بہانے ہی پڑتے، پر کیا کروں جگر کے ٹکڑے کی عزت و آبرو رستے میں کھڑی تھی اللہ جیسے آج تو نے حفاظت کی میری بچی کی چادر کھسکنے نہ دی ورنہ میں کمزور بے ہمت کس قابل ہوں، میری دونوں بچیوں کی آبرو کی حفاظت رکھنا تجھ سے بڑھ کر کوئی نگہبان نہیں، رکھوالا نہیں۔" اماں آنسوؤں کی جھڑی کے ساتھ ان دونوں کو اپنے بازوؤں میں زیر لب کہہ رہی تھیں۔

"اماں عامر کی امی کو کوئی شک تو نہیں ہوا پھر میری جیٹھانی شمع بھی تو وہیں تھی وہ تو ایسی جہاندیدہ ہے اڑتی چڑیا کے پر کترے اور یہ تو ایسی بات ہے جو ان کے علم میں آ گئی، اماں میں تو اپنی سسرال میں نظریں اٹھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔" انجی اٹھ کر ان کے پاس آ کر تشویشناک لہجے میں پوچھنے لگی۔

"میری تو زبان زیب نہیں دے سکتی تھی اپنی بربادی کی کہانی سنانے کو عامر نے ہمارے سامنے تو کچھ نہیں کہا ان کے سوالوں کو ٹال کر ہمیں لیے اوپر آ گیا بعد کا پتا نہیں۔" اماں اس کی تشویش کے جواب میں آہستہ سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"اور سامان اپنے گھر کا کدھر رکھ کر آئیں۔" انجی نے پھر ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"وہیں اسٹور میں پہلے کمرے میں رکھا تھا آتے ہوئے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کمرہ انہیں خالی چاہیے ورنہ وہ سامان بیچ کر اپنا نقصان پورا کر لیں گے اسٹور میں رکھ کر تالا لگا جاؤ ہفتے بھر بعد آ کر لے جانا بڑی عجلت اور جلدی میں ضروری سامان پتا نہیں کیا رکھا کیا نہیں، صبا کو ہی پتا ہو گا صبوحی تو بے ہوش ہی تھی۔"

اماں سر جھکائے کہہ رہی تھیں اور صبا کی نظروں کے سامنے ذلت کی ان گھڑیوں کی فلم چلنے لگی۔

اپنے گھر کا وہ پیارا سامان جنہیں وہ بہنیں آج تک باوا آدم کے زمانے کے برتن کہتی تھیں پلنگ بستر اور کاٹھ کباڑ ان گھڑیوں میں کیسے انمول پیارے اور نایاب لگ رہے تھے کہ جی چاہ رہا تھا ایک ایک کو اٹھا کر اپنے سینے میں چھپا لے ابا جس گلاس میں پانی پیا کرتے تھے ابا کی پیتل کی نقشین پلیٹ جو اماں کے جہیز کی خاص نشانی تھی ابا کو پلاسٹک کے برتنوں سے خاص چڑ تھی پیتل کا گلاس پیتل کی پلیٹیں اور کٹوریاں اماں کے جہیز کی وہ رنگین مدھانی جسے اماں نے اپنے ماں کے ہاتھوں کی نشانی گھر میں جوسر بلینڈر کے آ جانے کے باوجود جی جان سے لگا رکھی تھی ملتانی کھیس دریاں گل ٹیکس کی وہ گھسی پٹی اڑے رنگوں والی موٹی بیڈ شیٹس شنیل کی رضائیاں ابا کا دستی پنکھا اماں کے جہیز کا پاندان، جسے انہوں نے کبھی استعمال نہیں کیا تھا ابا کے کمرے میں کارنس پہ گلدانوں کے ساتھ سجا رکھا تھا۔ سردیوں کے کپڑے سویٹر، شالیں، مفلر ابا کے کوٹ جو اماں نے مونی کے لیے سنبھال لیے تھے صبا کو سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ کون سی چیز پھینکنے کے لائق ہے اور کون سی سنبھالنے کی۔ پہلے تو جی چاہتا تھا یہ کاٹھ کباڑ جب بھی موقع ملے کسی گلی میں جاتے کباڑیے کے ہاتھوں بیچ ڈالے اور آج وہ سب بڑی احتیاط اور دھیان سے عامر بھائی کی جلدی جلدی کے باوجود سنبھالتی گئی تھی۔

پتا نہیں دوبارہ اس گھر میں جانا سامان لانا نصیب بھی ہوتا ہے یا نہیں اسے اپنی کتابوں کا ذخیرہ یاد آنے لگا۔

''میں چائے بنالاؤں۔'' انجی نے ان تینوں کو گم صم بیٹھے دیکھ کر کہا اور اٹھنے لگی اس کے انداز میں کیا تھا کہ اماں نے آنکھوں میں صبا کو اشارہ کیا۔

''میں چائے بنالاتی ہوں انجی تم صرف مجھے بتادو چائے کی پتی اور سامان کہاں ہے کچن میں۔'' وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ انجی کی شادی کے بعد دوسری بار اس کے گھر آئی تھی اور اسے تو پتا بھی نہیں تھا کچن ہے کس طرف۔

''باہر نکل کر بائیں طرف ہے اور پہلے کیبنٹ میں ہی پتی پڑی ہے چینی بھی دودھ چولہے پر ہے اچھی سی چائے بنانا خود میرے سر میں بہت درد ہے۔'' انجی نے تکلف برطرف کرتے ہوئے فوراً کہہ ڈالا اسے بھی اندازہ تھا یہ مہمان ایک دو دن کے نہیں لگتے۔

عامر بھائی کچن میں تھے کھڑے کھڑے کچھ کھا رہے تھے۔

''آؤ آؤ صبا آجاؤ بھئی۔'' وہ فوراً اسے دیکھ کر خوش دلی سے بولے تو وہ کچھ جھجک سی گئی۔

''وہ عامر بھائی میں چائے بنانے آئی تھی آپ پئیں گے۔'' وہ جھجکتے ہوئے چولہے کی طرف ہوئی۔

''ہاں پی لوں گا یہ انجی کدھر ہے آتے ہی تمہیں کام سے لگا دیا۔''

وہ سالن کے ڈونگے میں بوٹیاں چن چن کر کھا رہے تھے اسے عجیب سا لگا۔

''ساس پین یہ ہے۔'' انہوں نے اسے یونہی کھڑے دیکھ کر سائیڈ سے اٹھا کر اس کی طرف کیا جسے اس نے کچھ شرمندہ سا ہو کر پکڑ لیا اور پانی لینے لگی۔

''میرا خیال ہے میں کل جا کر تم لوگوں کا ضروری سامان لے آتا ہوں ویسے اس سارے کاٹھ کباڑ میں کچھ ضروری تھا بھی صبا یا میرا پھیرا ضائع جائے۔'' وہ ہڈیاں ڈسٹ بن میں پھینکنے کے لیے ذرا سا جھکتے ہوئے اس کے ساتھ لگے تھے وہ تیزی سے چولہے کے اور

قریب ہوگئی ان کی بات اور حرکت دونوں ہی بہت اچانک تھے صبا کو فوری طور پر کوئی جواب نہیں سوجھا۔

''لگتا ہے تم نے مائنڈ کیا، میرا یہ مطلب نہیں تھا یہ لو پتی اور چینی۔'' انہوں نے کہتے ہوئے دونوں ڈبے نکال کر اسے تھمائے اور پکڑتے ہوئے پھر...... ان کی انگلیاں اس کے ہاتھوں کو چھو گئیں اس کے سارے بدن میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔

اس وقت عامر بھائی کی امی ہانپتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئیں ان کے سانس کے تیز تیز چلنے اور بولنے کی آواز پر عامر بھائی دروازے کی طرف بڑھے۔

''صبا میری چائے بھی اندر ہی لے آنا۔'' وہ لاتعلق سے انداز میں کہتے ہوئے باہر نکل گئے تو جیسے اس کے لیے فکر و اندیشے کا نیا در وا کر گئے۔

''ابا آپ ہمیں لاوارث کیا کر گئے ہم تو جیسے راہ میں پڑا مال بن گئے ہیں ہر آتا جاتا چھو کر دیکھنے ٹٹولنے جانچنے پرکھنے نظریں گاڑنے کے بہانے ضرور چھو کر گزرتا ہے اور اماں ...... آپ ہمیں یہاں کس بھروسے کس امید کے سہارے اٹھا لائی ہیں ...... سائبان کی تلاش ...... اماں پتا نہیں زمانہ ہمارے ساتھ کیا کر ڈالے۔

''صرف ایک لمحے کی پکڑ......'' اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔

''اماں ایک لمحے کی پکڑ...... خالہ اماں اور عبید الرحمٰن کے بے آسرا بے ٹھکانہ ہونے پر جو رویہ آپ نے اختیار کیا اماں آپ کی تقدیر کو وہ اتنا پسند آیا کہ اس نے اس بدصورت رویے کو ہم سب کی تقدیر کا ان مٹ لکھا بنا دیا اماں یہ کیا کر ڈالا آپ نے ...... بددعائیں ضروری تو نہیں زبان سے دی جائیں یا لفظوں میں بولی جائیں، اماں ایک نظر آہ بھری، رشک بھری ایک نظر جوان دکھی دلوں نے جاتے لمحے آپ کے بھرے پرے گھر پر ڈالی، اماں ہم اس ایک پل کی گرفت میں آئے ہیں اماں بڑی بری پکڑ ہوئی ہے ہماری اس ایک لمحے کے ہاتھوں کیسے تاوان ادا کریں گے ہم کیسے ...... بھیڑوں اور لٹیروں کے نرغے میں آگئے ہیں اور بچنے کی صورت کوئی نہیں، اماں کفارے کا بندوبست کریں اللہ کے لیے تاوان کی کوئی صورت سوچیں ورنہ ......ورنہ۔'' اس نے سر پتھر کی سلیب پر پٹخ دیا ساس پین میں کھولتا پانی شوں شوں کر رہا تھا اور وہ جیسے اردگرد سے بے خبر اپنی کھولن میں کھول رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آنٹی آپ بالکل پریشان نہ ہوں اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھیں اس بدمعاش مالک مکان سے تو میں سمجھ لوں گا جو اس کے گھٹیا بیٹوں نے حرکت کی ہے۔" عامر بھائی اماں کو تسلیاں دے رہے تھے۔

"تم کیا کرو گے اس کا گریبان پکڑو گے جا کر، آج کل کا کون سا زمانہ ہے یوں ہاتھا پائی کا جو ہو گیا دفع کرو ایسے بے حیاؤں کو تو اپنی عزت کا خیال نہیں ہوتا تم کیاں گند میں ہاتھ ڈال کر اپنی عزت خراب کرو گے باقی تمہاری یہ بات صحیح ہے کہ یہ اس گھر کو اپنا ہی سمجھیں بیٹی کا گھر بھی تو اپنا ہی ہوتا ہے پرانے زمانے میں لوگ بیٹیوں کے گھر رہنا تو کجا وہاں کا پانی پینا بھی اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے پر وہ سب جہالت اور فضول غیرت کی باتیں ہوتی تھیں اب تو یہ نہ وہ پہلے جیسے لوگ رہے نہ ان کی باتیں اور نہ یہ جاہلانہ رسم و رواج نئے وقت کے نئے تقاضے نئی رسمیں، اب تو بھئی بیٹے بیٹی میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا پہلے بیٹی ہوتی تھی لوگوں کے گھر میں جیسے صف ماتم بچھ جاتی تھی پر اب تو بیٹے بیٹی کی پیدائش پر برابر خوشیاں منائی جاتی ہیں لوگ بیٹیوں کو بیٹوں سے بڑھ کر تعلیم دلوا رہے ہیں اب بھلا کیا فرق رہ گیا بیٹی ہو یا بیٹے کا گھر لڑکیاں بھی کما رہی ہیں لڑکے بھی۔ دن رات کا فرق مٹ گیا اچھائی برائی اور بدی نیکی سمجھی جانے لگی ہاں بھئی قرب قیامت ہے ہر بات اُلٹ ہو کر بھی درست سمجھی جانے لگی ہے، ہاں بہن ہم لوگ اچھے وقتوں میں جی لیے آج کل کے زمانے سے اللہ کی پناہ۔"

انجی کی ساس بولنے پہ آئیں تو بولتی چلی گئیں انہوں نے کیا کیا نہیں کہہ ڈالا وہ بھی جسے انہیں چند گھنٹوں یا چند دنوں بعد کہنا تھا پہلی ہی نشست میں کہہ گئیں۔ اماں کا جھکا سر تو جھکا ہی تھا انجی اور عامر بھائی بھی کھسیاہٹ میں پہلو بدلنے لگے۔ ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے۔

وقت کیسے ہاتھ بھر بھر کر طمانچے لگا رہا تھا اور وہ منہ آگے کیے یہ تھپڑ کھانے پر مجبور تھے۔ وہ کچھ دیر اور بیٹھیں ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں جن کا لب لباب بھی یہی تھا کہ انسان کو برے دنوں کے لیے بھی کچھ بچا کر رکھنا چاہیے جو آڑے وقت میں اور کچھ نہیں تو اس کے سر کی چادر تو بن سکے۔

"میری مثال لے لو بہن مرد کے بغیر زندگی گزاری بیوہ کیا ہوئی قدرت نے جیسے ان چاروں بچوں کا مجھے باپ ہی بنا ڈالا نہ کوئی ڈگری نہ کوئی ہنر ہاتھ میں آپ لوگوں سے بھی برے دن دیکھے پر اللہ کا شکر ہے اس نے دکھ بڑا دیا تو...... سمجھ بھی دی جو تھوڑی بہت زمین تھی

اسی پر یہ دو دکانیں اور چار چوبارے ڈال کر کرائے پر دیے اور آخر آدھی زندگی ایک کمرے میں گزار کر ان بچوں کو پیروں پہ کھڑے ہونے کے قابل کیا آج الحمدللہ ہزاروں لاکھوں سے اچھے ہیں بس اللہ برا وقت ڈالے تو جھیلنے کا حوصلہ ہمت بھی دے......"

ان کا لیکچر تمام ہی نہیں ہو رہا تھا انجی نے اٹھ کر چائے کے برتن سمیٹے اور صبا کو اشارہ کرتی باہر نکل آئی۔

"غلطی کی اماں نے ادھر آ کر، کہتی بھی رہی ہوں میری ساس جیسی دو مونہی عورت بھی کہیں ہو گی پل میں نیک اور ہمدرد اور دوسرے پل ظالم سنگدل اور طعن باز، لگی لپٹی رکھے بغیر مخمل میں جوتی مارنے والی۔ بندہ چند گھنٹے تو صبر کر لیتا ہے اچھی تسلی دینے آئی ہیں اگلے کا کلیجہ چھلنی کرنے، پہلے اماں اتنی دکھی بیٹھی ہیں یہ اور طعنے دے رہی ہیں جیسے ہم نے شوق سے یہ مصیبتیں اپنے گلے میں ڈالی ہیں بس اسی ڈر سے میں تم لوگوں کو ادھر لانے کے خلاف تھی۔"

وہ چائے کے برتن دھوتے ہوئے ہاتھوں کی رفتار سے زیادہ زبان چلا رہی تھی۔

پہلے تو صبا کے جی میں آئی دو چار ٹھیک ٹھاک سنا ڈالے مگر پھر اسے یاد آیا وہ کچھ بھی سنانے کی پوزیشن میں نہیں صرف سن سکتی ہے ہر کڑوی کسیلی ناپسندیدہ ناگوار بات میٹھی گولی کی طرح وہ، آنکھوں سے چشمہ اتار کر دوپٹے کے پلو سے صاف کرنے لگی۔

انجی کی ساس کے سیڑھیاں اترنے کی آواز آئی تو انجی نے وہیں ٹونٹی بند کر دی۔

"آجاؤ اندر چل کر بیٹھیں اماں سے رات کو پکانے کے لیے پوچھوں۔"

وہ آدھے دھوئے گندے برتن یونہی چھوڑ کر اندر آ گئی۔

"آنٹی جی آپ صبح مجھے پلاٹ کے پیپرز دیں میں انشاء اللہ ہفتہ بھر کے اندر سودا کر کے آپ کو چھوٹا موٹا گھر دیکھ دوں گا آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں میرے کئی دوست ہیں جو اسٹیٹ ایڈوائزر ہیں آپ بالکل فکر نہ کریں۔" عامر بھائی کا جوشیلا انداز پتا نہیں صبا کے اندر کیسی گھنٹیاں بجا رہا تھا۔

عامر بھائی پہلے بھی ان کے گھر آتے رہے گھنٹوں بیٹھے رہتے مگر شاذ ہی انہوں نے ایک دومنٹ لگا تار ایسی خوش اخلاقی سے کبھی بات کی ہو وہ اسے خاصے کم گو بے نیاز سے اور لیے دیئے رہنے والے شخص لگے تھے مگر ابا کے انتقال کے بعد اور پھر آج صبح ہونے والے واقعہ کے بعد وہ اسے یکسر بدلے ہوئے انسان دکھائی دے رہے تھے......کیسے؟

''اچھے! برے! اس کا دل فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

''جی اماں عامر بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ صبح ہی انہیں کاغذ دے دیں اب ہمارے سوا آپ کا ہے کون؟ مونس چچا تو جان چھڑا کر بے گانوں کی طرح پنڈی بھاگ لیے۔ کتنی ابا نے اپنے بھائی بہن کے لیے جان ماری کی ساری زندگی ہماری ضرورتوں کے آگے ان کی خواہشات کو ہمیشہ فوقیت دی اور آج کیسے سختی کے وقت میں چھوڑ کر چلے گئے چلو اللہ مالک ہے اب آپ بالکل ٹینشن نہ لیں عامر کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔''

انجی اماں کے کندھے دباتے ہوئے یہاں آنے کے بعد پہلی بار قدرے محبت اور فکرمندی سے کہنے لگی۔

اور صبا کے اندر اس کے اس نرم لہجے پر بھی گھنٹی سی بج اٹھی وہ سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگی۔

''لگتا ہے میرا دماغ خراب ہوگیا ہے ہر ایک پر شک کرنے لگی ہوں بہن اور بہنوئی پر بھی، حد ہے اور بھلا اماں ہمیں لے کر کہاں جائیں ان کے سوا واقعی اس وقت اور ہے ہی کون'' وہ اپنی سکس سینس کو جھڑکنے لگی۔

اور یہ بھی سچ تھا کہ اس کی سکس سینس نے ہمیشہ خطرے کے وقت بالکل درست ٹائم پر گھنٹی بجائی تھی۔

بچپن سے لے کر آج تک وہ اس **acurate six sense** کے باعث بہت سی ناخوشگوار سزاؤں سے بچی تھی۔

اس کے بعد بھی کئی الارمنگ سسٹم نے اس کی مدد کی تھی۔ خالہ اماں کی آمد اور ان کی خاموشی نے پھر ابا کی بیماری کے پہلے دن سے وہ اس جانکاہ لمحے سے باخبر ہو چکی تھی جو چند ماہ بعد وقوع پزیر ہو کر رہا۔

اور اب...... آج کل تو جیسے، خبردار آگے گڑھا ہے وہ کھائی ہے کنواں ہے...... اس کے اندر جیسے بڑے بڑے لاؤڈ اسپیکر چیخنے لگے تھے پر وہ کیا کرتی آگے ہی نہیں پیچھے بھی کنوئیں اور کھائیاں ہی تھیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا جو تم کہو، اللہ کے بعد اس وقت تم ہی لوگوں کا آسرا ہے صبح آفس جاتے ہوئے پیپرز لے جانا خوش رہو اللہ تمہیں اس نیکی کا اجر دے گا۔'' اماں نے صبوحی کا سر

تھپکتے ہوئے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا اور آنکھیں موند لیں۔

''ٹھیک ہے اماں آپ لوگ آرام کریں میں ذرا کھانے کا انتظام کرلوں صبا تم بھی لیٹ جاؤ، عامر آپ ذرا مجھے کچھ چیزیں لا دیں مارکیٹ سے۔'' انجی کہتے ہوئے شوہر کو ساتھ لے کر باہر نکل گئی۔

''صبا لیٹ جاؤ بیٹا اور لائٹ بند کردو آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔'' اماں شاید رونا چاہ رہی تھیں۔ اس نے لائٹ بند کردی اور آہستگی سے ان کے پیروں کے پاس لیٹ کر کچھ سوچنے لگی نیند تو اب رات کی بہت کم مہربان ہوتی تھی اس وقت سونے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

☆ ☆ ☆

''اماں ایک بات کہوں۔'' نیم تاریک کمرے میں لیٹی وہ کتنی دیر سے چھت کی کڑیاں گن رہی تھی اماں تسبیح ہاتھ میں لیے پتا نہیں پڑھ رہی تھیں یا یونہی کچھ سوچ رہی تھیں۔

اوپر والے چھوٹے کمرے میں انجی نے ان تینوں کے لیے دو پلنگ لگا دیے تھے یہ کمرہ پہلے اسٹور روم رہا ہوگا یا کسی مصرف کے بغیر، صفائی کرنے کے باوجود بساندسی اس کمرے سے آرہی تھی کمرے کی دونوں کھڑکیاں کھلی تھیں اور پنکھا بھی چل رہا تھا۔

وہ برسوں بعد اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور سو رہی تھیں تینوں کو ہی اجنبی بستر اور بے سائبانی کا کڑا سایہ جیسے ان کے سروں پر ننگی تلوار لیے کھڑا تھا اور جو کچھ آج ہوا یا اگر ہو جاتا ......ایک ہی وسوسہ نیند اڑانے کو کم نہ تھا۔

وہ پہلی بار ایسی کسی کڑیوں والی چھت کے نیچے سوئی تھی تین بار دونوں طرف سے ان کڑیوں کو گن چکی تھی۔

''کیا کہہ رہی تھیں تم۔'' باہر اندھیرا تھا چاند کی آخری تاریخیں تھیں ستاروں بھرا آسمان چاند کے بغیر کیسا ویران سا لگ رہا تھا اماں اس کی خاموشی سے اکتا کر بولیں۔

''اماں آپ واقعی پلاٹ کے پیپرز عامر بھائی کو دے دیں گی صبح۔'' وہ سوچ سوچ کر بولی۔

''ہاں تو اور کیا کروں خود تو ان کاموں کی رتی برابر سمجھ نہیں کہ خود سے کر لیتی اب کسی پر تو بھروسہ کرنا پڑے گا۔'' اماں متذبذب سے انداز میں بولیں گویا دل ان کا بھی گومگو ہی تھا۔

''اماں۔'' وہ اٹھی اور کھلے دروازے سے باہر جھانک کر واپس ان کے پلنگ پر آبیٹھی۔

"اماں تجربہ تو عامر بھائی کو بھی ان کاموں کا ذرا نہیں وہ اس وقت محض ہماری مدد کے جوش میں یہ سب کرنا چاہ رہے ہیں اور پراپرٹی کے معاملے آپ کو بھی معلوم ہے کتنے وقت طلب ہوتے ہیں اور عامر بھائی صبح کے آفس گئے رات کو لوٹتے ہیں تو ہمارا کام کس وقت کریں گے اگر خود نہیں کرتے اپنے کسی جاننے والے کے سپرد کر دیتے ہیں تو سوچیں وہ کس دردمندی سے اس کام میں دلچسپی لے گا۔" ادھر اس وقت کوئی بھی آنے والا نہیں تھا پھر بھی وہ خاصے محتاط انداز میں آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

"پھر کیا کریں؟" اماں بھی تکیے کے سہارے ذرا سا اٹھ کر بیٹھیں صبوحی دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پھر اماں چچا جان سنیں گے تو وہ الگ ناراض ہوں گے دیکھا تھا آپ نے پہلے محض عامر بھائی کا ذکر ہی کیا تھا کہ وہ غصے میں آگئے تھے جو بھی ہے ابا کی بیماری سے لے کر دکان بیچنے اور دوسرے کام دیکھنے کے سلسلے میں چچا جان نے جس طرح ہماری مدد کی ہے خیال رکھا ہے دل سے یا کوشش کی ہے اس کی تو آپ بھی گواہ ہیں ان کی ناراضی؟"

وہ چپ کر گئی تو کتنے لمحے اماں سے بھی بولا نہیں گیا۔

"کیا کریں گے پھر اب میں عامر کو کہہ بیٹھی ہوں۔" وہ بات گنوانے کے خیال سے پریشان ہو کر بولیں۔

"پھر اماں آپ کا عامر بھائی سے جو رشتہ ہے اس کے لحاظ سے اگر وہ دیر سویر کرتے ہیں تو آپ بار بار ان سے تقاضا یا تکرار نہیں کر سکتیں اور ہم زیادہ دن یہاں پڑے بھی نہیں رہ سکتے اور یہاں زیادہ دن ہمیں رہنا چاہیے بھی نہیں۔"

"اور کیا اماں میرا تو ادھر ابھی سے دم گھٹ رہا ہے پھر انجی کی ساس کی باتیں کیسے انہوں نے ہمارے منہ پر ہمیں شرمندہ کیا جیسے ہم جان بوجھ کر ان کے گھر آ بیٹھے ہیں اماں اگر کچھ نہیں ہونا تو صبح ہوتے ہی آپ خود مجھے یا صبا کو لے کر وہ جو پراپرٹی ڈیلر تھا چچا جان جس سے بات کر گئے تھے اس کے پاس جائیں جتنی جلدی ہو جائے اماں ہم یہاں سے نکل سکیں۔" صبوحی رندھی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے اماں کے دوسری جانب آلیٹی۔

"یہ سب اتنا آسان کب ہے میری بچیو پھر میں عدت میں ہوں یوں جگہ جگہ بے گھر ہو کر پھرنا میں تو ڈھنگ سے شوہر کی موت کا حق بھی ادا نہیں کر پا رہی میرے مالک مجھے

معاف کر دیجیو۔"

اماں نے ہوکا سا لیا۔

"اور تم دونوں کی باتیں بھی صحیح ہیں یہاں رہنا دشوار ہی نہیں شرمناک سا بھی ہے اور عامر کے ساتھ رشتے کی نزاکت اس کام سے اسے دور رکھنے کا اشارہ دے رہی تھی میں خود بھی سمجھتی ہوں مگر اس وقت چاروں اور جو اندھیرا سامنے ہے اس میں مجھے کچھ بھائی نہیں دیتا سوائے اس کے کہ کس طرح تم دونوں کو کسی محفوظ چار دیواری میں لے کر چھپ جاؤں اور اس کے لیے چاہے کوئی بھی مددگار بنے، مونس کی ناراضی کا مجھے بھی خیال ہے اور سچی بات ہے اس کی ناراضی کم نہیں کر سکتے وہ ہمارا اتنا خیال کرتا رہا ہے۔ ایسے کرتے ہیں صبح تمہارے چچا کو فون کرتی ہوں ساری دکھ بھری کتھا کہے سناتی ہوں منت کرتی ہوں جیسے تیسے بھی ہو کچھ دن نکال کر ہم دکھیاریوں کے لیے کچھ بندوبست کر جائے پھر چاہے ہم روکھی کھائیں یا فاقے کریں اسے تکلیف نہیں دیں گے۔"

"تو صبح عامر بھائی سے آپ کیا کہیں گی۔" صبوحی بولی۔

"کہہ دوں گی کہ کاغذ تو مونس کے پاس ہیں تم ویسے کسی ڈیلر سے کہہ دو اگر کوئی اچھا گاہک ملتا ہے تو تمہارے چچا کو فون کر کے پنڈی سے بلوا لیں گے۔" اماں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اماں ہم کہیں اور نہیں جا سکتے۔" صبوحی پھر بولی۔

"کہاں جائیں میری بچی ہوں لگتا ہے خدا کی خدائی تمہارے باپ کے جاتے ہی سکڑ گئی ہے اب باقی کا سب خیر خیریت سے ہو جائے اس کی تم دعا کرو۔" انہوں نے تسبیح والا ہاتھ اوپر کر کے تسبیح شروع کر دی۔

"اماں اگر بندے سے بھول چوک سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے۔

"صبا تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد بولی۔

"توبہ کرے کفارہ ادا کرے۔" اماں فکر بھرے لہجے میں بولیں۔

"اور انجانے میں کسی کا دل توڑ ڈالے آہوں اور امیدوں بھرے دل کو ٹھوکر لگا دے اور بعد میں اسے احساس ہو تو......" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"اللہ سے توبہ سے بڑا اور کوئی طریقہ نہیں۔" اماں اسی لہجے میں بولیں انہیں صبا

کے سوالوں کا سیاق وسباق کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ ان کے دماغ کی رسائی وہاں تک تھی نہیں جہاں سے وہ یہ سوال کر رہی تھی۔

''اور اماں اگر دل توڑنے والے کو احساس ہی نہ ہو کہ اس نے کیسا گناہ کر ڈالا ہے مسجد ڈھانے اور مندر گرانے سے بھی بڑا تو پھر؟'' وہ کہنی کے بل اونچی ہو کر اماں کے چہرے کے بالکل پاس ہو کر انہیں تکتے ہوئے بولی۔

''تو پھر جس کو بھی احساس ہو علم ہو اس بے خبرے کے حق میں دعا کرے کہ اللہ اسے اپنے گناہ کا علم اور اس کو توبہ کی توفیق دے ہم اور ہمارا دماغ تو وہی کچھ سوچتا ہے پر میرا مولا ہم سے غور کروانا چاہتا ہے ورنہ تو جسم و جاں کی طرح ہمارا دماغ بھی کب ہمارے بس میں ہے چلو اب سو جاؤ اور صبح جلدی اٹھ کر انجی کا ہاتھ بٹا دینا ورنہ اس کا یونہی پارہ ہائی ہو جاتا ہے چھوٹے دل کی مالک ہے غصہ جلدی آ جاتا ہے ورنہ دل کی اچھی ہے اور پھر ہمارے برے وقت میں کام آ رہی ہے۔''

''اماں ان دونوں کو کیا ہو گیا ہے شادی ایسی بری بلا ہے کہ انہیں ماں باپ کے دکھ اور پریشانیاں بھی بوجھ لگنے لگی ہیں کوئی جان بوجھ کر تو دکھوں کو دعوت دے کر گھر نہیں بلاتا پھر ان دونوں کا رویہ ایسا کیوں ہے؟'' صبا جو کئی دنوں سے خود ہی انجی اور افشی کے کھردرے رویوں کے بارے میں سوچ سوچ کر الجھ رہی تھی پوچھ بیٹھی۔

''بیٹیاں کب ماں باپ کا برا سوچتی ہیں ابھی بے چاریوں کے ہاتھ پیلے کیے چار دن نہیں ہوئے کہ میکے پر کیسی افتاد آن پڑی کہ میکا اٹھ کر ان کے دست نگر آ بیٹھا سسرال میں ہر لڑکی میکے کی شان کے قصیدے بیان کرنا چاہتی ہے یہاں ان کے ساتھ الٹا کام ہوا ہے اب بے چاریاں جھنجلائیں نہ تو اور کیا کریں پھر افشی اس حال میں ہے بجائے میکے اس کے آنے والے بچے کی آمد کی تیاریاں کریں وہ اپنے سوگ میں لگے ہیں دونوں کا رویہ بجا ہے خود ہی ٹھیک ہو جائیں گی وقت کے ساتھ، ایک بار ماں بن گئیں تو خود ہی ماں باپ کا ہر دکھ سمجھ میں آ جائے گا چھوڑو تم ان بے کار سوچوں کو اور اب سو جاؤ۔'' اماں نے کہتے ہوئے کروٹ لی تو وہ دونوں اٹھ کر اپنے پلنگ پر آ لیٹیں۔

''تو اس بے خبر کے حق میں دعا کرنی چاہیے کہ اسے اپنے گناہ اور اس سے توبہ کا احساس ہو۔'' بستر پر لیٹتے ہی صبا کے کانوں میں اماں کی بات کسی لہر کی طرح ابھری۔

''ہاں وہ بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور اس کا توبہ کا دروازہ کسی گھڑی بند نہیں ہوتا تو پھر میں کیوں مایوس ہوں اماں سے ہم سے کسی سے بھی جو ہوا بے خبری اور انجانے میں ہوا اور غلطی سے کیے گئے گناہ تو معافی کی بہت گنجائش رکھتے ہیں اماں میں ضرور دعا کروں گی آپ کے لیے اپنے لیے خالہ اماں اور...... عید کے لیے...... اللہ ہمارے کردہ ناکردہ گناہوں کی ایسی کڑی سزا نہ دے کہ ہم دوسروں کے در پر آن پڑیں وہ ہمیں اس گناہ کی معافی دے بخش دے ہمیں اور مجھے یقین ہے اماں آپ کی باتوں سے میرے دل کو یقین آ گیا ہے کہ اگر دل بھی درد آشنا ہے دکھ سے آگہی رکھتا ہے اور توبہ کی طرف اس کا دھیان ہے معافی کا طلب گار ہے تو اسے ضرور معافی ملتی ہے وہ ضرور بارگاہ ایزدی میں اپنی توبہ کو منوا کر رہتا ہے۔ آج اماں کے ساتھ تہجد کے وقت اٹھوں گی اور دعا کروں گی اماں کے دل کو اس گناہ کی خبر ہو یا نہ ہو میرے دل کو تو ہے اور میں اپنی، ہم سب کی تقدیر کو اس سخت لمحے کی گرفت سے آزاد کروا کے رہوں گی انشاء اللہ!'' جب تک اس کی آنکھیں بند ہوئیں اس کا دل پھول کی طرح ہلکا اور مسرور ہو چکا تھا بہت بڑا بہت بھاری بوجھ دل سے سرک چکا تھا مایوسی اور ناکامی کا بوجھ۔

☆ ☆ ☆

صبح عامر بھائی بہت خراب موڈ کے ساتھ آفس گئے انہوں نے اماں کی بات کو صاف بہانہ سمجھا تھا اور میاں کا خراب موڈ دیکھ کر انجی نے بھی اپنا موڈ خراب کر لیا وہ خواہ مخواہ ناشتے کے برتن کچن میں پٹخنے لگی۔ اماں نے بے بسی سے سر جھکا دیا۔

''لاؤ میں دھو لیتی ہوں۔'' صبا، انجی کے پاس جا کر بولی۔

''دھل چکے۔'' وہ رکھائی سے کہتے ہوئے ساس پین کو رگڑنے لگی صبا خاموشی سے باہر آ گئی۔

''انجی تمہارے چچا کو فون کرنا تھا پنڈی کہ وہ کاغذ بھجوا دیتے۔''

ناشتے کے برتن دھو کر انجی خراب موڈ کے ساتھ اندر آ کر بیٹھی تو اماں قدرے لجاجت سے بولیں اماں کے ایسے انداز پر صبا کو رونا آنے لگا اس نے کب اماں کا ایسا منکرانہ مزاج دیکھا تھا۔

''فون تو نیچے امی کے کمرے میں ہوتا ہے ہم سب وہیں سے فون کرتے ہیں اور آؤٹ اسٹیشن کے لیے کوڈ نمبر کا صرف میرے بڑے جیٹھ کو پتا ہے اور وہ تو اب رات کو نو دس

بجے آئیں گے۔" انجی رکھائی کے تمام ریکارڈ توڑتی ہوئی بولی۔

"اور موبائل فون عامر اپنے ساتھ لے گیا ہوگا" ایسے روکھے جواب پر بھی اماں نے ہمت نہ ہارتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے انہیں ضرورت ہوتی ہے۔" وہ اسی انداز میں بولی۔

"پھر اب کیا کریں۔" اماں نے انجی سے مایوس ہو کر ان دونوں کو دیکھا۔

"کوڈ نمبر کے علاوہ کال بھی تو بک کروائی جاسکتی ہے۔" صبوحی، انجی کا بے دید چہرہ دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی، انجی نے ایک تیکھی نظر اس پر ڈالی۔

"ہاں وہ کروا دیتی پر اس کے لیے بھی نیچے جانا پڑے گا اور اماں صاف بات مجھ میں تو ہمت نہیں اپنی ساس اور جیٹھانی کا سامنا کرنے اور ان کے فضول سوالوں کے جواب دینے کا۔ صبوحی کو نیچے بھجوا دیں وہ دو منٹ کی کال بک کروا کے چچا کو فون کر دے پھر خود ہمارے نمبر پر فون کریں گے ویسے اس وقت تو چچا جان مل گئے ہوں گے وہ کون سا گھر ملیں گے اور یہ آپ نے کیا کام کیا مونی کو ان کے ساتھ بھجوا کر اب وہ ہوتا ساتھ تو کم از کم کسی پی سی او سے جا کر فون کراتا آپ نے کام بھی بس ایسے کیے ہیں۔"

وہ آخری جملہ لبوں میں بڑبڑائی تو اماں چپ کر گئیں اور یہ بھی سچ تھا کہ نیچے جا کر اس کی ساس اور جیٹھانی کا سامنا کرنے کی ہمت ان میں بھی نہیں تھی۔

اس روز انجی نے سارا دن کوئی کام نہیں کیا صفائی والی آتی تھی اس دن وہ بھی نہیں آئی صبا اور صبوحی نے مل کر صفائی کی برتن دھوئے کھانا پکایا۔

ایک ہفتے کے کپڑے دونوں میاں بیوی کے جمع تھے انجی کے کہنے پر مشین لگائی۔

شام تک دونوں تھک کر چور ہو چکی تھیں رات کا کھانا بنا کر وہ کچن سے نکلیں تو انجی کی ساس کی الٹی سیدھی دل جلانے والی باتیں سن کر اوپر سے مسکراتیں اماں ان دونوں سے نظریں چرا گئیں۔

عامر آیا تو اس کا موڈ صبح کی طرح خراب تھا۔

اماں نے بلانے بات کرنے کی کوشش کی اس نے پھولے منہ سے ایک دو باتوں کا جواب دیا اور اٹھ کر اپنے بیڈروم میں جا کر ٹی وی لگا یا اماں نے انجی سے کہہ ڈالا۔

"تو اماں آپ نے بھی تو ان پر اعتبار نہیں کیا کیسی غیروں والی بے اعتباری دکھائی

ان کا ناراض ہونا بنتا ہے لوگ تو دامادوں کی خوشی کے لیے نہ جانے کیا کچھ کر گزرتے ہیں اور وہ بے چارے تو آپ کی مدد ہی کرنا چاہ رہے تھے کون سا کسی کمیشن کے چکر میں تھے خیر آپ دل پہ نہ لیں میں بات کرتی ان سے ...... اور اماں آپ تو سمجھ دار ہیں جانتی ہیں اس وقت میری سچویشن کو میں ان سے کوئی بھی بات زور دے کر نہیں کر سکتی آپ نے دوا لے لی۔"

وہ ایک جملہ دل دکھانے والا کرتی تو دوسرا پچکارنے والا صبا کو کبھی انجی پر غصہ آتا اور کبھی ترس شاید یہی کیفیت اماں کی بھی تھی۔ بس سر جھکا کر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ تین دن تک چچا جان سے بات ہی نہ کر سکیں اماں کے بار بار کہنے پر بالآخر انجی نے عامر کے موبائل سے ان کی بات کروادی۔

"اماں پلیز لمبی بات نہ کیجیے گا پہلے ہی ان کا بیلنس خاصا کم ہے خواہ مخواہ مجھ پر خفا ہوں گے۔" انجی نمبر ملا کر دیتے دیتے بھی ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔

اور اماں نے ایسے محتاط لہجے میں بات کی کہ چچا جان کو کچھ بتا ہی نہ سکیں بس ان سے یہی کہتی رہیں کہ وہ اس ہفتے آجائیں ایمرجنسی ہے اور اگر مونی کچھ سدھر گیا ہے تو اسے ابھی ادھر ہی رکھیں اور ہم انجی کی طرف ہیں اس لیے جلدی آنے کی کوشش کریں۔

"لیں اماں پورے اکیس روپے کی کال پڑ گئی حد ہے، کہا بھی تھا مختصر بات کریں اور میری بات لکھ لیں چچا جان ہفتہ تو کیا مہینہ بھر سے پہلے آنے والے نہیں۔ چچی جان انہیں آنے دیں گی تو پھر کی بات ہے اور یہ مونی بے وقوف اسے سدھرنا ہوتا تو باپ کی موت پر ہی سدھر جاتا اسے تو جیسے آزادی مل گئی آپ کے لاڈ پیار نے یہی کچھ کرنا تھا اب پتا نہیں اور کتنے دن لگیں گے۔" وہ آخر میں حسب عادت پھر سے بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اور اس کی بات بالکل سچ ثابت ہوئی۔

چچا جان ہفتہ پندرہ دن تو کیا مہینہ بھر میں بھی نہ آسکے مالک مکان نے آخری وارننگ نوٹس بھیج دیا کہ ہفتہ بھر کے اندر اگر اس کا قرض نہ لوٹایا گیا تو وہ اسٹور کا تالا توڑ کر سامان بیچ کر اپنا نقصان پورا کر لے گا۔

عامر بھائی نے طوطے کی طرح آنکھیں ماتھے پر سجالی تھیں اب تو ان کی والدہ بھی صاف لفظوں میں ان کے قیام کے دن پوچھنے لگی تھیں۔

"تنخواہ دار ہے میرا بیٹا کون سا بزنس مین ہے چلو جی سالوں کی مہمان داری نبھا لو تو

کوئی فرق نہیں پڑتا مجھے مہینے بعد ہزار مانچ سو دے دیتا ہے تھا اس بار اس سے بھی صاف جواب دے ڈالا کہ جی مہمانداری ہے، بھئی اچھی مہمان داری ہے جو تمام ہونے میں نہیں آرہی۔'' نچلی منزل سے ان کی خودکلامی اتنی بلند ضرور ہوتی تھی کہ وہ اوپر بیٹھی با آسانی سن لیں۔

شوہر اور ساس کی طرح انجی بھی ناک تک بے زار ہو چکی تھی۔

''سسرال کے بکھیڑوں سے بھاگ کر لڑکیاں میکے جاتی ہیں شوہر ذرا تیور بدلے فوراً میکے جانے کی دھمکی داغ دیتی ہیں ہمارے نصیبوں میں وہ ہتھیار بھی نہیں الٹا عمر بھر کے لیے طعنہ مل گیا میکے کو پالنے کا۔'' وہ جواباً کچن میں برتن پٹخنے لگتی۔

صبا اور صبوحی کا سارا دن کام کر کر کے الگ برا حال تھا اب تو اس کی ساس اور جیٹھانی بھی اپنے بے شمار ضروری غیر ضروری کام ان کو سونپنے لگی تھیں۔

کبھی پالک کا گٹھا دے جاتیں تو کبھی استری کا انبار کبھی کوئی قمیض ادھیڑنے والی تو کسی بیڈ شیٹ کی سلائی کرنی ہے انجی کی جیٹھانی کے دونوں بچے صبا سے پڑھنے آنے لگے ان دونوں کو تو اب اپنی ذلت اور غم منانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔

سارے دن کی مشقت کے بعد کھانا سامنے آتا تو نوالے حلق میں اٹکنے لگتے عامر بھائی کے جتانے والے انداز انہیں پانی پانی کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے۔

''اماں میرے ایگزام میں مہینہ بھر رہ گیا ہے پڑھنے کے لیے ایک لمحہ نہیں ملتا آخر ہم کب تک ادھر ہی پڑے رہیں گے بس چلیں اب یہاں سے میں اب ادھر ہی ایک دن نہیں رہوں گی دیکھیں میرے ہاتھوں کا حال۔'' صبوحی تو اس رات پھٹ ہی پڑی کام کر کے دونوں کے نرم و نازک ہاتھ کالی لکیروں سے بھر کر سخت ہو چلے تھے۔

''کیا کریں بتاؤ پھر؟'' اماں گہرا سانس لے کر بولیں۔

''اور اماں میرے ایڈمیشن کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے اماں پلیز۔'' وہ کہتے کہتے بھی چور سی بن گئی۔

''اگر ہم یہاں سے نکل بھی جائیں تو کہاں جائیں گے میرے پاس بمشکل ہزار پندرہ سو ہوں گے اور بس اس میں کیا ہوتا ہے؟''

''اماں چچا جان نہیں آئیں گے۔'' صبا بولی۔

''ہوں۔''

''ہم خود چلے جاتے ہیں پنڈی۔''

اماں نے اس کی بات پر پہلے حیران پھر پریشان نظروں سے اسے دیکھا کہ کیا جواب دیں۔

''میں عدت میں ہوں کیسے جا سکتی ہوں اور تم دونوں کو کیسے بھیج دوں۔''

''تو اماں ہم کیا اسی طرح بیٹھے رہیں اور آپ کو پتا ہے آج کل حالات کیسے ہیں ہم دیر کرتے جا رہے ہیں اگر پلاٹ پر کوئی اور قابض ہو گیا تو کیا ہوگا۔'' صبا کی بات پر وہ ہل کر رہ گئیں۔

''کیا کریں پھر، میری تو جیسے عقل ماؤف ہو گئی ہے۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''اماں میں شام کو چھوٹے نور کو لے کر کسی بہانے ...... کسی کتاب خریدنے کے بہانے باہر جا کر چچا کو فون کر آتی ہوں کیا خیال ہے؟''

''انجی کو یا عامر کو پتا چل گیا تو ناراض ہوں گے کہ گھر میں فون ہوتے باہر جا کر کرنے کی کیا ضرورت تھی غصہ ویسے بھی دونوں کی ناک پر دھرا رہتا ہے۔'' اماں فوراً بیٹی اور داماد کی ناراضی کے خوف سے بولیں۔

''ہاں جیسے وہ بڑا فون کو ہاتھ لگانے دیتے ہیں دس بار کہہ چکے ہیں اور یوں بن جاتے ہیں جیسے انجان ہوں آخر کچھ تو کرنا ہوگا نا۔''

''ہوں...... مونی کو بھیج کر واقعی غلطی کی، وہ ہوتا تو کسی ڈیلر سے ہی مل آتا یا...... پتا نہیں کس حال میں ہے ڈیڑھ ماہ ہونے کو آیا اس کی صورت دیکھے مونس نے فون پر بات تک نہیں کرائی کس کس دکھ کو روؤں۔''

اماں کا آخری بس آنسوؤں پر چلتا تھا۔

''بس کچھ سوچو میرا یہاں دم گھٹنے لگا ہے بس آج کل نکل چلیں یہاں سے۔'' اماں کے لیٹتے ہی صبوحی اسے چھت پر لا کر بے قراری سے بولی۔

''میں تم سے زیادہ تنگ ہوں پر کیا کریں۔'' وہ افسردگی سے بولی۔

''صبا اب ہمیں یہاں سے جلد از جلد چلے جانا چاہیے۔'' وہ چلتے چلتے رک گئی اور صبا کے ہاتھ بے قراری سے اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے۔'' صبوحی کے ہاتھ برف کی طرح سرد ہو رہے تھے اور آنکھیں

اور چہرے سے ہراس ٹپک رہا تھا۔

"صبا ہم لڑکیاں کتنی بے بس ہوتی ہیں اپنا...... اپنا تحفظ خود بھی نہیں کرسکتیں...... اللہ نے ہمیں اس قدر مجبور کیوں بنایا ہے۔" وہ ایک دم اس کے گلے لگ کر رو پڑی۔

"صبوحی کیا ہوا ہے بتاؤ پلیز کچھ تو۔" وہ اس کے رونے سے اور بھی پریشان ہوگئی۔

"صبا...... صبا عامر بھائی بالکل اچھے نہیں ہم یہاں کچھ دن اور رہے تو اماں کو دو نہیں تین بیٹیوں کے لیے رونا پڑے گا اللہ کے لیے اماں سے کہو یہاں سے چلیں ورنہ......"

وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی تھی اور صبا تو جیسے کھڑے کھڑے پتھر کی ہوچکی تھی جس وحشت نے اس کے دل کی دھڑکنوں اور تمام حواسوں کو تہ و بالا کر رکھا تھا اس وحشت نے صبوحی کو بھی گھیر لیا تھا۔

عامر بھائی کا یہ شیطانی روپ کون سا اس کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ ان کی گھر آمد پر وہ ہر صورت اماں کے ساتھ چمٹ کر بیٹھ جاتی تھی مگر وہ پھر بھی موقع نکال کر کوئی نہ کوئی گھٹیا حرکت کر جاتے کہ اس کا جی چاہتا اوپر چھت پر جا کر نیچے کود جائے۔

وہ اس وحشت کا اماں یا صبوحی سے ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی وہ پہلے ہی اتنی پریشان حال ہیں اور...... اور صبوحی بھی ان کی ہوس کی زد میں...... اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"صبا بولو کچھ تو کہو میں نہیں سہہ سکتی تھی آج...... آج تو انہوں نے۔" وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

"میں بتاؤں...... وہ بے ہنگم سانسوں میں بولی۔" اور اللہ تین تین بار کسی پر تقدیر کو مہربان نہیں کرتا...... میں مر جاؤں گی صبا اگر کچھ نہ کیا تو...... اللہ کی قسم میں اب چپ نہیں رہوں گی اس خبیث انسان کا بھانڈا چیخ چیخ کر سب کے بیچ پھوڑ دوں گی۔" وہ جیسے بے قابو سا ہو کر بولی۔

"چلو اماں سے بات کرتے ہیں طبعی سائنس کی مدد سے کوئی بھی انسان روٹی کے بغیر ہفتہ دو ہفتہ زندہ رہ سکتا ہے پانی کے بغیر پانچ دن یا ہفتہ بھر اور عزت کے بغیر شاید کوئی انسان لمحہ بھر بھی زندہ نہیں رہنا چاہے گا ہم روٹی اور پانی کے لیے اپنی عزت کا سودا نہیں کر سکتے...... اور بوقت ضرورت شرع میں بھی حرام کھانے کی اجازت ہے جب انسان کی جان داؤ پر لگی ہو...... اماں کی عدت ختم ہونے میں کچھ ہی دن ہیں اور دین میں جبر نہیں چلو۔" وہ پتا نہیں کس

سے مخاطب تھی کیا کہہ رہی تھی صبوحی سمجھی نہیں مگر اتنا وہ جان گئی کہ صبا اس کی درد آشنا ضرور ہے، وہ اماں کو یہاں سے چلنے پر مجبور کردے گی۔

وہ دونوں اندر کی طرف مڑیں اور ٹھٹک کر رک گئیں۔ اماں ان دونوں کے پیچھے کسی پتھر کے بت کی طرح ایستادہ تھیں۔

"اماں۔" صبا نے کسی خدشے کے تحت انہیں آہستگی سے پکارا کہ انہوں نے ان کی باتیں سن تو نہیں لیں۔

اماں نے دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ وہ دونوں دوڑ کر ان کی بانہوں میں سما گئیں۔

"واقعی میری بچیو دین میں جبر نہیں اور عزت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں۔" وہ منہ میں بڑبڑا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دروازہ چچا جان نے کھولا تھا۔

کچھ ایسے کہ انہیں اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر کتنی دیر تک وہ اپنا کھلا منہ بند کرنا اور انہیں دروازے سے ہٹ کر راستہ دینا بھول گئے۔

انہیں خجل سا ہو کر دوبارہ سلام کرنا پڑا۔

ایک تو لاہور سے پنڈی کا لمبا تھکا دینے والا سفر پھر ایسی حالت میں کہ جب آگے پیچھے ہی راستے بند ہونے کا احساس ہر لمحہ ستاتا ہو اور ویسے بھی انہیں کون سا اپنے پر جوش استقبال کا گمان تھا مگر اب ایسا سرد اور شرمندہ کر دینے والا ویلکم وہ بھی چچا جان کی طرف سے، پیچھے اگر ذرا بھی آسرا ہوتا تو شاید وہ دروازے ہی سے واپس مڑ جاتیں۔

"آ...... آپ...... آیئے...... بھابی جان کم سے کم ایک فون ہی کر دیتیں اطلاع دینے کے لیے میں...... لینے کے لیے آجاتا۔" میں ذہنی طور پر تیار ہو جاتا یہ تو وہ نہ کہہ سکے اور ان کا یہ سکتہ بھی چچی جان کی پکار پر ٹوٹا تھا ورنہ پتا نہیں اور کتنی دیر وہ اسی حالت میں کھڑے رہتے اور انہیں کھڑے رہنے کی سزا دیتے۔

"اتنے فون تو تمہیں کر چکی تھی پھر فون کون سا ہمارا اپنا تھا بیٹی کے گھر میں گن گن کر دن گزارے بار بار آپ کو یاد دہانی کراتی رہی ایک ایک دن کسی پہاڑ کی طرح کاٹا ہے اور آپ......" اماں بس رو ہی دینے کو تھیں۔ چچا جان نے کچھ شرمسار سا ہو کر بیگ اور اٹیچی صبا

سے لیے اور انہیں دروازے سے ہٹ کر راستہ دے دیا۔

”بتایا تو تھا فیکٹری میں کوئی کیس چل رہا تھا کسی کو بھی چھٹی نہیں مل رہی تھی بہت کوشش کی اپنی مجبوری بھی بتائی کیا کرتا ملازم ہی ہوں نا وہاں اور نوکر کا کیا زور ویسے میرا اگلے ہفتے تک آنے کا پروگرام تھا مجھے خود احساس تھا آپ کی حالت اور مجبوری کا، کیا کریں بھابی جان کبھی کبھی تو بندہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتا۔“

اب منہ کھلا رہنے اور جھٹکا لگنے کی باری چچی جان کی تھی۔

کھانے کی بجی سجائی میز پر بیٹھی وہ بن بلائے مہمانوں کو یوں اچانک دیکھ کر جتنا بھی حیران پریشان ہوتیں کم تھا۔

اماں معانقے کے لیے آگے بڑھیں تو انہوں نے بیٹھے بیٹھے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ اب کے شرمندہ اماں ہوئیں ان دونوں نے تو ہلکا سا سلام کر کے فرض نبھا دیا تھا اب تو لوگوں کے رویے دیکھ کر رونا آنے کی بجائے کوفت اور بے زاری ہونے لگی تھی۔

”سچ کہا ہے کسی نے بُرا وقت آئے تو بندے کا سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے پر اب ایسا بھی کیا ان سے بالکل اچھوتوں جیسا سلوک کیا جاتا disable persons جان کر معاشرے کا معطل حصہ سمجھ کر الگ کر دیا جاتا ہر کسی کا یہ امتیازی ذلت آمیز سلوک دیکھ دیکھ کر انہیں تو جیسے اب خود سے گھن آنے لگی تھی۔ چند ماہ میں لوگوں کے بدلے ہوئے رویے اور پے در پے مشکلات پر وہ کتنی دیر تک رو سکتی تھیں اب تو کوفت تھی غصہ اور بے زاری۔

”چچا جان ہم ذرا منہ ہاتھ دھو لیں اور سامان کدھر رکھیں، اماں آپ نے واش روم جانا تھا پہلے آپ جا کر ہو آئیں اتنا لمبا سفر تھا۔“ صبا نے جتانے والے انداز میں کہا اور اماں کا ہاتھ پکڑ کر کرسی سے اٹھانے لگی جو وہ چچی کے کہے بغیر خود ہی کھینچ کر بیٹھ گئی تھیں۔

”اب میں نے کوئی دس بندوں کی دعوت کا تو اہتمام کیا نہیں تھا گھر کے لیے پکایا تھا اب جا کر کچھ لے آئیں بازار سے ان کے کھانے کے لیے۔“ اس نے جاتے جاتے چچی کی بڑبڑاہٹ سن ہی لی اور حیرت انگیز بات اسے دُکھ ہوا نہ شرمندگی ......اس طرح کے جملے بلکہ اس سے کہیں زیادہ دکھ دینے والے منہ در منہ جملے تو وہ گزشتہ دو تین مہینوں سے سن رہی تھیں۔

”چچا جان مونی کہاں ہیں۔“ میز پر بیٹھ کر پہلا نوالہ توڑنا ان تینوں کے لیے مشکل ہو گیا تھا کچھ چچی کے غصیلے ناراض تیور اور کچھ ان کا بے تحاشا نظر انداز کرنے والا رویہ حالانکہ

چچی جان سے پہلے دن سے اماں کے ان سب کے بہت اچھے تعلقات رہے تھے۔

برا ہو اس غریبی کا جو اچھے بھلے انسانوں کو گھٹیا پن پر اترنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

مونی گھر میں کہیں بھی نہیں تھا اور یہ ابھی سونے کا ٹائم بھی نہیں تھا۔

”آتا ہی ہوگا۔ آپ لوگ کھانا کھائیں، چچا جان صاف نظریں چرا کر بولے تو ان تینوں کو ہی ان کے انداز کھٹک گئے۔

”ایک نئی صورت حال کے لیے تیار ہو جائیں اماں۔“ صبا نے پہلا لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے دکھ بھری نظر سے اماں کے اُترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

اماں کا بے ہنگم بے ڈول جسم کیسے ڈھلک گیا تھا۔ گردن کے پاس شانوں کی ہڈیاں کھلے کرتے میں کیسی ابھری ہوئی تھیں سرخ و سفید صحت مند چہرے کا چمکتا دمکتا گوشت مرجھا کر رخساروں اور جبڑوں کی ابھری ہوئی ہڈیوں پر پیلی چمڑی کی طرح چمٹا ہوا تھا اور بڑی بڑی سرمئی آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے مہینوں سے رنگے سرخ سنہری بال کالی سفید کھچڑی میں بدل چکے تھے۔

”اف اماں کتنی بوڑھی کتنی کمزور ہو گئی ہیں ان دو تین ماہ میں۔“

اسے لگا اس نے کئی مہینوں بعد اماں کو دیکھا ہے آہستہ آہستہ نوالے کو منہ میں ادھر ادھر پھراتیں یہ تو کوئی قابل رحم حالات کی ستائی اپنے ہونے پر شرمسار بوڑھی عورت لگ رہی تھی اماں تو نہیں تھیں جو ایسے گھن گرج سے بولتیں کہ گولے داغنے کا گمان ہوتا۔

”ابا یہ آپ کیا کر گئے ہمیں اپنی جدائی تو دے ہی گئے یہ دربدری اور یہ بوڑھی ماں ......ابا کس کس دکھ کو روئیں اور کب تک؟“ اس نے آنسو چھپاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

چچی جان نے بمشکل کھانے کے برتن سمیٹے اور اپنے بیڈ روم میں گم ہو گئیں بچوں کو انہوں نے پہلے ہی سونے کے لیے بھیج دیا تھا۔

”چچا جان آپ نے بتایا نہیں مونی کہاں ہے۔“ صبوحی نے ایک بار پھر ان سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں بھابی جان یہاں آتے ہی کوشش کی اسے کسی اکیڈمی کسی ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں ڈال دوں کوئی شاٹ کورس کر لے میٹرک میں نہ بھی نکل سکا تو کوئی اضافی سرٹیفکیٹ ہی ہاتھ میں لے لے مگر معاف کیجیے گا بھابی جان وہ لڑکا مکمل طور پر آپ کے ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے نشے کی اسے ایسی بری لت پڑی ہے کہ اس نے تو مجھے یہاں شرمندہ کر کے

رکھ دیا دو ایک بار مارا پیٹا تو الٹا میرے سامنے کھڑا ہو گیا اس نے تو گالی گلوچ کر کے میرا سر تو شرم سے نیچا کیا ہی یہاں ایک تماشا بنا دیا مجھے محلے والے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے اور آپ کی بھابی ...... کچھ نہ پوچھیے ...... پھر منتیں کیں نرمی پیار سے سمجھایا مرے ہوئے باپ کے واسطے دیے تو کچھ ڈھیلا پڑ گیا مگر وہ لت نہیں چھوڑی ......'' چچا جان بتاتے گئے اور وہ تینوں جیسے ہر ہر جملے پر کسی گہرے پاتال میں اترتی گئیں۔

''تت ......تو اب کہاں ہے۔'' اماں کی آنکھیں جیسے پھٹ پڑنے کو تھیں زرد رنگ اور بھی وحشت زدہ ہو گیا تھا۔

''یہیں ہے سارا دن خدا جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا ہے رات گئے آتا ہے پڑ کر سو رہتا ہے صبح کیا وہ دوپہر تک اس نشے میں دھت سچ پوچھیے میرے تو گھر کا ماحول خراب ہو گیا اس سے بچے کیا اثر لے رہے ہیں آپ بھی سمجھ سکتی ہیں آپ کی بھابی کا مزاج بھی اس لیے اکھڑا اکھڑا ہے اس نے صحیح معنوں میں ہمیں بہت ٹارچر کیا ہے ذہنی طور پر ......کئی بار پکڑ پکڑ کر لایا ہوں یہاں آ کر اس نے اپنے جیسے اپنی قماش کے دوست جانے کہاں سے ڈھونڈ لیے ہیں شروع میں کچھ خائف سا رہا اس دوران میں اس کا داخلہ کروایا کمپیوٹر کورس میں اور اس نے وہاں بھی میری رقم ضائع کر دی ایک دن گیا اور اسی دن نہ جانے کون سے بدمعاشوں کے ٹولے سے جا ملا اور بس ......''

''آپ نے اسے واپس ہی بھجوا دینا تھا۔'' اماں بے بسی سے بولیں۔

''کہاں کئی بار کہا کہ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں مگر آج کل آج کل کرتا مجھے ٹالے جا رہا ہے سچ پوچھیے تو بھابی جان آپ اب اس کے سدھرنے کا خیال دل سے نکال دیجیے۔''

انہوں نے مشورہ کیا دیا اماں کا دل جیسے مٹھی میں دبا لیا ہزار منتوں مرادوں آہوں امیدوں کے بعد چار بیٹیوں کے بعد کھلنے والے اس پھول کے لیے کیسے راتوں کو اٹھ اٹھ کر انہوں نے اللہ کے آگے ماتھا رگڑا تھا کیسے جھولی پھیلا پھیلا کر مانگا تھا اسے اور اب کیسے سنگ دلی سے مشورہ دیا جا رہا تھا کہ اسے مٹی میں مل جانے دیں کھو جانے دیں۔

اماں منہ کے آگے دوپٹا رکھ کر روتی ہوئی کمرے میں چلی گئیں تو چچا جان کو اپنے جملے کی ترشی کا احساس ہوا وہ اٹھ کر ان کے پیچھے چلے تو صبا اور صبوحی بھی اندر آ گئیں۔

''بھابی جان میرا یہ مطلب نہیں تھا اب بتائیں ان حالات میں میں اور کیا کہوں۔''

وہ جیسے معذرت خواہانہ انداز میں کمرے کے وسط میں کھڑے کہہ رہے تھے اماں نے دوپٹے سے اپنا چہرہ پونچھ ڈالا۔

''میں نے تو آپ کے ساتھ بھیجا تھا کہ ابھی نیا نیا بگڑا ہے ذرا باپ برابر چچا کا رعب ملے گا تو سدھر جائے گا مگر آپ نے تو ......'' وہ سسکیں۔

''بتا تو رہا ہوں بہتیری کوششیں کیں غصے سے رعب سے، پیار سے نرمی سے سمجھا کر دیکھا مگر وہ تو جیسے چکنا گھڑا ہی بن گیا ہے کچھ سنتا ہی نہیں تو اس پر اثر کیا ہونا ہے کسی بات کا۔'' وہ بے بسی سے بولے۔

''اسے کہیں نوکری ہی دلوا دینی تھی ......'' اماں رک رک کر بولیں تو صبا کا جیسے سانس سینے میں اٹک گیا۔

''کمال کرتی ہیں بھابی جان ایک میٹرک پاس کیا فیل ہی سمجھیں اسے نوکری کون دے گا بھلا آج کل ایم اے پاس جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں۔'' وہ سر ہلا کر جیسے اماں کی عقل پر افسوس کرتے ہوئے بولے تو صبا کی نظروں کے سامنے خالہ اماں کا بے بس روتا ہوا چہرہ آ گیا۔

''انیس بھائی عبید کو کہیں نوکری دلا دیں۔''

''لو حد کرتی ہیں آپا میٹرک کیا ایف اے وہ بھی آپ کے بقول پاس کہ فیل بھلا نوکری ملتی ہے ارے آج کل لوگ ڈگریاں لے کر پھر رہے ہیں روزگار نہیں اور آپ کہتی ہیں میٹرک پاس کو نوکری وہ بھی بے چارے انیس دلوا دیں جیسے خود کمشنر لگے ہیں۔'' اماں کا ٹھٹھا اس کے کانوں میں گونجا۔

''اور بھابی جان میں کون سا کوئی کمشنر لگا ہوں معمولی فیکٹری ملازم ہوں نا اس کو فیکٹری میں رکھوا کر اپنی نوکری داؤ پر لگانے والی بات ہے معاف کیجیے گا۔''

وقت نے کیسے کیسے چر کے سنبھال رکھے تھے ان کے لیے کاش اماں آپ کو کچھ یاد رہتا کچھ یاد ہوتا کاش اماں ہم دوسروں کی تضحیک اڑاتے وقت پل بھر کو سوچ لیں کل وقت کے ترکش سے یہی ہماری زبان کا نکلا تیر ہم پر بھی چل سکتا ہے کیسے ......وقت نے یہ نایاب قیمتی گھاؤ کسی امانت کی طرح ہمارے لیے سنبھال رکھے تھے کاش آپ ہم کسی کو زخم لگاتے ہوئے ذرا دیر کو تو سوچیں۔

چچا جان جا چکے تھے۔

صبوحی اسے بلا رہی تھی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"صبا اماں کا سر دبا دو میں ٹانگیں دبا رہی ہوں۔" وہ اس سے کہہ رہی تھی اماں سر پر آنکھوں پر دوپٹا لپیٹے بستر پر لیٹ چکی تھیں۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کا سر دبانے لگی۔

"میرے مولا ابھی اور کتنے دکھ دیکھنے کو باقی ہیں۔"

اس نے اماں کی سسکی سنی اور خود کو تسلی دینے سے بھی قاصر پایا اس کا دماغ تو جیسے کسی اور ہی منظر نامے میں کھویا ہوا تھا بڑے دنوں بعد دل کا یہ باب کھلا تھا۔

"اماں خالہ اماں جو انگوٹھی دے کر گئی تھیں وہ کدھر ہے۔" اچانک بے حد اچانک صبوحی نے پوچھا تھا جیسے اس نے صبا کے دل میں جھانک لیا تھا۔ اماں نے کوئی جواب نہیں دیا ان کے منہ سے ہلکے ہلکے خراٹے نکل رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں وہ دونوں بھی جلتی لائٹ میں اماں کے سرہانے اور پیروں میں گٹھڑیوں کی طرح سمٹی سو چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں شرم نہیں آئی ذرا بھی یہاں آ کر ایسی حرکتیں کرتے اچھا مرے ہوئے باپ کے نام کو بٹا لگا رہے ہو اس دن کے لیے جھولیاں پھیلا پھیلا کر اللہ سے بیٹا مانگا تھا میں نے، ارے تجھ جیسے بے شرم اور ڈھیٹ بیٹے سے اچھا تھا اللہ مجھے ایک اور بیٹی دے دیتا تیرا دکھ تو نہ میرے جی کو گھن کی طرح کھاتا شکل دیکھی ہے اپنی آئینے میں کیا حال بنا رکھا ہے۔" اماں کو مونی دوپہر کے کھانے کے بعد ہی مل سکا تھا۔ رات وہ اللہ جانے کس پہر آیا تھا کہ صبح آیا تھا اوپر والے اسٹور روم میں کاٹھ کباڑ کے بیچ میلے بستر پر ہاتھ پیر چھوڑ کر لیٹا صبا کو وہ اسی کاٹھ کباڑ کا کوئی حصہ معلوم ہوا تھا۔

اس کے میلے بستر کے سرہانے اور پیروں کے پاس چیونٹیوں کی لمبی قطاریں بڑے امن سے چل رہی تھیں اور اس کے پہلو کے نیچے اس میلے چیکٹ گدے کے نیچے گم ہو رہی تھیں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کے بیچ پلے ہوئے موٹے پیٹوں والے چیونٹے بھی تھے۔ صبا کو خوف سے جھرجھری سی آ گئی مکڑیوں کے جالے چھتوں کے کونوں سے لے کر پیٹیوں اور ٹرنکوں

کے کناروں سے لپٹے نیچے تک آ رہے تھے۔ موٹی موٹی مکڑیاں تیزی سے پتلی پتلی ٹانگیں چلاتی جال بننے میں مصروف تھیں مونی کی لمبی ٹانگیں موہری بند جینز سے نکلتی ہوئی ٹوٹی کرسیوں کے ڈھیر کے نیچے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ گرد اور مٹی کی دبیز تہیں جمی تھیں۔

"مونی مونی اٹھو...... اٹھو یہاں سے سارے میں چیونٹیاں چل رہی ہیں اٹھو ہوش کرو۔" وہ پاگلوں کی طرح اسے جھنجھوڑنے گئی تھی۔ یہ الگ بات کہ اس جھنجھوڑنے اور اس کے بعد کے کئی جھنجھوڑوں نے بھی اس پر کچھ اثر نہیں کیا تھا۔

وہ تین گھنٹوں بعد گرتا پڑتا ڈولتا سیڑھیاں اتر کر آیا تھا اور اس دوران صبا پیر جلی بلی کی طرح سیڑھیوں کے چار چکر لگا آئی تھی۔

"اماں سو بار اپنی صورت دیکھی ہے آئینے میں آپ مجھے لاہور سے یہ کہنے کے لیے آئی ہیں تو بتا رہا ہوں۔" وہ ایک لمبی جمائی لیتے ہوئے ان دونوں پر اچٹتی سی نگاہ ڈال کر اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

"اب کیا بے غیرتوں کی اور بے شرموں کی طرح ادھر ہی ہاتھ پیر توڑ کر پڑے رہو گے۔" اماں کا ضبط جواب دینے کو تھا چچی کے بگڑے موڈ کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ اسے پیٹ ہی ڈالتیں۔

"آپ نے خود ہی بھیجا تھا میں کب آ رہا تھا۔" وہ اسی ڈھیٹ پن سے بولا اماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"خدایا دربدری لکھی تھی نصیب میں یہ دکھ تو نہ لکھا ہوتا کس کو الزام دوں اپنی قسمت کو کہ اپنے اس خون کو۔" وہ اپنے پسندیدہ مشغلے میں گم ہو چکی تھیں۔

"مونی! تم سب کچھ دیکھ رہے ہو بتاؤ اب ہم کیا کریں گھر کا مسئلہ حل کریں کہ تمہیں راہ راست پر لانے کے جتن کریں بھائی تو ماں بہنوں کا سہارا بنتے ہیں تم الٹا ہمارے لیے طعنہ بن رہے ہو رات کو چچا جان کے سامنے اماں کس قدر شرمندہ ہوئیں اور ہم دونوں ...... اللہ کے لیے کچھ تو خیال کرو اس طرح ......" صبوحی اسے شاید غیرت دلانے کی کوشش کر رہی تھی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بس اسی لیکچر کے لیے یہ گٹھ جوڑ کر کے آئی ہو تو سنو میں نہ آوارہ ہوں نہ بدمعاش نہ لچا نہ لفنگا جو تم تینوں کے لیے میری بدمعاشی طعنہ بنے جو ایسا کہتا ہے بجائے اس کا منہ

توڑے سے الٹا اس کا ساتھ دیتی ہو تو میں کہاں سے تمہارا کچھ لگتا ہوں چچا کی باتوں سے تمہیں
شرمندگی ہوتی ہے تو مت سنو بلکہ اماں میں تو کہوں ایک مشورہ ہے میرا آپ کے لیے۔"
وہ آنکھوں میں چمک لیے اماں کی طرف مڑا۔

"وہ کہتے ہیں نا سیانے کہ بدچلن بگڑا ہوا بیٹا چھٹی انگلی کی طرح ہوتا ہے رکھو تو
عیب کاٹو تو درد آپ اتنے درد تو سہہ چکیں ایک اور درد سہی، کاٹ ڈالیں اس انگلی کو۔" وہ بے
دردی سے اماں کے بہتے آنسوؤں کا گویا مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔

"عاق نامہ چھپوا دیں اخبار میں اعلان لاتعلقی ناخلف بیٹے سے اور میں بھی آپ
سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا نہ آپ کو کسی کے آگے شرمندہ ہونا پڑے گا بس اس کے لیے آپ کو
کچھ قیمت ادا کرنا ہوگی بلکہ قیمت بھی کیا وہ تو میرا حق ہے جو آپ کی ان چار "والدین خور"
بیٹیوں سے زیادہ بنتا ہے ان کو پالو پوسو پڑھاؤ لکھاؤ پھر گھر بھر کر جہیز دو اور آخر میں وراثت
میں حصہ۔ مجھ پر تو آپ نے ان کے مقابلے میں سمجھیں ٹکا نہیں لگایا دونوں کو ٹھیک ٹھاک جہیز
بھی دے چکیں مجھے صرف اس پلاٹ کو بیچ کر آدھا حصہ چاہیے دکان بکوا کر تو آپ ان پر لگا
چکیں اس وقت تو میں چپ رہا مگر اب پلاٹ کی رقم کسی کو ہضم نہیں کرنے دوں گا اور کہتے ہیں
کہ حق اگر شرافت سے نہ ملے تو چھین لو اور اگر چھیننے پر غل غپاڑہ کیا جائے تو......"

اس نے بڑی بے خوفی اور دیدہ دلیری سے گلے پر چھری پھیرنے کا واضح اشارہ کیا
اور سر دھمکانے والے انداز میں ہلاتا باہر نکل گیا۔ اماں تو جیسے بیٹھے بیٹھے پتھر کی ہو چکی تھیں کچھ
ایسا ہی حال دونوں کا بھی تھا۔

چچا جان نے جو کچھ رات کو اس کے بارے میں بتایا تھا وہ تو عشر عشیر بھی نہیں تھا
جیسا حال انہوں نے اس کا دیکھا تھا۔ صبا کے دماغ میں بے اختیار آئے دن کی اخبار کی شہ
سرخیاں چکرانے لگیں۔ جائیداد کی خاطر بیٹے نے باپ کو ماں کو یا بہن کو بھائی کو قتل کر دیا اور وہ
ایسی خبر کو سرسری نظر سے بھی نہیں دیکھا کرتی تھی کیونکہ اسے یقین تھا ایسا ہو ہی نہیں سکتا کم از کم
کوئی بھی بیٹا چاہے وہ کتنا ہی ناخلف بدچلن بدکردار ہو آوارہ بدمعاش کیوں نہ ہو ماں یا باپ کو
قتل نہیں کر سکتا مگر آج اس لمحے...... اس کا جی چاہا صرف اس ایک لمحے میں ان تمام خبروں پر
یقین کرے...... اور اگر یقین کر لیتی ہے تو......

"ابا ابا آپ نے بہت اچھا کیا جو آپ مر گئے...... بہت اچھا یہ دن یہ لمحے دیکھنے

سے پہلے آپ اس دنیا سے اٹھ گئے۔......

یہ کیا کہہ کر گیا بیٹیاں والدین خور ہم ماں باپ کو کھاتی ہیں ہم بیٹیاں جنہیں رحمت
خداوندی کہا گیا ہم ماں باپ کو کھاتی ہیں...... نہیں یہ یہ اتنی کڑی سزا اس ظالم لمحے کی بددعا کا
نتیجہ نہیں ہو سکتی...... اماں نے اتنا برا کسی کا نہیں چاہا تھا کسی کا بھی نہیں۔" وہ اماں کے کندھے
پر سر رکھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کب نکلیں گے اماں ہم اس منحوس لمحے کے حصار سے کب
......؟" وہ روتے ہوئے دل میں دہرائے جا رہی تھی۔

"آپ کب چھٹی لے رہے ہیں۔" چار دن کے جان لیوا انتظار کے بعد اماں نے
خود ہی رات کے کھانے کے بعد جب چچی برتن سمیٹ کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ چچا
جان سے پوچھا تو وہ یوں چونکے جیسے کوئی انوکھی بات سن لی ہو۔

"کس لیے بھابی جان۔" وہ بھولپن سے بولے۔ صبوحی کچن میں برتن دھو رہی تھی
اور صبا ڈائننگ ٹیبل صاف کر رہی تھی۔

لاہور میں پلاٹ والا معاملہ دیکھنے کے لیے...... صبوحی کے امتحان سر پر ہیں اس کی
دو سال کی محنت ہے اور وہ تو ڈھنگ سے پڑھ بھی نہیں سکتی۔" اماں لجاجت بھرے لہجے میں
بولیں تو صبا نے ڈسٹر وہیں رکھ دیا۔

"چچا جان آپ دیکھ لیں اگر آپ وقت نکال سکتے ہیں تو...... ورنہ پلیز آپ صاف
بتا دیں ہم خود ہی جا کر کچھ کر لیں ادھر ہم کب تک پڑے مفت کی روٹیاں توڑتے رہے گے خواہ
مخواہ۔" وہ کبھی اس طرح اشتعال میں نہیں آئی تھی آج جانے کیوں اس کا ضبط جیسے جواب
دے گیا وہ بھی چچا جان کے سامنے جن کا وہ دل سے احترام کرتی تھی کبھی ان کے سامنے اونچی
آواز میں بات نہیں کی تھی اور آج وہ ان سے دوٹوک بات کر رہی تھی۔

"دیکھ رہی ہیں بھابھی جان اپنی اولاد کی ترقیاں۔" چچا جان کو بھی شاید بھڑکنے اور
جواب دینے کے لیے ایک ہی دیا سلائی کافی تھی۔

"پہلے وہ بالشت بھر کا چھوکرا میرے منہ آتا رہا۔ میں اپنی عزت لپیٹ کر منہ پر تالا
لگا کر چپ ہو رہا کہ جو جی میں آئے کرتا پھرے پرائی اولاد پر کیسا رعب حق...... بھتیجیوں کے
لیے میں اپنی بیوی سے لڑتا رہا کہ ایسی نیک صفت بے زبان محبت کرنے والی میری بھتیجیاں
ہیں ان کے لیے مجھے جو بھی کرنا پڑا کروں گا۔

اور آج دیکھیں اللہ نے یہ بول بھی میرے منہ پر دے مارے کہ بیٹی برابر بھتیجی کیسے میرا گریبان پکڑے جواب طلبی کر رہی ہے۔'' انہوں نے جس فریادی انداز میں بات کو لڑائی والا رنگ دیا تو صبا تو ہق دق ہی رہ گئی اس سے پہلے کہ اس کی حیرانی طوالت پکڑتی اماں نے اٹھ کر اسے مارنا شروع کر دیا۔

''کمبخت تو رہ گئی تھی میرے چونڈے میں خاک ڈلوانے کو اور سب نے کون کون سے برے دن میرے بھاگ میں لکھ رکھے ہیں بیوگی کی چادر کیا اوڑھی یہ اپنے ہاتھوں کے پالے اسی چادر کو تار تار کرنے لگے اس دن کے لیے اپنا خون جگر پلا کر تمہیں جوان کیا تھا کہ تم بھرے زمانے میں ماں باپ کی رسوائیوں کی کہانیاں چھاپتے پھرو اور تو ......'' وہ اسے دو ہتڑوں سے پیٹتے ہوئے ہانپنے لگیں۔

''تجھے تو میں بے زبان گائے سمجھتی تھی کہ سب سے پڑھی لکھی اور باپ کا نام بنانے والی نکلے گی اور آج تو اسی باپ برابر چچا کے منہ لگنے لگی شرم سے ڈوب کیوں نہ مری تو کہیں جا کر منحوس ساروں کے دیدوں کا پانی مر گیا سبھی بے حیا ہو چلے زندگی ایک عذاب بن گئی میرے لیے تو یا الٰہی!'' وہ سر پکڑ کر بے قابو ہو کر رونے لگیں چچا تو کچھ گھبرائے چچی نے اندر سے چیخنا شروع کر دیا۔

''کیا برے دن آگئے ہمارے کہ اپنے ہی گھر میں دو گھڑی کو چین نصیب نہیں سارا دن گدھوں کی طرح کام میں جتے رہو لوگوں کی خاطریں کرتے پھرو اور رات کو بھی گھڑی بھر کو کمر سیدھی کرنے کی اجازت نہیں مرا کوئی سوگ ادھر ختم نہیں ہو رہا زندگی ایک عذاب بن کر رہ گئی ہے اور بلکنے کی چوں کرنے کی اجازت نہیں ہمیں تو۔'' انہوں نے بھی بند کمرے کے دروازے کے پاس آ کر خوب ہی جی کا غبار نکالا۔

چچا گھبرا گھبرا کر کبھی اس بند دروازے کو دیکھتے اور کبھی گھٹی گھٹی آواز میں روتی اماں کو اور صبا تو وہیں گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ صبوحی حیران پریشان سی کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔

''بھابی جان آپ آرام کریں جا کر اب صبح بات کریں گے ویسے آپ فکر نہ کریں میں دو چار دنوں میں چھٹی کے لیے اپلائی کر رہا ہوں درخواست تو کل ہی دے دوں گا۔ دو چار دن میں منظور ہو جائے گی آپ زیادہ ٹینشن نہ لیں اللہ بہتر کرے گا اور ان کو سمجھائیں اپنی

زبانوں کو قابو میں رکھیں اس طرح کوئی نہیں کہتا جیسے ان کی بھول ہے آدمی میں کجی پیدا ہو جائے تو چیخنے چلانے یا دوسروں کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے کی بجائے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ ورنہ کوئی منہ نہیں لگائے گا اور مجھے تو سمجھ نہیں آتی کیسی تربیت کی ہے۔ آپ نے ان بچوں کی کوئی کہنے میں ہی نہیں ایسی بھی کیا سرکشی۔'' وہ آخری جملے لبوں میں بڑبڑاتے وہاں سے ہٹ گئے۔

اور اماں نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس کے اندر جا سمائے۔

''پڑ گئی کلیجے میں ٹھنڈ ماں باپ کی تربیت کو ذلیل و رسوا کر کے، مر جاؤ تم سب اللہ کرے میری طرف سے یا مجھے اللہ اٹھا لے۔ ان مصیبتوں کے لیے میں اکیلی کیوں رہ گئی افشی کے ابا مجھے بھی ساتھ لے جاتے اچھا ساتھ نبھایا ساری ذلتیں جھیلنے کو چھوڑ گئے۔'' وہ اشک گراتیں آہیں بھرتیں سینے پر ہاتھ رکھے اندر چلی گئیں۔ صبا مجرموں کی طرح وہیں بیٹھی رہ گئی۔

''میری بات سنو جی اب اس ٹنٹنے کو تمام کرو ہفتہ بھر کی چھٹی لو اور انہیں یہاں سے چلتا کرو ان کا پلاٹ کوڑیوں کے مول بکتا ہے یا سونے کے بھاؤ بیچ کر جان چھڑاؤ اپنی اور اس مسٹنڈے کو بھی ساتھ لے جانا میں اب اسے مزید اس گھر میں نہیں برداشت کر سکتی۔ میری بھی بچیاں ہیں کل کلاں کو گولی بندوق لے کر لوٹ مار کرنے آ جائے خون تو اس کے منہ کو لگ ہی چکا کون سی کوئی روک رکاوٹ ہے اسے یا کسی کا ڈر، خوف، ماں ہے تو اسے خصم کا روگ منانے ہی سے فرصت نہیں۔ بیٹیاں تو وہ مسکین صورت بنائے دوسروں کے ایمان کی پیمائش کرتی پھرتی ہیں میں بھری ایسی نیکیوں سے بس بہت ہو گیا خدا ترسی اور ہمدردی کل چھٹی لے کر آؤ اور پرسوں لے کر انہیں یہاں سے چلو میں تو اپنے ہی گھر میں جیسے چور بن کر رہ گئی ہوں پوچھو تب شامت نہ پوچھو تب ظالم بس میری حد ہو گئی آج۔''

چچی جان کی پھنکار ادھ کھلے دروازے سے صور اسرافیل کی طرح سارے گھر میں پھیل رہی تھی اور چچا جان من من کرتے آہستہ آہستہ کی تلقین کیے جا رہے تھے۔

''اچھا بابا لے جاؤں گا کل پرسوں اب تو سونے دو اچھی مصیبت ہے۔'' کہتے ہوئے انہوں نے شاید لائٹ آف کر دی چچی جان کی بڑبڑاہٹ تو دیر تک آتی رہی مگر الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے۔

صبوحی دبے پاؤں کمرے میں جا چکی تھی۔

وہ کہاں جاتی اتنے دن کے صبر کو آج ایک پل کی بے صبری نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

نیکی کتابوں میں پڑھو واعظ میں سنو یا نصیحت کے طور پر تو بہت اچھی ہے جب اس کے اجر وثواب کے بارے میں جانو تو بہترین کہ جب ایک نیکی اگلے جہان جا کر دس نیکیوں یا ستر نیکیوں میں بدل جائے گی تو بندے کی طبیعت کیسے فوراً نیکی پر مائل ہونے لگتی ہے پر عملی طور پر جب یہ ہی نیکی انسان کے گلے پڑ جائے اس کی جیب پر بوجھ بن جائے تو بندہ بڑا تنگ پڑ جاتا ہے اس کی سمجھ بوجھ ظرف فطرت سب کچھ الٹ پلٹ ہونے لگتا ہے پھر نیکی اس کے ساتھ وابستہ اجر وثواب سب کچھ بھول جاتا ہے سوائے اس طبیعت اور جیب پر پڑے بھاری بوجھ کو رفع کرنے کی ترکیب سوچنے کے۔

وہ ساری رات صبا نے اسی کرسی پر بیٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پر سر رکھے گزار دی۔ بہت دنوں بعد آنکھوں کو رت جگے کی یاد آئی تھی۔ تہجد کے وقت اسے شاید اونگھ آ گئی تھی، جب کسی نے آ کر اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

''میری بچی، میری صبا! ساری رات یہیں بیٹھے بیٹھے گزار دی اور کتنا ماں کا امتحان لوگی۔ چل اٹھ اندر چل کر لیٹ۔''، ماں کی مامتا زیادہ دیر تک برداشت اور غصے کی سولی پر نہیں لٹک سکتی تھی رات بہت دیر وہ اس کا انتظار کرتی رہیں کہ آ کر ان سے معافی مانگے گی اور روز کی طرح ان کا سر اور ٹانگیں دبا کر سوئے گی مگر ان کا انتظار انتظار ہی رہا پھر شاید وہ بھی سو گئیں۔

تہجد کے لیے اٹھیں اسے بستر پر نہ دیکھ کر وہ غصہ برقرار نہ رکھ سکیں۔

''سوری اماں مجھے معاف کر دیں اور اللہ کی قسم میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا جو چچا جان نے نکالا میں نے تو اس خیال سے کہا کہ شاید انہیں چھٹی نہیں مل رہی تو جیسے تیسے بھی ہوں ہم خود جا کر سب ......'' وہ روتے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھے معلوم ہے سب، چلو اندر چل کر لیٹو میں ابھی زندہ ہوں ان سب فکروں کے لیے جس دن مر جاؤں گی اپنے سر لے لینا۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئیں اور بستر میں لٹا کر خود وضو کرنے چل دیں۔

پھر چچا جان نے خلوص دل سے اس نیکی سی جان چھڑانے کا فیصلہ کر لیا ان کی چھٹی

چوتھے دن منظور ہو گئی۔

''پندرہ دن کی چھٹی ملی ہے اور بھابی جان ساتھ مجھے وارننگ لیٹر بھی کہ اب میں پورا سال ایک چھٹی بھی نہیں لے سکتا ورنہ گھر ہی بیٹھوں بھائی جان کی بیماری اور اس سارے کے دوران اتنی چھٹی لے چکا ہوں کہ جی ایم کی بھی بس ہو گئی اب آپ دعا کریں ان پندرہ دنوں میں سب کچھ ہو جائے ہم صبح سویرے ہی نکل جائیں گے آپ تیاری کریں اور رات جس وقت مونی آئے اسے بھی تیار کر لیں اور صبح اسے کہیں جانے نہ دیں کئی جگہوں پر اس کی بھی ضرورت ہوگی اس کا ساتھ لے کر جانا تو ضروری ہے'' چچا جان نے سب سے ضروری فرد کی لازماً روانگی کا یاد کرایا۔ چچی جان نے ایک بار نہیں بار بار یاد کرایا تھا کہ مونی کو سب سے پہلے یہاں سے لے کر جانا ہے اس لیے انہوں نے بطور خاص کہا۔

''ٹھیک ہے ایسا ہے کہ مونس بھائی صبح میں اور تم ہی نکلیں گے لاہور کے لیے ہم دونوں انجی کی طرف ہی ٹھہریں گے بچیوں کو میں نہیں لے کر جاؤں گی مونی اگر چلتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ جیسے ہی ہم گھر لیتے ہیں۔ یہ دونوں فوراً آ جائیں گی اگر مونی ان کے ساتھ آیا تو ٹھیک ہے ورنہ میری طرف سے اجازت ہے آپ اسے اس گھر میں گھسنے نہ دیں۔ وہ لڑکا اب میرے بس میں نہیں رہا، شرمندہ ہوں اسے ساتھ لے جانے کا وعدہ نہیں کر سکتی۔'' اماں نے یہاں آنے کے بعد پہلی بار دوٹوک انداز میں بات کی تھی چچا جان جز بز ہو کر رہ گئے۔

''مگر وہ میری بات کب مانتا ہے یہاں سے جانے کی۔'' وہ چچی جان کی شعلہ بار نگاہوں سے گھبرا کر بولے۔

''ٹھیک ہے جیسے ہی گھر ملتا ہے میں خود اسے آ کر لے جاؤں گی مگر ابھی اسے ساتھ لے جانا بالکل ٹھیک نہیں ہوگا۔ وہ پلاٹ کی رقم پر نظریں جمائے ہوئے کیا کر گزرے کچھ کہہ نہیں سکتی اگرچہ میں اس سے خوفزدہ نہیں مگر میں یہ کام خیر وخوبی اور جلدی سے جلدی نبٹانا چاہتی ہوں آپ فکر نہ کریں میں صبح آپ کو تیار ملوں گی۔'' وہ حتمی انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کر اندر چل دیں تو چچا جان چچی کی غصیلی نظروں کے باوجود کچھ نہ کہہ سکے۔

☆ ☆ ☆

اماں اور چچا جان صبح پہلی گاڑی سے روانہ ہو گئے۔

اماں ان دونوں کو ساتھ کیوں نہیں لے کر گئیں انہیں معلوم تھا۔

''بیٹا خوب دل لگا کر دعا کرنا کہ ان پندرہ دنوں میں کیا اس سے بھی پہلے اللہ ہمارے لیے گھر کا بندوبست کر دے تو ہمیں ان در در کے دھکوں سے نجات ملے۔ اللہ معصوم دلوں کی دعا رد نہیں کرتا اور صبوحی تم ان دنوں میں صرف اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دینا۔ صبا تم چچی کے ساتھ کام کراتی رہنا اور سنو دونوں کان کھول کر مونی کو بالکل بھی منہ لگانے کی کوشش نہ کرنا۔ وہ ان دنوں پاگل ہوا ہے اپنے نشے کی لت کے ہاتھوں کوئی نصیحت کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آنے والی اس لیے اس سے کچھ بھی سوال جواب نہ کرنا چاہے وہ رات دیر سے آئے یا آئے ہی نہ۔ میں نے اسے اپنے اللہ کے سپرد کیا وہی اسے ہدایت دے گا۔'' اماں جانے تک بار بار ان دونوں کو نصیحت کرتی رہیں اور دعا کی یقین دہانی کے ساتھ رخصت ہوئیں۔

مونی اس رات گھر آیا ہی نہیں۔

اگلی دوپہر آیا صبا نے ہی دروازہ کھولا وہ جس حال میں تھا اس کا جی چاہا ابھی جوتا اتار کر اس کی دھنائی کر دے یا اسے جھنجھوڑ ڈالے مگر اماں کی تاکیدوں نے اسے دونوں ہی کام نہ کرنے دیے۔ وہ کٹے دل کے ساتھ دروازہ کھول کر ہٹ گئی۔

وہ گھر میں کھانا بھی نہیں کھاتا تھا کبھی کبھار چچا گھر ہوتے تو کھلا دیتے ورنہ پتا نہیں باہر بھی کھاتا تھا یا نہیں۔ چچا ہی اسے دو چار دنوں بعد کچھ پیسے دے دیتے تھے بقول ان کے ورنہ اماں نے تو انہیں آتے ہی اس نیکی سے سختی سے منع کر دیا تھا۔

''بات سنو!'' اس نے جاتی ہوئی صبا کو بھاری آواز میں پکارا۔

''کیا ہے۔'' درشتی سے کہتے ہوئے پلٹی۔

وہ اس کے بالکل پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے منہ سے آنے والی ناخوش گوار بو کے بھبکے نے صبا کو سانس روکنے پر مجبور کر دیا۔

''یہ اتارو۔'' اس نے صبا کے کانوں میں پڑی ننھی ننھی سونے کی بالیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں؟'' وہ ترشی سے کہتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی کہ اس نے ایک دم سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

''سنا تم نے یا گلا دبا دوں تمہارا اُتارو۔'' وہ اتنی سختی اور سفاکی سے بولا کہ صبا کو لگا

اگر اس نے بالیاں نہ اتاریں تو شاید وہ اس کا گلا دبا ہی ڈالے گا۔

''م...... میں نہیں اتاروں گی۔'' وہ آخری کوشش کے طور پر آنکھوں میں آنسو لا کر منمنائی۔ اچھے دنوں میں مونی سے کوئی بھی بات منوانے کے لیے اس کا یہ آخری حربہ ہوتا تھا اور مونی کو ماننے کے سوا کچھ نہ سوجھتا مگر وہ ایک بار پھر بھول چکی تھی کہ اچھے دن جا چکے تھے۔

اس نے الٹے ہاتھ کا ایک زناٹے دار تھپڑ گھما کر اس کے گال پر جمایا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بال جھٹکا دے کر کھینچے تھے۔

''اتارتی ہو یا......'' وہ اتنے سفاک لہجے میں غرایا کہ صبا نے آنکھوں میں آنسوؤں اور جلتے گال کی تکلیف کو بھلا کر بالیاں اتارنا شروع کر دیں۔

اس نے بالیاں اتار کر اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیں مونی نے ایک غراہٹ کے ساتھ اس کے بال چھوڑے اور اسے دھکا دیتا ہوا کھلے دروازے سے پلٹ گیا۔

اس کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہنے لگے۔

چچی جان بیڈروم کے دروازے میں کھڑی سب دیکھ رہی تھیں۔

''دیکھ لیا اب اپنی آنکھوں سے اس غنڈے بدمعاش کی حرکتیں۔ ہماری تو جان کو بھی خطرہ ہے مال کو بھی، جو ظالم انسان سگی بہن کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا ہے اس کی بالیاں نوچ کھسوٹ کر لے جاتا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا نہیں کر سکتا چھوڑ کر چلے گئے اس درندے کو ہمارے سروں پر، کہا بھی تھا اس کو ساتھ لے کر جائیں منت کی دہشت جان ہلکان کرنے کو مسلط کر گئے۔ کون سی گھڑی تھی جب وہ بے وقوف شخص اس سنپولے کو اپنے گھر میں لے آیا میں نے اس دن واویلا کیا شور مچایا مگر بھائی بھاوج کی محبت نے ابھی بھی اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے روئے گا ایک دن میری باتوں کو یاد کر کے۔'' چچی جان وہیں کھڑی زور زور سے چیخ رہی تھیں اور صحن کے بیچوں بیچ کھڑی صبا کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ ابا نے اسے یہ بالیاں میٹرک میں اسکالرشپ لینے پر لے کر دی تھیں۔

جس شام وہ یہ بالیاں لے کر آئے تھے کیسے بے قراری سے صحن میں ہی اسے کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے تھے اور آج صحن میں ہی اس کا اپنا ماں جایا سب سے پیارا دوست بھائی اس کے کانوں سے اس کے باپ کی نشانی نوچ کر لے گیا تھا۔

تو اماں کو یہی ڈر تھا اس لیے جاتے جاتے ایک ہی بات کہے جا رہی تھیں کہ مونی

کے منہ نہ لگنا اس کے سامنے نہ آنا کیا کچھ نہ دیکھ لیا تھا انہوں نے اس کی آنکھوں میں کہ اس دن کے بعد دوبارہ کبھی اس سے کلام ہی نہیں کیا۔ وہ بیٹا جس کی صورت دیکھے بغیر ان کا پل نہیں گزرتا تھا اب وہ دعا کرتیں کہ وہ ان کے سامنے ہی نہ آئے۔

آخر وقت اور کتنے امتحان لے گا۔

دنیا کی بے ثباتی کے اور کتنے رخ دکھائے گا اور سب ہمارے ساتھ ہی کیوں؟''

اس کے سر پر کڑی دھوپ تھی اور اسے اس دھوپ کی تپش کا احساس تک نہیں تھا جب اندر الاؤ بھڑک رہا ہو تو پھر باہر کی تپش کیا کر سکتی ہے۔

''چلو اندر۔'' صبوحی پتا نہیں کب اسے کھینچ کر اندر لے آئی وہ کچھ بھی کہے بغیر تکیے میں منہ دے کر بے آواز آنسوؤں سے رونے لگی۔

پھر شاید قدرت کو اس کے آنسوؤں پر رحم آ گیا تھا

ان کی بے چارگی پر یا پے در پے ملنے والی ذلت بھری مشکلات پر کچھ تو تھا جس نے تقدیر میں رقم سختیوں کو کم یا مؤخر کیا تھا یا نرم کتنی دیر تک تو انہیں اپنے کانوں پر جیسے یقین ہی نہ آیا۔

اماں نے انہیں فون کیا تھا۔

''صبا پلاٹ بک گیا بڑی اچھی قیمت پر اور دیکھو گھر بھی فوراً مل گیا۔'' علاقہ اتنا اچھا نہیں بلکہ پسماندہ ہی سمجھو مگر گھر اچھا ہے اللہ کا شکر ہے بس آج ہی سب کچھ طے ہو جائے گا کل تک پے منٹ کر کے چابی مل جائے گی تو تم تینوں پرسوں صبح خود ہی آ جانا، آ جاؤ گی نا۔''

کتنے دنوں بعد اس نے اماں کی ایسی چہکتی کھنکتی بھری ......آواز سنی تھی آنسوؤں کی نمی کے بغیر۔

''اماں آ جائیں گے مگر...... وہ مونی کا کہتے کہتے رک گئی کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے''

''مگر کیا خیر تو ہے نا۔'' اماں بے قراری سے بولیں۔

''کچھ نہیں اماں چابی مل جائے گھر کی تو آپ فون کر کے بتا دیجیے گا ہم آ جائیں گے۔'' وہ فوراً سنبھل کر بولی۔

''مونی نے تو کچھ نہیں کیا؟'' ماں کا دل کیسا آئینے جیسا ہوتا ہے کہ اولاد کے ہر خدشے، ڈر کا عکس اس پر آ جاتا ہے چھم سے۔

''نن نہیں آپ ٹھیک ہیں نا انجی، افشی آپی'' وہ بات ٹال گئی۔

''سب ٹھیک ہے، صبوحی ٹھیک ہے چچی کے ساتھ ٹھیک رہنا میں پھر فون کروں گی اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔'' بہت دنوں بعد اماں ایسے بولی تھیں اسے پھر سے انہیں غمگین کرنا اچھا نہیں لگا۔

صبح مونی کا چچی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔

وہ ان سے پیسے مانگ رہا تھا وہ کس حساب میں دیتیں، جلد ہی بات بگڑ گئی چچی نے جی بھر کے اسے کوسنے دیے پھٹکارا اور اس نے پھر جو چیز سامنے نظر آئی اٹھا کر ان پر پھینک دی پتھر کے سیٹ کی بھاری ڈش جو غلطی سے ٹیبل پر پڑی رہ گئی تھی چچی کا سر تو بچ گیا مگر کندھے پر ایسی ضرب آئی کہ ان کا کندھا نیلا ہو گیا پھر جو انہوں نے واویلا کیا الامان! ان کا کوئی کزن پولیس میں تھا وہ اسے فون کر کے بلانے لگیں۔ صبا نے اور صبوحی نے ان کے پاؤں پکڑ کر انہیں باز رکھا اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ ایک دو دن میں اسے ساتھ لے کر یہاں سے چلی جائیں گی۔

چچی نے ان دونوں کو بھی جی بھر کر گالیاں اور کوسنے دیے انہیں کوئی اچھے دنوں میں بتاتا کہ تمہاری چچی ایسی زبان بھی بولنے کی اہلیت رکھتی ہیں تو وہ کبھی یقین نہ کرتیں مگر اب تو وہ سب اپنے کانوں سے سن رہی تھیں اور پھر بھی گڑگڑا کر معافی مانگ رہی تھیں۔

''چچی جان آپ اللہ کے واسطے ایک بار اسے معاف کر دیں ہم اسے کل ہی لے جائیں گے پلیز چچا جان کو نہ بتائیے گا پلیز۔'' وہ روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر ان کی منت کرتی رہیں۔

''ہاں اس کاٹھ کے الو کو کچھ پتا نہ چلے کہ اس کا چھوڑا ہوا سورما یہاں کیا گل کھلا رہا ہے گندا خون گندی تربیت ارے لعنت ہے ایسی تربیت پر یہی سکھایا ساری زندگی ماں باپ نے کہ بڑوں کو مارنا پیٹنا، چوری چکاری کرنا تف ہے تم سب پر۔''

اس کے آگے جو گالیاں تھیں انہیں تو سننے سے ان کے کان بھی قاصر تھے۔

پتا نہیں کس کا لحاظ تھا یا کس کی دید کہ انہوں نے انہیں گھر سے دھکے دے کر نکالنے سے باز رکھا۔

تیسری صبح اماں کا فون آ گیا۔

''تم تینوں ابھی ملنے والی گاڑی میں بیٹھ کر آ جاؤ گھر کی چابی مل گئی ہے اور باقی سب کچھ بھی ہو گیا کاغذات کل مکمل ہو جائیں گے تو تمہارے چچا کل واپس آ جائیں گے تم

تینوں ابھی چل پڑو میں انجی کی طرف ہی ہوں گی مونی کو ضرور ساتھ لانا پیار محبت سے بہلا پھسلا کر جس طرح بھی بن پڑے سن رہی ہونا!'' اماں اپنے جوش میں بولے جا رہی تھیں۔

''جی اچھا ہم تیاری کر کے گھنٹے تک نکلتے ہیں۔'' وہ مردہ دلی سے بولی گھر مل جانے کی خوشی کو مونی کے دکھ نے زہر آلود کر دیا تھا۔

''زیادہ دیر نہ کرنا شام ہونے سے پہلے پہنچ جانا اللہ حافظ۔'' وہ تاکید کرتے ہوئے فون رکھ گئیں۔

''مونی تم یہاں بہت مشکل میں پھنس جاؤ گے چچی جان نے اپنے کزن کو فون کر دیا ہے وہ آدھا گھنٹا میں پہنچ جائے گا چچی کا غصہ اس وقت عروج پر ہے، پھر چچا بھی ادھر نہیں وہ تمہیں ایک بار پکڑ کر لے گئے تو پھر تمہارا باہر نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا ہم دونوں تھوڑی دیر میں یہاں سے جا رہی ہیں پھر تمہارے پیچھے کون آئے گا، اٹھو میرے بھائی ہمارے ساتھ چلو یہاں اس طرح بے عزت ہو کر پڑے رہنے سے کیا فائدہ؟'' دونوں کے پچکار پچکار کر سمجھانے سے شاید بات اس کی عقل میں آ ہی گئی۔

بادل ناخواستہ وہ اٹھ بیٹھا کچھ دیر سوچتا رہا پھر نہانے چل دیا انہوں نے جلدی جلدی اپنا سامان باندھنا شروع کیا۔

چچی کے لیے تو یہ اطلاع اس صدی کی سب سے بڑی خوشی تھی چند لمحے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ وہ واقعی جا رہے ہیں اور مونی بھی ساتھ!

یہ تو زیادہ قابل یقین بات تھی۔

''پلیز چچی جان ہمیں معاف کر دیجیے گا ہماری وجہ سے آپ کو اتنے دن مشکل میں رہنا پڑا اور خاص طور پر مونی کی بدتمیزیوں کو پلیز اگر ہو سکے تو چچا جان کو نہ بتایئے گا انہوں نے ابا کے بعد ان ہی کی طرح ہمارا خیال رکھا ہے۔ وہ دکھی ہوں گے۔'' صبا نے چچی کے ہاتھ پکڑ کر منت بھرے لہجے میں کہا تو وہ منہ سے کچھ نہ بولیں مگر کوئی مثبت اشارہ بھی نہ دیا۔

ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا وہ تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

گھر کو دیکھ کر پہلی بار تو انہیں دھچکا سا لگا۔

جیسے کبوتروں کا ڈربا ہوتا ہے ٹوٹی پھوٹی اینٹوں والی تنگ سی ٹیڑھی میڑھی گلی میں کھڑا دو منزلہ نیم تاریک سا گھر...... ان کے خواب جیسے چھنا کے سے ٹوٹے تھے۔

دو چھوٹے چھوٹے کمرے نیچے تھے اور چند قدموں کا راستہ یا صحن دونوں کمروں کے بیچ چھوٹا سا باتھ روم۔ اس صحن سے اوپر جاتی سیڑھیاں۔

اوپر کی منزل قدرے بہتر تھی دونوں کمرے کچھ کھلے تھے اور کھڑکیوں کی وجہ سے ہوا دار بھی کچن اور باتھ روم یہاں بھی چھوٹا ہی تھا مگر سب سے بڑی بات ان کا اپنا گھر۔

''اور اس سے بھی بڑی بات کہ میں نے کچھ رقم بھی بچالی ہے شام تک نیچے کرائے دار بھی آ جائیں گے تھوڑا بہت ماہانہ آمدنی کا بھی سمجھو انتظام ہو گیا اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے بالآخر اس نے ہماری سن لی۔''

اماں کے چہرے کے ساتھ آنکھیں بھی چمک رہی تھیں۔ اپنے قدموں کے نیچے کی زمین اپنی تھی اس خوشی نے ہی جیسے ان کو توانا کر دیا تھا۔

''اماں سامان ادھر سے ابھی نہیں منگایا۔'' خالی خالی گھر دیکھ کر صبوحی کو خیال آیا تو اماں کا چہرہ بجھ سا گیا۔

''اپنا قرض وصولنے کے لیے انہوں نے تقریباً سب کچھ بیچ ڈالا تھوڑا بہت تھا ایک دو پلنگ بستر اور کچھ برتن وہ انجی کی طرف پڑے ہوئے ہیں ابھی تمہارے چچا لے آئیں گے۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولیں تو وہ کچھ کہہ نہ سکیں۔

پھر جیسے نیا گھر ان کے لیے نئے بخت لکھوا کر لایا سب کام سہل ہوتے چلے گئے۔

پہلے کرائے دار تو مہینہ بھر ہی ٹکے چھوٹی فیملی تھی مگر ان کا نیچے دم گھٹتا تھا اور سامان بھی ان کا زیادہ تھا اگلے مہینے گھر خالی کر گئے تو سب کو فکر لاحق ہو گئی۔

اور اسی شام ڈیلر ایک ڈاکٹر کو لے آیا جو یہاں اپنا کلینک بنانا چاہ رہا تھا اور کرایہ بھی پہلے سے زیادہ دے رہا تھا۔ انہیں اور کیا چاہیے تھا۔

پینتیس چھتیس سال کے اچھی شکل وصورت والے ڈاکٹر کو دیکھ کر ایک پل کو تو اماں سوچ میں پڑ گئیں۔ پھر انہوں نے ہاں کر دی۔

صبوحی امتحان دے رہی تھی۔

''تمہارا! انٹری ٹیسٹ کب ہے تم نے تیاری نہیں کرنی۔'' اماں نے صبح ناشتے پر اس سے اتنا اچانک پوچھا کہ وہ جیسے ششدر سی رہ گئی۔

''انٹری ٹیسٹ...... اماں میڈیکل کے لیے۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"ہاں تو اور کس لیے ہوتا ہے یہ ٹیسٹ۔" وہ اسی دبنگ لہجے میں بولیں جس میں بولا کرتی تھیں۔

"اماں میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کے لیے داخلہ فیس اور دوسرے اخراجات۔" اس نے اماں کو یاد دلانا چاہا۔

"پتا ہے مجھے بینک میں جو رقم رکھوائی ہے وہ تیرے داخلے کے لیے ہی تو ہے......" وہ مطمئن لہجے میں بولیں۔

"پر اماں داخلہ ایک بار ہوتا ہے فیس کتابوں کا خرچ ...... بہت مہنگا ہے میڈیکل پڑھنا آپ کہاں سے کریں گی۔"

"اللہ مالک ہے وہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دے گا۔" وہ بڑے لگن سے بولیں۔

"اماں میں نے ایگزام کے بعد یہ دوسری گلی میں سائنس اکیڈمی ہے ادھر جاب کے لیے بات کرلی ہے اچھی تنخواہ بھی دیں گے اور میں کچھ ٹیوشنز بھی کرلوں گی صبا کو ہم ابا کی خواہش کو مطابق ڈاکٹر بنائیں گے انشاء اللہ!" صبوحی پیپر دینے کے لیے نکل رہی تھی جاتے جاتے اطلاعی انداز میں بولی تو گم صم سی بیٹھی صبا اور اماں صبوحی کو دیکھتی رہ گئیں۔

"اماں مونی کو ان پیسوں کا پتا ہے۔" وہ صبوحی کے جانے کے بعد ہولے سے بولی۔

"شش!" اماں نے لبوں پر انگلی رکھ کر اندر کمرے میں سوئے مونی کی طرف اشارہ کیا۔

"اماں ہم مونی کا علاج کیوں نہیں کرواتے۔" وہ چند لمحوں بعد بولی۔

"نشہ قابل علاج ہے آج کل۔"

"میں نے ڈاکٹر شاہ زیب سے بات کی ہے اس نے کل مونی کو چیک کر کے کچھ دوائیں بھی تجویز کی تھیں اور کسی سینٹر کا پتا بھی بتایا تھا آج لے کر جاؤں گی اسے وہاں انشاء اللہ ٹھیک ہوجائے گا مجھے اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔" وہ یقین سے بولیں انہیں پتا نہیں تھا کہ مونی اندر اٹھ چکا ہے۔

☆ ☆ ☆

یہ بھی آزمائش کے سخت دنوں میں سے ایک دن تھا جب یہ اچھی خبر آئی۔

"افشین آپی کے ہاں بیٹا ہوا ہے بہت پیارا بہت صحت مند" وہ چھوٹی سی چھت پر

ٹہل ٹہل کر انٹری ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی جب صبوحی نے تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتے ہوئے پھولی سانسوں کے ساتھ اسے اطلاع دی۔

"واقعی ......رئیلی۔" بہت دنوں بعد اس نے صبوحی کے چہرے پر ایسی خوشی بھری لالی دیکھی تھی خود اس کی آنکھوں میں کیسے کیسے دیے جل اٹھے تھے۔

"ہاں آؤ نیچے اماں بلا رہی ہیں دونوں خالاؤں کو......ہمیں یعنی" وہ کھنکتے لہجے اور کھلکھلاتی ہنسی کے ساتھ بولی تو وہ بھی سر ہلاتی مسکراتی اس کے ساتھ نیچے اتر آئی۔

اماں کا جوش ان سے بھی بڑھ کر تھا۔

"اللہ تیرا شکر ہے لاکھ لاکھ' تو نے بھی ہمیں اپنی نعمتوں خوشیوں کے لائق جانا ہمارے گناہوں کو قابل معافی سمجھا۔ ساتھ خیریت کے میری بچی اس کٹھن مرحلے سے گزری اور ساتھ میں خوشخبری ......میرے دو اچھے والے جوڑے نکال کر پریس کر دو صبا اور صبوحی تم ذرا میرے ساتھ بازار چلو کچھ بچے کے ریڈی میڈ کپڑوں کی خریداری کرلیں گے ایک افشی اور ایک اس کی ساس کا' میں صبح سویرے ہی نکل جاؤں گی اگر یہ مونی میرے ساتھ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں شام تک لوٹ ہی آؤں گی حالانکہ اصولاً تو پہلا بچہ ماں باپ کے گھر ہوتا ہے نانا کے گھر.... پر قسمت.....گھر ہی نہیں تھا......اللہ تیرا شکر ہے کہیں کوئی کلمہ ناشکری کا نہ نکل جائے اب جیسے ہی وہ چھلا نہاتی ہے مہینہ بھر کے لیے گھر لے آؤں گی اتنے مہینوں کے دوران ایک بار بھی میں اس کی خبر گیری کو نہ جا سکی نہ کوئی سوغات بھیج سکی وہ تو ساس اچھی ہے اس کی' کبھی کوئی طعنہ نہیں دیا تمہاری پھپھو ساری کی ساری تمہارے ابا جیسی ہے برداشت اور محبت والی۔" اماں کے منہ سے پہلی بار انہوں نے اپنی نند کے لیے ایسا تحسین آفریں جملہ سنا تھا دونوں اماں کی نظر بچا کر ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرا دیں۔

"اماں میں بھی چلوں ساتھ میرے پیپرز تو ختم ہوگئے یوں بھی شام کو تو آپ نے آ ہی جانا ہے۔" صبوحی اماں کا اچھا موڈ دیکھ کر چہکی۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں صبا اکیلی رہ جائے گی اور اس مونی کی تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی ڈاکٹر کو دکھایا اتنی مہنگی دوائیں لا کر دیں مجال ہے جو اس ڈھیٹ نے ایک گولی بھی منہ میں انڈیلی ہو سارا سارا دن غائب رات کو کہیں چوروں کی طرح دبے پاؤں آتا ہے وہ بھی نشے میں دھت گرتا پڑتا پتا نہیں کس بدبخت نے اسے یہ بری لت لگائی اور لگ بھی گئی تو کیسے اتنی دور نکل

گیا کہ مجھے پتا ہی نہیں چلا جب ادھر تھا تو پھر بھی کچھ میری بات سن لیتا تھا پنڈی جا کر تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکل گیا اور اس موئے نشے کی اتنی شدید لت ادھر جا کر ہی اس کے سر چڑھی میرے مولا ساری مشکلیں آسان کیں اس سختی کو بھی ٹال ہی دے نصیبوں سے۔ اسے یوں دیکھ کر میں تو موت سے پہلے گزر جاؤں گی۔" اماں جیسے سینے پر دوہتڑ مار کر فریادی انداز میں بولیں۔

"اماں پلیز اب اس خوشی کے موقع پر یوں رنجیدہ نہ ہوں اللہ نے چاہا تو انشاء اللہ وہ بھی ٹھیک ہو جائے گا آپ نے دوبارہ بات کی ڈاکٹر شاہ زیب سے۔" صبا نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تو ایک دم سے سنبھل سی گئیں۔

"ہاں کی تھی بات پر جب مریض ہی علاج کروانے میں دلچسپی نہ لے تو ڈاکٹر کیا کرے گا' اچھا ہم دونوں بازار جا رہے ہیں تم سیڑھیوں کا دروازہ اچھی طرح سے بند کر لینا۔ ان کا کلینک نیچے کھل گیا ہے سو رنگ رنگ کے مریضوں کا آنا جانا ہے تم دروازہ نہ کھولنا اور میں ذرا ہو آؤں گوجرانوالہ سے پھر اس مونی کے بچے کا بھی کوئی علاج کرتی ہوں یوں اپنے قیمتی لعل کو مٹی میں رلتا تو نہیں چھوڑ سکتی رزلٹ نکلا میٹرک کا اور کمبخت بری طرح سے فیل۔ سوچتی ہوں زبردستی کہیں کوئی کام سیکھنے پر ڈال دیتی ہوں کچھ تو کرنا ہے زندگی میں کہ یونہی کوڑیوں کی طرح پیر توڑے محتاج پڑا اس ذلت میں جیتا رہے گا اٹھ صبوحی اندر سے میری چادر اور پرس لے آ شام ہو رہی ہے جلدی واپس بھی آنا ہے۔"

وہ بیٹے کے خیال سے ملول لہجے میں کہہ رہی تھیں افشین کے بیٹے کی پیدائش نے انہیں مونی کی پیدائش کا دن یاد دلا دیا چار بیٹیوں کے بعد ہونے والے اس بیٹے کی پیدائش پر وہ کیسے جی اٹھی تھیں انہیں لگا تھا آج انہوں نے زندگی کی ہر جنگ جیت لی اب کوئی محاذ کیسا ہی کڑا ہو ان کی فتح ہی فتح ہے۔ آخر بیٹے کی مائیں یونہی تو نہیں سینہ سرتان کر چلتیں اور ان چار بیٹیوں کی پیدائش پر اور بعد میں جیسی باتیں طعنے تیر انہوں نے جھیلے تھے انہیں لگتا تھا پانچویں بیٹی کی پیدائش کا سن کر تو شاید ان کی سانسیں ہی تمام ہو جائیں گی وضع حمل کے نو ماہ سے پہلے کر زچگی کے تکلیف دہ مرحلے تک ایک ایک پل جیسے انہوں نے سولی پر لٹک کر گزارا تھا نو ماہ و۔ پیر جلی بلی کی طرح رات رات بھر جاگتی رہتی تھیں اگرچہ صبا کے ابا کا ایسا کوئی مطالبہ یا دھمکی تو نہ تھی مگر ان کا اپنا دل جیسے اس آواز کے سوا اور کوئی آواز سننے پر تیار ہی نہ تھا۔

"بیٹا ہوا ہے۔"

اس جملے کی سرگوشی پر بھی ان کا دل اچھل کر کلیجے میں آ جاتا اور اس بیٹے نے آج ان کی یہ حالت کر دی تھی کہ اسے دیکھتیں تو شرمندگی سے خود سے بھی نظریں نہ ملا پاتیں چاروں بیٹیاں کیسی اچھی فرماں بردار سمجھدار اور خیال رکھنے والی تھیں اور ایک ہی بیٹا اور کیسا دکھ دینے والا نکلا اس کا غم تو جیسے انہیں اب کسی روگ کی طرح چاٹنے لگا تھا۔

"اماں پرس میں تو صرف چار سو روپے ہیں۔"

صبوحی کی آواز پر وہ بڑی دور سے واپس آئی تھیں۔

"ستیاناس میں نے خود تو۔" انہوں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"صبح ہی تو گنے تھے پورے نو سو روپے تھے اچھی طرح دیکھ۔" وہ بوکھلا کر اس کے ہاتھ سے کالا بٹوہ لے کر جھاڑنے لگیں پانچ روپے کا سکہ اچھل کر زمین پر گرا اور سو کے چار نوٹ۔

"پانچ سو کا نوٹ کہاں گیا۔" ان کا سکون خوشی اطمینان سب اڑنچھو ہو گیا۔

"کل ہی تو کرایہ ملا تھا انہوں نے چار ہزار روپوں میں سے صرف ہزار روپیہ پرس میں رکھا جس میں سے سو روپے کا سودا سلف آ گیا باقی نو سو پرس میں ہی رہنے دیے۔"

"اماں صبح مونی آپ کے تکیے کے نیچے کچھ دیکھ رہا تھا۔" الماری سے کپڑے نکالتی صبا آہستگی سے بولی۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا شکر ہے چار سو تو چھوڑ گیا۔ اب اس گھر کے بھیدی کا مجھے کچھ کرنا ہی پڑے گا یہ تو مجھے کہیں کا نہ چھوڑے گا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

راستے بھر صبوحی نے اماں کو راضی کر ہی لیا کہ وہ بھی بھانجے کو دیکھنے ان کے ساتھ ہی جائے گی۔

"اماں چند گھنٹوں کی تو بات ہے پلیز۔" اماں کا دل پسیج گیا۔

"واپس آ کر مجھے اکیڈمی جوائن کرنی ہے پڑھانے کے لیے پھر تو کہیں بھی جا نہیں سکوں گی" اس کی اس دلیل میں وزن تھا اماں مان گئیں۔

"مگر اماں میں اکیلی کیسے رہوں گی مجھے نہیں پتا مجھے ڈر لگے گا۔" صبا فوراً پریشان لہجے میں بولی۔

"اوہو تم ننھی بچی ہو نا ڈر لگے گا چند گھنٹوں کی بات ہے اوپر نیچے کے دروازے بند

رکھنا اگلے ہفتے تمہارا ٹیسٹ ہے ساتھ جاؤ گی تو سارا دن ضائع ہوگا واپس آکر رات کو بھی
تھکاوٹ کی وجہ سے پڑھ نہ سکو گی سوچ لو۔'' صبوحی نے اس کی کمزوری کو نشانہ بنایا تو وہ بے بسی
سے اماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

''اچھا میں انجی سے کہہ جاتی ہوں وہ آجائے گی تمہارے پاس۔'' اماں نے اس کا
خوف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر عامر بھائی بھی ساتھ آگئے تو؟... نہیں نہیں۔'' اس نے سوچتے ہوئے خود ہی
نفی میں سر ہلا دیا حالانکہ بعد میں عامر بھائی نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی مگر ان کی
نظروں میں کچھ ایسا ہوتا تھا کہ وہ دونوں ہی خائف رہتی تھیں بہنوئی سے۔

''اماں میں رہ لوں گی' ویسے ہی انجی کی ساس اسے کہاں آنے دیں گی پھر ادھر آکر
سارا دن انجی کے نخرے پیپسی منگوا دو چٹپٹا کوئی کھانا پکا دو گول گپے منگوا لو اور نہ جانے کون کون
سی فرمائشیں میں پھر پڑھ چکی۔'' اس نے خود ہی انکار کر دیا۔

''بدتمیز بہن کو بوجھ سمجھتی ہو اس حال میں یہی کچھ ہوتا ہے اور میکے آکر تو خاص طور
پر پسند کی چیزیں کھانے کو دل کرتا ہے۔'' اماں نے فوراً انجی کی حمایت کی۔

''افوہ اماں ایک تو شادی کے بعد لڑکیوں کو اس حال میں رہنے کا ہی شوق رہ جاتا
ہے بس۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

''آپ رہنے دیں میں اکیلی رہ لوں گی۔''

''تمہاری مرضی ورنہ انجی آجاتی تمہارے پاس تو مجھے فکر نہ رہتی اب وہاں سے بھی
جلدی نکلنا پڑے گا۔'' صبح جاتے ہوئے بھی اماں فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

''کوئی بات نہیں آپ آرام سے آیئے گا اور میں کوئی ننھی بچی نہیں جو اندھیرے
سے ڈر جاؤں گی اور شام کو تو نیچے کلینک کا اچھا خاصا رش رہتا ہے پھر خوف کیسا اور اماں وہ ننھے
منے کو میرا ڈھیر سارا پیار دیجئے گا ٹیسٹ دیتے ہی میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی اسے دیکھنے'
یہ صبوحی کی بچی زیادہ خالہ نہیں بنی میں بھی ہوں''

وہ دونوں تیار ہو کر نیچے اتر رہی تھیں جب وہ بولی۔

''اچھا اب دروازہ بند کرو نیچے سے تو انٹرلاک ہے خود ہی بند ہو جائے گا کوئی بھی
آئے پوچھے بغیر نہ کھولنا مونی آئے تو اس سے زیادہ بات نہ کرنا ویسے ہی آج کل اس کا بھیجا الٹا

ہوا ہے اللہ حافظ۔'' اماں اسے تاکید کرتی ہوئی نیچے آگئیں تو وہ دروازہ بند کر کے پلٹ آئی۔

صفائی کر کے اس نے اپنے لیے چائے کا ایک کپ بنایا اور پڑھنے بیٹھ گئی ابھی دس
منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ کسی طوفان کی طرح سیڑھیوں کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا اس کا دل
اچھل کر حلق میں آگیا۔

''مونی کے پاس صرف انٹرلاک کی چابی ہوتی ہے اور وہ اس وقت کبھی گھر نہیں
آیا تو پھر نیچے لاک کھول کر کون آگیا وہ بھی اوپر تک۔'' اسے لگا وہ خوف کے مارے ابھی فوت
ہو جائے گی کہ دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا جیسے در و دیوار پر کوئی بھونچال آگیا ہو وہ ڈبڈبائی
نظروں سے لرزتے دروازے کو دیکھنے لگی نہ کھولنے کی ہمت تھی نہ پوچھنے کی کہ کون ہے؟

☆ ☆ ☆

''بھائی بڑا آدمی بننے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟'' وہ رکا ''میرے
خیال میں سخت محنت اور لگن کی ہے نا۔'' وہ یقین بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ حیران سا ہوا ''محنت کے بغیر کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے بھلا!''

''کامیابی کی طرف قدم بڑھانے کے لیے محنت اور لگن کی نہیں بس ایک لمحے کی
ضرورت ہوتی ہے۔'' اس کا دوسرا جواب بھی اسے حیران کر گیا۔

''ایک لمحے کی؟ کیا مطلب؟'' اسے قطعاً سمجھ نہ آئی۔

''فیصلہ کن ایک لمحے کی .....اور یہ لمحہ ہر انسان کی زندگی میں آتا ہے بظاہر ذلت
کے ریپر میں لپٹا ہوا ایک معمولی سا لمحہ..... جسے ہر کوئی توجہ کے لائق نہیں گردانتا اگر ایسا ہوتا تو
یہ دنیا کامیاب لوگوں کا ہجوم ہوتی اور اس ہجوم سے ایک گوہر نایاب قابل تقلید نمونہ ڈھونڈنا
مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا۔'' اس کے ہاتھ سامنے پڑے پیپر ویٹ کو گھما رہے تھے نگاہیں کسی
غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں اور دماغ میں جیسے کوئی وژن سا چل رہا تھا کوئی تصویری منظر۔

''کیسا لمحہ اور اس لمحے کی پہچان؟'' وہ اس کی بات پر الجھ کر بولا۔

''اس لمحے کی کوئی پہچان نہیں ہوتی مگر یہ ہر انسان کی زندگی میں آتا ضرور ہے جیسے
لوگ کہتے ہیں کہ خوش قسمتی ہر انسان کی زندگی میں ایک بار دستک ضرور دیتی ہے اور یہ ہر کسی
کے بھاگ میں نہیں ہوتا کہ اس دستک پر جھٹ سے اٹھ کر دروازہ کھول دے اور جن بدنصیبوں
کی قسمت میں وہ در کھولنا نہیں لکھا ہوتا ان کے منہ پر یہ معمولی سا لمحہ ایک اور آزمائش کی

صورت مارا جاتا ہے اب یہ اس کی قسمت کہ وہ اس تھپڑ کو خوش بختی میں بدلے یا مزید ذلتوں میں ڈوبتا چلا جائے۔"

"وہ جیسے ہر ہر لفظ کی پرت میں جھانک کر بول رہا تھا اور اس کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔

"its a Paradox (ایک برعکس صورتحال) وہ کیا کہیں گے ایک تیر سے دو شکار" اس کی بات پر وہ کھل کر مسکرایا اور جیسے اس کی ناسمجھی کو انجوائے کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہاری پہلی بات ٹھیک ہے یہ Paradox ہی ہے مگر دوسری بات یہاں فٹ نہیں بیٹھتی اصل میں زندگی کا ظہور ہر انسان ہر ذی روح میں ایک ہی طرح سے ہوتا ہے مگر پھر اس زندگی بتانے کے لیے اسے ذہن مختلف ملتے ہیں اور ہر کوئی اپنی لاجک کے مطابق زندگی کو برتتا ہے اور اپنے حساب سے نتائج نکالتا ہے اسی لیے تو اس زندگی کے بارے میں اتنے مختلف نکتہء نظر سامنے ...."

"پلیز بھائی بس" اس نے یکدم ہاتھ اٹھا دیے تھے" آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے میرے ننھے سے دماغ کی ہنڈیا پچکنے لگی ہے میں ویسے ہی مان لیتا ہوں کہ بڑا آدمی پیدائشی بڑا نہ بھی ہو تو یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ قسمت کی ملی بھگت اسے بڑا آدمی بنا کر ہی چھوڑتی ہے چاہے اس کی ابتدا کسی رینگنے والے کیڑے کی طرح کی ہو میں مان گیا" وہ کہتے ہوئے ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اپنی کتابیں اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"تم اتنی جلدی مان گئے میں تو ابھی تک نہیں مان سکا کہ قسمت نے کیا ملی بھگت کی ہے کہ میں کامیاب ہونے کے باجود ناکام ہوں تہی دامن ہوں بالکل خالی ہاتھ دیکھو تو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے ہاتھوں کی گہری گہری لکیروں کو دیکھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"کھولو۔" دھاڑ تھی' یا کسی شیر کی چنگھاڑ اس نے دوڑ کر پاگلوں کی طرح دروازہ کھول دیا۔ سامنے کھڑا مونی اسے سب دنوں سے مختلف اور بے حد خوفناک لگا تھا اس کا دھک دھک دھڑکتا دل اور بھی خوفزدہ ہو کر سینے میں سمٹ کر رہ گیا۔

اس کی شرٹ کے اوپر دونوں بٹن ٹوٹے ہوئے تھے کھلے سینے سے جھانکتے بنیان کے گلے پر خون لگا تھا۔ اس کے سینے پر رکھی دونوں مٹھیاں اور بھی بھینچ گئیں مونی کے ہونٹ خون میں تر بتر تھے بکھرے بال اور وحشت چھلکاتی نگاہیں۔

"ہٹو پرے۔" اس نے اتنی زور سے صبا کو دھکا دیا کہ وہ باورچی خانے کی دیوار سے جا کر ٹکرائی۔

وہ اپنے پیچھے چھپائے ہاتھوں کو آگے کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اماں کے کمرے میں کچھ دیر کھڑ پڑ کرنے کے بعد وہ باتھ روم میں چلا گیا تو وہ متجسس سی ہو کر دکھتے کندھے کر دباتی ہوئی اماں کے کمرے میں چلی آئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی پہلی نظر پر پتا چل رہا تھا کہ اس نے کدھر کدھر ہاتھ مارے ہیں۔ وہ اماں کا بستر ٹٹولنے کے بعد ان کے سرہانے والی ادھ کھلی الماری میں دیکھنے لگی الماری کھلتے ہی کچھ نیچے گرا تھا۔

سونے کی موٹی چین کسی سانپ کی طرح بل کھاتی اس کے قدموں میں پڑی تھی ایک موبائل سیٹ اور سیاہ رنگ کا پھولا ہوا والٹ ......وہ بے اختیار نیچے جھکی۔ چین ٹوٹی ہوئی تھی اور والٹ پر خون لگا تھا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں عینکو کیوں میری جاسوسیاں کرتی پھرتی ہو۔ دفع جاؤ یہاں سے ....."

وہ غسل خانے سے نکلتے ہی اس پر پل پڑا تھا کہ اسے بھاگ جانے کا موقع بھی نہیں مل سکا مونی دیکھنے میں سوکھا سڑا مریل سا لگتا تھا مگر اس کا ہاتھ لوہے کی زنجیر کی طرح صبا کے کندھوں پر پڑا تھا کراٹے کی طرح کے دو ہاتھ اس کے منہ سے چیخیں نکال گئے۔

"چھچی اماں کی جاسوس' ہر وقت میری ٹوہ میں' آخر تجھے تکلیف کیا ہے کسی دن میرے ہاتھوں سے ضائع ہو جائے گی سن لو کان کھول کر ...." اس نے صبا کی چیخوں پر شاید اسے بخشتے ہوئے ایک ٹانگ رسید کی اور نیچے گری چیزیں سمیٹنے لگا۔

"چوری کر کے لائے ہو تم یہ سب ہے نا' کمینے یہ کام رہ گیا تھا نیک نامی والا جو آج یہ بھی کر آئے شرم نہیں آتی تمہیں حرام کھاتے ہوئے کتے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔

"ہاں کی ہے چوری نیک بی بی' جا جا کے گلی میں شور مچا اپنے جس چاچے مامے کو بلانا ہے بلا میں کسی سے نہیں ڈرتا" وہ ڈھٹائی سے سارا کچھ سمیٹتا ہوا بستر پر گرتے ہوئے بولا اس کے سوجے سوجے ہونٹوں سے خون تو رسنا بند ہو گیا تھا مگر لگتا تھا ابھی پھر سے رسنے لگے گا۔

''مونی تمہیں شرم نہیں آتی کیوں کر رہے ہو یہ سب .....اماں تو مر جائیں گی یہ سن کر'' اب کے وہ لہجے میں نرمی اور دُکھ بھر کر بولی۔

''مر جائیں۔'' وہ لاپروائی سے کندھے اچکا کر بولا'' ہر کسی کو اپنے مقررہ وقت پر جانا ہی ہے اماں جائیں گی تو کون سا کمال کریں گی اب دفع ہو جاؤ یہاں سے میرے سر میں درد ہو رہا ہے جا کر اپنی یہ چنی چنی آنکھیں موٹی موٹی کتابوں میں گھسا میرا ٹیم نہ خراب کر جا.....'' وہ لہجے میں زمانے بھر کی نفرت و حقارت سمیٹ کر بولا تو وہ گہرا سانس لے کر اسے دیکھتی رہ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چپکے سے کمرے کی ادھ کھلی کھڑکی سے جھانکا وہ والٹ الٹائے نوٹ گنتے ہوئے انہیں چوم رہا تھا۔

''اماں ابا یہ کیا ہو گیا یہ ہمارا مونی تو نہیں یہ تو.....یہ تو کوئی چور ڈاکو لٹیرا.....اماں اس کی نظروں میں کوئی لحاظ نہیں یہ تو ہمارا ابھی سودا کر ڈالے گا اماں.....چھت مل گئی اور تحفظ نہ رہا اب کس سے فریاد کریں ہم۔'' وہ اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔

اماں اور صبوحی شام گہری ہونے سے پہلے ہی لوٹ آئیں۔

''ارے اتنی جلدی میں نے تو کہا تھا آپ رات سے پہلے نہیں آئیں گی ابھی تو مغرب ہوئی ہے'' اسے دونوں کو اتنی جلدی واپس آتے دیکھ کر انوکھی سی خوشی ہوئی تھی صبح سے وہ جس عدم تحفظ جس خوف کا شکار ہو رہی تھی وہ جیسے اماں کے آتے ہی اڑنچھو ہو گیا اگرچہ مونی دوپہر کو ہی چلا گیا تھا مگر اس کا خوف کم نہیں ہو سکا تھا اور اس عجیب و غریب خوف کے احساس نے اسے پڑھنے بھی نہ دیا تھا۔

''اماں کھانا کھا لیں تو انہیں اس مونی ذلیل کے سارے کرتوت بتاؤں گی اب چھپانا تو خود سے دشمنی کے برابر ہے اس کی آنکھوں سے دید لحاظ اپنا پن سب رخصت ہو چکا وہاں تو جیسے صرف خون کی پیاس ہے یا دولت کی ہوس۔''

''اماں اور کھائیں نا۔'' وہ اپنی سوچوں میں گم دو چار لقمے ہی کھا سکی تھی جبکہ اماں اور صبوحی تو اس سے بھی پہلے اٹھ گئی تھیں۔

''بس کھا لیا'' اماں کے مختصر جواب پر وہ چونکی وہ دونوں خلاف توقع چپ سی تھیں افشی اور اس کے بیٹے کے بارے میں تھوڑا بہت بتا کر خاموش ہو گئی تھیں۔

''کیا ہوا اماں آپ چپ چپ سی کیوں ہیں خیر تو ہے۔'' وہ بے چین سی ہو کر بولی'

خیر نہ ہونے کی خبر تو اس کے پاس تھی۔

''اپنی قسمت سے تو لگتا ہے خیر کا نام ہی اٹھ گیا'' اماں ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔

''کیا ہوا اماں صبوحی تم ہی بتاؤ میں تو پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔'' وہ مضطرب انداز میں صبوحی کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

''کچھ نہیں ہوا اماں تو یونہی پریشان ہو جاتی ہیں جاوید بھائی کی نوکری چھوٹ گئی' پتا نہیں آفس میں کسی سے جھگڑا ہو گیا تو نواب صاحب نوکری کو لات مار کر گھر بیٹھ گئے اور کون سا ذریعہ آمدن ہے اس لیے افشی آپی پریشان تھیں تو اماں کا پریشان ہونا تو لازمی بنتا ہے'' صبوحی نے جلدی جلدی وضاحت سے کہا

''ہاں تو نہ ہوں پریشان' اگلی بات کا تو تمہیں پتا نہیں'' اماں جو وضو کرنے جا رہی تھیں جیسے خود پر ضبط کھو بیٹھیں واپس پلٹتے ہوئے بولیں۔

''اگلی بات کون سی؟'' صبوحی ان کے انداز پر قدرے پریشان ہو کر بولی۔

''باہر جانے کا پروگرام بنا رہا ہے جاوید کسی ایجنٹ سے بات بھی کر لی ہے اب پیسے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔'' وہ جیسے پھولے سانسوں کے درمیان بولیں اور خود کو سہارا دینے کے لیے تخت پر بیٹھ گئیں۔

''تو اماں اس میں ہماری پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو اچھی بات ہے کہ فوراً ہی کچھ کرنے کا سوچ رہے ہیں باہر جا کر تو اچھے اچھوں کے دماغ ٹھکانے لگ جاتے ہیں خود ہی سارا آرام اور دماغ کا خناس نکل جائے گا۔ صبوحی مطمئن ہوتے ہوئے بولی صبا باری باری دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

''براہ راست تو نہیں۔'' اماں نے ٹھنڈی سانس لی ''افشی نے اشارتاً مجھے کہا ہے کہ جو پیسے صبا کے داخلے کے لیے رکھے ہیں وہ دے دوں کہ جی لڑکیاں خواہ لاکھ پڑھ لکھ لیں ڈاکٹر انجینئر بن جائیں اماں آخر کار ہر عورت کی طرح انہیں گھر بار سنبھالنا اور بچے ہی پیدا کر کے پالنے ہوتے ہیں تو کیا ضرورت اتنی پڑھائیوں کی اور ان پر فضول پیسہ برباد کرنے کی پھر بھی اگر صبا کو شوق ہے تو جاوید باہر چلا جائے قدموں پر کھڑے ہوتے ہی آپ کا قرض لوٹا دیں گے صبا سال بعد داخلہ لے لے۔''

اماں صبا کے چہرے کے پھیکے پڑتے رنگوں سے نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

''واہ صبا سال بعد داخلہ لے لے' جواب اس غریب کی تعلیم میں اتنے روڑے
اٹکار ہے ہیں سال بعد کیا کچھ نہ کریں گے اور صبا کیوں اپنا سال ضائع کرے انہوں نے خود
لات ماری ہے نوکری کو خود اپنے لیے روپوں پیسوں کا انتظام کریں ہم نے ان کی ہر پریشانی کو
حل کرنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا اور ہمارے پاس کون سے ڈالرز پڑے ہیں چند ہزار ہی ہیں جو
ان کی نظروں میں کھٹک رہے ہیں اور اماں جاوید بھائی پر کیا فرشتے نازل ہوتے ہیں جو انہیں
ہمارے گھر کے ان رازوں کے بارے میں بتاتے ہیں یہ سب افشی آپی نے بتایا ہوگا اور
روپے اینٹھنے کا شارٹ کٹ بھی ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے بس وہ جاوید بھائی کا نام لے
کر ہمیں بلیک میل کرنا چاہ رہی ہیں مجھے ان کی خصلت کے بارے میں علم ہے وہ اسی طرح کی
ہو چکی ہیں اب خودغرض اور بے حس۔'' صبوحی جیسے پھٹ پڑی۔

''خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں جاوید اتنا بھی سیدھا نہیں دو بار باتوں باتوں میں اس
نے جتا دیا کہ ڈلیوری پر کتنا خرچ آیا ہے اور پہلا بچہ تو ہمیشہ ننھیال میں پیدا ہوتا ہے ہماری
باری سارے دستور الٹے ہو گئے ایک تو بے روزگاری اوپر سے یہ خرچا' اچھا خاصا قرض لے
بیٹھا ہوں جس کی واپسی کی بھی فی الحال کہیں سے امید نہیں اور تقاضا کرنے والوں نے جان
کھانی شروع کر دی ہے یہ فرمائش کا الگ سے انداز ہے اب بتاؤ میں کس پر کان دھروں اور
کس بات کو کان سے نکالوں' کس آزمائش میں ڈال گئے بہشتی تمہارے ابا مجھے۔ اچھا میرے
مولا جیسی تیری مرضی تو ہماری آزمائشوں میں راضی ہے تو ہمارے دلوں کو بھی اپنی رضا پر راضی
کرے اور اس سے بڑھ کر کیا دعا مانگوں تجھ سے۔''

اماں کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں تو صبا مردہ قدموں سے خود کو گھسیٹتے ہوئے اندر
کمرے کی طرف بڑھی۔

''صبا اے صبا مونی آیا تھا دن میں یا شکل ہی نہیں دکھائی اس نے...... سنتی ہو۔'' وہ
تکیے میں منہ چھپا کر دھواں دھار رو رہی تھی جب اماں نے اونچا اونچا پکار کر اس سے پوچھا تو وہ
سسکیاں روکتے ہوئے سوتی بن گئی۔

''اماں شاید سو گئی ہے صبا' دن بھر کی تھکی ہوگی سارا کام بھی کیا اور پڑھتی بھی رہی
اوپر سے یہ مفت کی ٹینشن...... کوئی ضرورت نہیں آپ کو ان فضول فرمائشوں پر کان دھرنے کی
'میں بتا رہی ہوں صبا ڈاکٹر بنے گی ضرور یہ ابا کا خواب تھا پھر اماں اس پاگل نے پڑھا بھی تو

اتنا ہے دن رات کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہتی تھی اب یوں منزل پر آ کر دل توڑ ڈالیں میں یہ
کبھی نہیں ہونے دوں گی ہاں'' صبوحی بڑی محبت اور احساس سے اس کی جگہ اماں سے کہہ رہی
تھی اماں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا کافی دیر تک صبا کان لگا کر سنتی رہی باہر مکمل خاموشی تھی۔

''اماں بے چاری کیا کریں ایک طرف میرا یہ فضول سا خواب دوسری طرف بسی
بسائی بیٹی کا گھر اور...... تیسری طرف تباہی کے گڑھے میں گرتا عمر بھر کا اثاثہ مونی' اماں میں
کیسے بتاؤں آپ کا سرمایہ بیچ رستے لٹ گیا آپ سنیں گی تو آپ پر کیا نہ گزرے گی۔'' وہ اماں
کو بتانے کے ارادے باندھتی توڑتی جانے کب نیند کی وادی میں اتر گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ اگلی صبح بھی کوشش کے باوجود اماں کو کچھ نہ بتا سکی مگر جب کوئی حد سے گزر جائے
تو اس کا راز فاش کرنے کے لیے قدرت خود اہتمام فرما دیتی ہے۔

وہ اگرچہ اس قصے کو بھولی نہیں تھی کہ مونی نے نشے کے ساتھ چوری چکاری کی لت
بھی پال لی ہے مگر کسی سے چاہتے ہوئے بھی ذکر نہ کر سکی اور مونی کے گھر میں موجود ہونے
پر وہ اس کا سامنا کرنے سے بھی کتراتی، ہفتوں ان دونوں کی ملاقات نہ ہوتی اور اس کے
ملاقات نہ ہونے کا مونی کو کون سا قلق تھا وہ پہلے والا معین تھوڑی تھا جسے صبا تھوڑی دیر کو نظر نہ
آتی تو وہ ہر طرف ڈھنڈورا پیٹ دیتا کہ اماں صبا گم ہو گئی ہے۔

ہر بار صبا کے نظر نہ آنے پر وہ یہی ایک جملہ دہرانے پر کئی بار اماں سے مار بھی کھا
بیٹھا کہ کیا بدشگونی کا منحوس جملہ بولتا ہے مگر وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا یہ جملہ دہرانے سے باز نہ آتا
اور اب تو جیسے زمانے بیت گئے تھے صبا کے کان اس جملے کو سننے کے لیے ترس گئے تھے۔

''میں تو اماں سے کہہ رہا تھا اماں صبا کہیں گم ہو گئی ہے مجھے مل نہیں رہی۔'' اسے لگا
کوئی بازگشت اس کے کانوں میں گونجی تھی مگر اتنی حقیقی کہ وہ چونک سی گئی۔

وہ چھت پر جھاڑو دینے آئی تھی اور کوڑا سمیٹتے ہوئے اس میں پھڑ پھڑاتے اخبار
کے ٹکڑے کو پڑھنے بیٹھ گئی جو نشے کے بارے میں کسی آرٹیکل کا پھٹا ہوا حصہ تھا پڑھتے پڑھتے
وہ واقعی مونی کے بارے میں سوچتے ہوئے گم ہو گئی۔

''واقعی گم ہو گئی ہو۔'' کسی نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرائے تو ہاتھ میں
پکڑا اخبار کا ٹکڑا ہاتھ سے نکل گیا اور وہ ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کے بالکل سامنے مونی کھڑا تھا ایک درست حلیے میں سلیقے سے جمے بال صاف ستھرا دھلا ہوا چہرہ استری شدہ لباس اور پہلے کی طرح چمکتی آنکھیں اور آنکھوں میں ہلکورے لیتی اپنائیت اس کے چہرے پر منڈھی سوکھی چرخ کھال تو ویسے ہی سیاہ ملگجی تھی مگر سیاہ پڑتے لبوں پر دوڑتی مسکراہٹ بڑی جاندار تھی بالکل پہلے جیسی۔

''میں کیوں گم ہونے لگی اور تمہیں کیا میں گم ہو جاؤں یا مر جاؤں۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

''یہ ہوئی نا بات صبا مجھ سے ناراض ہو۔'' وہ سامنے آ گیا۔

''نہیں ہونا چاہیے کیا؟'' وہ ناراض لہجے میں بولی۔

''ہونا چاہیے۔'' وہ ہتھیلی رگڑنے لگا ''کیا کروں نہ چاہتے ہوئے بھی بہت دور چلا گیا تھا اور اب......'' اس نے سر اٹھا کر افق میں ڈوبتی شفق کو دیکھا۔

''اور اب......'' صبا بے تابی سے بولی۔

''اور اب واپس آنا چاہتا ہوں تمہارے پاس گھر میں اماں کے پاس۔'' وہ اداس سے لہجے میں بولا۔

''واقعی تم سچ کہہ رہے ہو۔''

''بالکل سچ مگر اس کا یقین خود مجھے بھی نہیں۔'' وہ اداسی سے بولا ''صبا مجھے واپس آنے کے لیے تمہاری مدد تمہارا حوصلہ درکار ہے'' وہ کیسی اپنائیت سے فرمائش کر رہا تھا۔

''تم نے اماں کو سب کچھ بتا دیا ہوگا ہے نا۔'' اس کے بچوں جیسے اداس و معصوم چہرے کو دیکھا تو اسے بے اختیار اس پر پیار آ گیا۔

''تم نے ایسا کیوں سوچا کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی اور میں نے اماں کو کچھ نہیں بتایا۔''

''تھینک یو سسٹر میں پرائیوٹ امتحان دینا چاہتا ہوں میٹرک کا تم مجھے پڑھاؤ۔'' صبا کو اپنے کانوں پر جیسے یقین نہ آیا گویا قدرت نے ان کی مشکل آسان کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا ہے وہ جو اماں سورۃ الم نشرح کی آیت ''مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' کا دن رات ورد کیا کرتی تھیں یہ اسی ورد کا خوب صورت نتیجہ تھا۔

اور مونی نے جو کہا وہ کر کے بھی دکھایا تھا۔

اور سارے گھر کے لیے یہ انقلاب تو انقلاب فرانس و روم سے بھی بڑا انقلاب تھا۔

وہ دن رات کتابیں لے کر نہ صرف پڑھ رہا تھا بلکہ باہر بھی صرف سودا سلف لینے جاتا بہت فرمانبردار تابعدار اور سلجھا ہوا مونی جس کی تمنا اماں اور بہنوں کا دل کرتا تھا بالکل ویسا معین انیس بن گیا تھا وہ۔

''مونی تم نے نشہ بالکل چھوڑ دیا ہے نا میرے بچے''

اماں دن میں ایک بار تو یہ سوال بے قراری سے ضرور کرتیں آتے جاتے اس پر سورتیں پڑھ پڑھ کر پھونکتیں اپنی ہی نظر لگ جانے کے ڈر سے نظر بھر کر نہ دیکھتیں۔

''اماں میں کوشش کر رہا ہوں آپ دعا کرتی رہیں'' وہ جھکے سر کے ساتھ اتنی سعادت مندی سے کہتا کہ اماں کا دل کیا رواں رواں محو دعا ہو جاتا اس کے لیے سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا سب کچھ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا قسمت نے ایک خسارہ لکھا تھا تو کئی منافع بھی بن مانگے جھولی میں ڈال دیے تھے۔

صبا نے انٹری ٹیسٹ کلیر کر لیا تھا۔

اگلے ہفتے سے ایڈمیشن شروع تھے صبوحی نے اکیڈمی جوائن کر لی تھی اس کی پہلی تنخواہ نے اماں کا دل نہال کر دیا تھا۔

''اماں بہت اچھے سر ہیں سر عبداللہ انہوں نے ایم بی اے کر رکھا ہے نوکری نہ ملنے کے باعث یہ چھوٹی سی اکیڈمی ڈیڑھ سال پہلے شروع کی تھی اور اب ذرا آپ جا کر دیکھیں چھوٹی کلاسز سے لے کر ماسٹر لیول تک کے تین تین شفٹوں میں بھی رش کم نہیں ہو رہا میرے سامنے انہوں نے کئی طالب علموں کو واپس لوٹایا ہے سب سے بڑی بات اپنے سٹاف کے ساتھ بہت مہربان اور احترام بھرا سلوک کرتے ہوں' ان کے اس خیال رکھنے والے رویے کی وجہ سے سارا سٹاف ہی اپنے کام میں بہت فیئر ہے پوری محنت اور لگن سے پڑھاتے ہیں تبھی تو ان کی اکیڈمی طلبا میں مشہور ہوتی جا رہی ہے۔'' صبوحی تو کسی ٹیپ کی طرح چلنا شروع ہو گئی تھی پھر اپنی کمائی کا نشہ اپنے فعال ہونے کا احساس اسے دنوں میں خود اعتماد بنا گیا تھا مگر ڈر خوف اور ہراس کے معاملے میں وہ گھر میں صبا سے بھی زیادہ ڈرپوک چوہیا مشہور تھی اور اس واقعے کے بعد تو وہ کئی کئی راتیں ڈر کر چیخیں مارتی ہوئی اٹھ جاتی تھی خود پر اس کا اعتماد بحال ہوتے بہت دن لگ گئے تھے۔

"اللہ انہیں جزا دے ان کا خیال رکھے جو اللہ کے بندوں کا خیال رکھتے ہیں مجبوری کی بات نہ ہوتی تو میں کبھی بیٹی کی کمائی کھانے کا تصور نہ کرتی پرانے وقتوں کی جاہل عورت ہوں ناماں باپ نے ایک ہی بات گھٹی میں ڈال رکھی تھی کہ بیٹی تن پرایا پالو پوسو مقدور بھر لکھاؤ پڑھاؤ اور اگلے گھر کو چلتا کرو اس کی کمائی کا خیال ہی تازیانے کی طرح لگتا تھا پر اب زمانے بدل گئے ہیں مگر ہم جیسے لوگوں کے لیے بڑی دقت ہے اس بدلتے زمانے کی سوچ کا ساتھ دینے کیلیے' اسی لیے تو جیسے بن پڑا دو بیٹیاں بیاہ ڈالیں وقت کچھ اور مہلت دیتا تمہارے ابا کو تو تمہارا بھی اب تک کر چکی ہوتی باقی ہماری سوچیں سوچیں ہی رہتی ہیں اگر رب منظور نہ کرے تو ...... بیٹے کی کمائی کو حق بر حق سمجھتے ہیں ہم لوگ تبھی تو پہلے حمل سے بیٹے کی خواہش پالنا شروع کر دیتی ہیں اب یہ تو بختوں والوں کے بھاگ جو نیک بیٹوں کی نیک کمائی کھائیں اللہ کا شکر ہے کمائی لائے نہ لائے آنکھوں کو دل کو سکون تو دے۔" اماں نے دور بیٹھے پڑھتے ہوئے مونی کو دیکھ کر کہا۔

"اماں آج میں تنخواہ لائی ہوں انشاء اللہ جلد ہی مونی بھی لائے گا اور اماں یہ بات سمجھ میں آئی نہیں میری کمائی آپ کو طعنے کی طرح لگی اور دوسری طرف آپ صبا کو ڈاکٹر بنانا چاہتی ہیں ڈاکٹر بن کر وہ بھی تو کمائے گی نا" اس نے نشو سے اپنی عینک چمکاتی صبا کو شرارت سے دیکھ کر کہا۔

"کمائے سو بار' خلق خدا کی خدمت کرے گی کیا پتا اسی نیک عمل کے صدقہ جاریہ سے ہم جیسے گناہ گار بھی بخشے جائیں۔" اماں کو ابا کے جانے کے بعد صبا سے کچھ خصوصی سا پیار ہو گیا تھا جب بھی اس کی طرف دیکھتیں اسی طرح پیار سے دیکھتیں وہ پہلے والی ڈانٹ پھٹکار تو جیسے وہ بھول ہی گئی تھیں۔

"اماں جانے دیں یہ قوم کی خدمت کا گھسا پٹا مقولہ اب تو ڈاکٹروں کے نام کے ساتھ ڈاکو اور چھرے کے لاحقے لازمی استعمال ہوتے ہیں نیچے دیکھ لیں ڈاکٹر شاہ زیب کی طرف، ان کی تو راتیں بھی چاندی ہو رہی ہیں اس پسماندہ علاقے میں ایک کوالیفائی ڈاکٹر کیسے رتبہ اندر سمجھا جاتا ہے اور جتنے دام منہ سے نکالیں چپ کر کے دے جاتے ہیں اماں اب یہ خلق خدا کی خدمت غریبوں کی ہمدردی' سب کتابی باتیں ہیں کیوں صبا؟" وہ یہ سب کچھ صبا کو اکسانے کے لیے کہہ رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں کہوں گی Time will tell" وہ کہتی ہوئی کندھے اچکا کر اٹھ

کھڑی ہوئی تو صبوحی اور اماں مسکرا دیں۔

☆ ☆ ☆

اس کے ایڈمیشن سے ایک دن پہلے افشین آپی آ گئیں۔ پیارے سے گل گوتھنے رضی کے ساتھ۔ جاوید بھائی انہیں چھوڑ کر شام ہی میں واپس چلے گئے۔

"جاوید رات تو رہتا اتنے عرصے بعد تو آنا ہوا ہے اس کا۔" اماں نے کہا بھی۔

"بس پریشان بہت ہیں آج کل۔" افشی نے کندھے سے لگا کر چھوٹے رضی کو ہلکے ہلکے جھولے دینے شروع کیے۔

"کیوں خیر ہے۔" اماں کے منہ سے جملہ پھسلا اور وہ زبان کی اس بے اختیاری پر بعد میں پچھتائیں بہت۔

"کام جو کوئی نہیں وہی روم جانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں تھوڑا بہت ہی پیسہ اکٹھا ہوا ہے وہ بھی چھلے کے دوران خرچ ہو گیا دودھ گوشت کے بغیر گزارا انہیں وہ خود آپ سے بات کرنا چاہ رہے تھے پھر خود ہی کہنے لگے زبان کا بھرم میں کھوؤں اس سے بہتر ہے تم اپنی ماں سے ذرا سہولت سے بات کر لو گی' اماں پلیز چند مہینوں کی تو بات ہے وہ قسمیں کھا رہے ہیں کہ جاتے ہی چاہے انہیں فٹ پاتھ پہ سونا پڑے سب سے پہلے آپ کے پیسے بھجوا دیں گے تو آپ صبا کو داخل کروا دیجئے گا۔"

وہ لجاجت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے فوراً دل کی بات زبان پر لے آئیں رضی کو پلنگ پر لٹا کر وہ اماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولیں اماں کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہوا' انہوں نے چور نظروں سے پلنگ کے بائیں طرف کی بند الماری کو دیکھا ابھی تھوڑی دیر پہلے صبوحی اکیڈمی سے آتے ہوئے بینک سے رقم نکلوا کر لائی تھی انہیں نہ خود پر بھروسا تھا نہ کسی اور پر' صبوحی بارہ ساڑھے بارہ بجے گھر سے نکلتی تھی جاتے ہی اس نے رقم نکلوا کر اپنے بیگ میں رکھ لی تھی اور سارا ٹائم اسے دھڑکا سا لگا رہا مقررہ وقت سے گھنٹے پہلے چھٹی لے کر گھر آ گئی تھی افشی اور جاوید کی وجہ سے اس نے چپکے سے اندر جا کر الماری میں پیسے رکھ کر تالا لگا دیا اور چابی اماں کو دیتے ہوئے باورچی خانے میں آ کر ہولے سے بتا گئی صبح اس نے صبا کے ساتھ میڈیکل کالج جانا تھا ایڈمیشن کے لیے۔ ان تینوں ماں بیٹیوں کا خواب کل صبح شرمندہ تعبیر ہونے والا تھا اور اب افشی کا یوں اس خواب سے دستبرداری اختیار کرنے کا فرمائشی انداز' وہ دونوں بھی

دروازے کے پاس اماں کا جواب سننے کے لیے کان لگائے ہوئے تھیں۔

"تمہاری بات ٹھیک ہے میری بیٹی اور جاوید بھی اللہ رکھے کوئی غیر تو نہیں پہلے بھی میرا بچہ تھا اور اب تو تمہارے حوالے سے مجھے اور بھی عزیز ہے پھر روزگار کے مسئلے سے بڑا مسئلہ کیا ہو سکتا ہے' میں تمہاری اور جاوید کی پریشانی سمجھ سکتی ہوں اور مجھے پیسے دینے میں کوئی بے اعتباری بھی نہیں پیسہ تو ہوتا ہی کام آنے کے لیے ہے ہمارے نہ سہی تمہارے کام آ گیا اور چاہے واپس بھی نہ کرتے یہ کون سا کوئی غیروں میں لین دین کی بات تھی گھر کی بات تھی......" اماں کہتے کہتے رکیں۔

"تو......تو اماں آپ کو کوئی اعتراض نہیں آپ دے رہی ہیں نا پیسے' مجھے پہلے ہی یقین تھا میں تو جاوید کو راستہ بھر کہتی آئی ہوں کہ وہ فکر ہی نہ کریں میری ماں آپ کی ماں جیسی نہیں کہ بیٹے کو یوں بے روزگار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے دیکھ کر سوائے طعنے مارنے کے اور کچھ نہیں کرتی سارا روپیہ زیور غائب کر دیا اور ہمارے دو جی کی روٹی بھی ان پر چند دنوں میں بھاری پڑنے لگی کیا بتاؤں اماں کیسے کیسے دن دیکھ کر آئی ہوں ادھر جاوید کی بے روزگاری کی وجہ سے۔" وہ آواز بھراتے ہوئے بولیں۔

"پر افشی بچے تجھے پہلے مجھے کہنا چاہیے تھا اصل میں صبا تو آج جا کر ایڈمیشن کے پیسے جمع کروا آئی فارم وغیرہ کل جمع ہوں گے۔" انہوں نے اپنے ہوش میں بلکہ شعور میں پہلی بار اماں کو ایسے دھڑلے سے پکے لہجے میں صاف جھوٹ بولتے سنا۔

اور افشی تو مارے شاک کے چند لمحے کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"کیا......کیا کہہ رہی ہیں اماں۔" ان کا سکتہ ٹوٹا تو ان کے منہ سے نکلا۔

"آ......آپ نے تو خود بتایا تھا مجھے پندرہ کو اس کو داخلہ ہے۔" وہ اٹک اٹک کر بولیں۔

"ہاں تو کل پندرہ ہی ہے آج تو صرف داخلے کی رقم جمع کروائی تھی فارم بھر کر اور فارم کل جمع کروانا ہے یہی جمع پونجی تھی جو میں لگا بیٹھی تمہارے مرتے ہوئے باپ کو قول دیا تھا کہ اس کی یہ خواہش جیسے بھی ہو پورا کروں گی اور سچ پوچھو میں تو ہمت ہار بیٹھی تھی ارادہ ہی بدل دیا تھا یہ تو اللہ نے وسیلہ بنایا کہ گھر بھی مل گیا اور تھوڑی بہت رقم داخلے کے لیے بھی بچ گئی حالانکہ ابھی تو بہت خرچے ہیں کتابوں کے پھر فیس اور نہ جانے کیا کیا سوچتی ہوں جس اللہ نے

اب مدد کر دی وہی آگے بھی کوئی وسیلہ بنا دے گا" اماں حتی المقدور لہجے میں معصومیت اور افسردگی سمو کر بولیں کہ ان دونوں کو ہنسی آ گئی۔

"ماں بس مرے ہوئے لوگوں کے ارمانوں کا خیال کرتی رہیے گا یہاں چاہے زندہ قبر میں اتر جائیں مہینے بھر پہلے سے آپ کے کان میں ڈال رکھا تھا پھر بھی آپ نے ایسی بے مروتی دکھائی کہ بسی بسائی بیٹی کا گھر اجڑنے کا خیال بھی نہ کیا اور اس ذرا سی چھپکلی کے خواب پورے کرنے میں مجھے تو بلی چڑھا دیا ایک بار بھی آپ کا دل نہ کانپا اب میری اکیلی جان تو نہ تھی یہ بھی ہے" افشین نے سوئے ہوئے رضی کی طرف اشارہ کیا۔

"اور جو جاوید کا دماغ خراب ہو آپ کی ایسی بے لحاظی پر مرد ہے آخر دھونس دینے پر آ جائے تو یہیں کی یہیں بیٹھی رہ جاؤں میں کیا کر لیں گی آپ دھکے دے کر نکال دیں گی خوب تماشا بنوایا آپ نے میرا۔ آج پتا چلا باپ کے بن ماں باپ کا گھر بھی پرایا ہوتا ہے ابا ہوتے تو ان چند روپوں کا ذرا خیال نہ کرتے جن کے لیے آپ نے مجھے میرے شوہر کی نظروں میں گرا دیا' کیسے بتاؤں گی یہ سب مجھ سے نہ ہو گا پڑی ہوں اب یہیں ادھر......" وہ روتی چلاتی تیز تیز بولتی پیر جھٹکتی اماں کو گھورتی باہر نکل گئیں دونوں جلدی سے وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔

اماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

جس کا اندیشہ ان کے دل کو تھا وہی ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کیسی بھاری کیسی بھیانک اور طویل تھی کہ کروٹیں بدل بدل کر بھی تمام نہیں ہو رہی تھی۔

اماں تو شاید آدھی رات کے بعد ہی مصلہ اٹھا کر باہر آ گئی تھیں کمرے میں گھٹن سی تھی صبا ان کے ساتھ ہی سوئی ہوئی تھی دوسرے پلنگ پر مونی بے سدھ سو رہا تھا صبوحی افشی کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھی۔ نیند تو صبا کو بھی رات بھر ٹوٹی پھوٹی ہی آئی۔

زیرو پاور بلب کی روشنی میں اس نے جلتی آنکھوں سے ٹائم دیکھا تہجد کا وقت تھا وہ اب کبھی کبھار اماں کے ساتھ تہجد پڑھ لیا کرتی تھی اور آج تو اس کی زندگی کا سب سے اہم دن تھا اس کا آغاز بھی وہ اپنے رب کو خلوص دل سے یاد کر کے کرنا چاہتی تھی یہ خیال ہی اس کے ست ڈھیلے ڈھالے بدن میں نئی توانائیاں بھرنے کیلیے کافی تھا وہ پل بھر میں بستر چھوڑ کر اٹھ

کھڑی ہوئی مونی کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

وہ وضو کر کے اماں کے برابر کھڑی ہو کر خدا کے حضور حاضر ہو گئی۔

فضا میں کیسا سکون کیسی خاموشی تھی کہ دل خود بخود اپنے پیدا کرنے والے کے آگے جھکا جا رہا تھا سکون قلب کے لیے رات کے اس پہر سے بڑھ کر اور کوئی موزوں وقت نہیں ہوتا۔

کچھ یہی حال اماں کا تھا بے حد سکون اور بے نیازی سے وہ ذکر اللہ میں مصروف تھیں ورنہ رات کو جیسے افشی ناراض ہوئی اس نے غصے میں کھانا بھی نہیں کھایا ان سے بات نہیں کی وہ رات بھر چپکے چپکے روتی رہی تھیں مگر اب جیسے گہرا سکون ان کے دل میں موجزن تھا انہیں اس لمحے افشی کی ناراضگی یا غصے کی ذرا فکر نہ تھی۔

پر انہیں کیا پتا ان کا یہ سکون کتنا عارضی ہے اور آنے والی صبح ان کے لیے کتنی بڑی پریشانی کی سوغات لا رہی ہے۔ ہم صرف اپنے لیے اچھا سوچنے پر قادر ہیں جبکہ ہمارے عمل پر قدرت قادر مطلق کے سوا اور کسی کے پاس نہیں۔

بس تھوڑی ہی دیر کے لیے وہ صبا کے ساتھ اوپر چھت پر گئی تھیں چڑیوں کو دانہ ڈالنے اور ہوا خوری کے لیے صبوحی نماز کے لیے اٹھی اور پڑ کر پھر سو گئی صبح کا وقت یوں بھی غفلت بھرا ہوتا ہے اور غفلت بھی ایسی وہ جاگتے ہوش میں ہوتے ہو بھی جیسے غافلوں میں شمار ہو گئیں۔

پتا نہیں کس وقت مونی کے اندر کا شیطان جاگا کس طرح اس نے الماری کی چابی حاصل کی رقم اڑائی اور چمپت ہو گیا۔

''اماں آپ رات کو افشی آپی کو کہہ رہی تھیں کہ پیسے تو ہوتے ہی کام آنے کے لیے ہیں ہمارے کام نہ آئے تمہارے آ گئے ایک ہی بات ہے...... تو پیاری اماں آپ کے کام نہ آئے میرے آ گئے ایک ہی بات ہے...... معاف کر دیجیے گا اور مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کیجیے گا اتنی رقم سے چند دن تو عیش کے گزریں گے اور وہ میں اس شہر میں تو ہر گز نہیں گزاروں گا...... اور بد دعا نہ دیجیے گا آخر کو میں بھی آپ کا لخت جگر ہوں اور اگر دے بھی دیں تو اماں ڈارلنگ پروا نہیں' کہتے ہیں ماؤں کی بد دعائیں لگا نہیں کرتیں۔۔۔۔ اور سچی بات کہوں اماں جی اس پیسے پر میرا حق بنتا بھی ہے دو بیٹیاں دھوم دھام سے بیاہ کر ان کا حق تو آپ نے دے ڈالا بُرا بھلا...... باقی دونوں کے لیے بھی مجھے پتا ہے کچھ نہ کچھ چھپا رکھا ہو گا نہ بھی ہو تو آپ اپنی لاڈلیوں کو یہ گھر ہی بخش دیں گی میرا حق تو پھر اس معمولی رقم پر ہوا نا او کے بائے اماں

پیاری زندگی ہوئی تو پھر ملاقات ہو جائے گی ورنہ ہمیشہ کے لیے بائے۔۔۔۔''

وہ رقعہ تھا یا کسی قیامت کا نامہ بر اماں کا جسم تو کھڑے کھڑے جھٹکے کھانے لگا۔ وہ خود تو شاید اس قیامت خیز جھٹکے کو خاموشی سے جھیل جاتی مگر اماں کی حالت۔۔۔ اور دوسرے پل وہ چیخنے لگیں۔

مرغ بسمل کی طرح ان کا جسم کسی ذبح ہونے والے جاندار کی طرح تڑپ رہا تھا۔

جب کسی طرح وہ اماں کو سنبھال نہ سکی تو صبوحی کو پکارنے لگی بلکہ اماں کی چیخوں اور واویلے سے وہ دونوں دوڑتی ہوئی اندر آئی تھیں۔

''کیا ہوا۔ ۔۔۔ اماں کو کیا ہوا۔۔۔ کیا ہوا ہے انہیں۔'' افشی تو ان کے پھڑ پھڑاتے بدن اور منہ سے بہتی رال چھت کی طرف ٹکی آنکھیں دیکھ کر حواس باختہ ہی ہو گئیں۔

''صبو پانی لے کر آؤ۔'' اس نے بمشکل انہیں پلنگ پر لٹایا تھا صبوحی پانی لینے دوڑ گئی۔ مگر ان کی حالت کسی طرح بھی سنبھل نہیں رہی تھی۔

''کہیں کوئی اٹیک ہی نہ ہو جائے جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ۔'' افشی کی بات پر صبوحی ساتھ والے کے گھر فون کرنے دوڑی اور یہ ڈاکٹر شاہ زیب کی کمال مہربانی تھی کہ وہ فون کرنے پر بیس منٹ میں پہنچ گئے۔

''کسی بہت بڑے شاک سے گزری ہیں میں سکون کے لیے انجکشن لگا رہا ہوں سو گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہسپتال لے جانا پڑے گا۔''

ڈاکٹر نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا وہ تینوں روئے جا رہی تھیں۔

''مونی مونی کہاں ہے صبا'' افشی کو روتے روتے خیال آیا تو وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

''اماں کی آنکھیں غنودگی کے اثر سے بند ہونے لگیں تو ڈاکٹر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''یہ اندازاً تین سے چار گھنٹے سوئیں گی انہیں آپ سونے دیں خود سے اٹھیں گی تو اچھی بات ہے میں یہ دوائیں لکھ رہا ہوں منگوا کر اٹھنے پر شروع کرا دیں اور کوشش کریں یہ ریلیکس رہیں میں شام میں دوبارہ آ کر چیک کر لوں گا اس دوران کوئی مسئلہ ہو تو یہ میرا موبائل نمبر ہے اس پر مجھے بتا دیجیے گا۔'' ڈاکٹر نے نسخہ پر لکھا موبائل نمبر صبوحی کو دکھایا اور بیگ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

''ڈاکٹر صاحب وہ آپ کی فیس۔۔۔'' صبوحی ساتھ چلتے ہوئے جھجک کر بولی تو وہ

مسکرادیے۔

''آنٹی ٹھیک ہو جائیں تو میں خود مانگ لوں گا بلکہ کرائے سے کاٹ لوں گا ڈونٹ وری یوں بھی ڈاکٹروں کے ساتھ آج کل ڈاکو اور چھرے کا لاحقہ تو لگتا ہی ہے'' انہوں نے اتنے معنی خیز انداز میں صبوحی سے کہا کہ وہ ہق دق رہ گئی۔

اس شام کیا اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ نیچے تک سنی گئی ڈاکٹر صاحب جا چکے تھے اور وہ کھڑی سوچتی رہ گئی۔

''اوہ تو یہ اس ڈرامے کا نتیجہ ہے افسوس صد افسوس سنا تھا چودھویں صدی کے ماں باپ ایسے ہوں گے کہ اولاد کے کلیجے نکال کر کھا جائیں گے پر کبھی بھولے سے بھی نہ سوچا تھا کہ ایسا کبھی دیکھ بھی سکیں گے اور ہماری ماں نے یہ سچ کر دکھایا ہے مجھ ایسی اولاد پر جو پھر بھی ان سے بھلائی کی امید لگائے دامن پھیلا کر چلی آئی' بھکارن بن کر اور انہوں نے کیا ڈالا میری جھولی میں جھوٹ بے اعتباری دھوکا۔۔۔ایسا سفید جھوٹ کہ صبا بی بی کا داخلہ ہو چکا رقمیں جمع ہو چکیں جیسے میں نے کروڑوں مانگ لیے تھے جیسے میں ان کی سگی نہیں سوتیلی اولاد تھی راہ چلتے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائی ہوئی' ارے میرا تو حق بنتا تھا سینہ ٹھوک کر لے سکتی تھی مانگ سکتی تھی عدالت کا در کھٹکھٹا سکتی تھی ابا پلاٹ چھوڑ گئے تھے دکان کی رقم اماں چٹ کر گئیں اور پلاٹ کی بھی خود ہی ہضم کر لی' صحیح کہا مونی نے ارے ایسی خود غرضی کے آگے تو ایسی ہی بے حسی کا مظاہرہ کرنا چاہیے بہت برا کیا اماں آپ نے میرے ساتھ جھوٹ بول کر کیا سکھایا مجھے جھوٹ دغابازی فریب۔۔ بہت افسوس ہے مجھے بہت افسوس میرے ساتھ ہاتھ دکھایا اور بھول گئیں ایک خدا اوپر بھی بیٹھا ہے جس نے میرے صبر کا جواب دیا یہ۔۔۔ یہ مونی کا خط مجھے تو شرم آ رہی ہے انہیں ماں کہتے ہوئے۔'' وہ خط ہاتھ میں لیے اونچا نیچا لہراتے بے تکان بولے جا رہی تھیں۔

''بس کرو آپی بہت ہو گئی' صد شکر اماں ہوش میں نہیں ورنہ آپ کی یہ بکواس سن کر نہ جانے وہ زندہ بھی رہتیں یا نہیں آخر کوئی حد ہوتی ہے بدگمانی کی بدزبانی کی'' صبوحی جیسے پھٹتے ہوئے بولی۔

''بس کرو جادوگرنیوں کٹنیوں' تم نے ماں پر جادو کیا اسے تمہارے علاوہ کوئی مظلوم کوئی ہمدردی کے لائق دکھتا ہی نہیں ہم گھر سے کیا گئیں پرائی ہو گئیں کہ انہیں ٹکے کا بھروسا نہ رہا ہم پر'' وہ اب بے جھجک چلا رہی تھیں۔

''اور اس کا جواب تو یہ بنتا ہے کہ میں کیس کروں اپنے حق کے لیے اور میں پیچھے نہیں ہٹوں گی بتا دینا بے شک۔'' وہ پیر پٹختی باہر نکل گئیں تو دونوں بے سدھ پڑی اماں کو دیکھتے ہوئے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

اماں نے ان کی زندگی میں ایک ہی جھوٹ بولا جس کا پول بھی رات بھر میں کھل گیا۔بھرم بھی ٹوٹا اور ہاتھ بھی کچھ نہ آیا۔

صبا تو ان کی پائنتی پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں اسے ہی نہیں چبھی تھیں اماں کے ہر حوالے کو بھی لہولہان کر گئی تھیں۔

''اماں یہ کیا ہو گیا اماں......'' صبوحی اسے زبردستی اٹھاتے ہوئے باہر لے آئی۔

''پلیز اماں کو سونے دو اس وقت انہیں صرف اور صرف آرام اور سکون کی ضرورت ہے بس دعا کرو وہ اٹھیں تو پہلے کی طرح بھلی چنگی ہوں آدمی دکھ بھی ایک حد تک جھیل سکتا ہے کب اس کے اندر کا آدمی کچھ بھی مزید سہنے سے انکار کر دے کچھ پتا نہیں چلتا' وضو کرو اور دو نفل پڑھ کر اماں کی صحت یابی کے لیے دعا کرو اس وقت اماں کی زندگی ان کی صحت سے بڑھ کر ہمارے لیے کچھ بھی اہم نہیں باقی سب جھگڑے اور معاملے تو چلتے ہی رہتے ہیں بس زندگی ہونی چاہیے۔''

صبا کا ہاتھ پکڑ کر وہ غسل خانے تک لے گئی تو صبا کی سمجھ میں بھی یہ اہم ترین نکتہ آ گیا کہ اس وقت اماں کی زندگی سے بڑھ کر کچھ بھی اہم نہیں۔ وہ آگے بڑھ کر وضو کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

شام تک اماں کو ہوش آ گیا تھا۔

مگر یہ کیسا ہوش تھا کہ وہ کچھ بولتی تھیں نہ پوچھتی تھیں بلانے پر بس ٹکر ٹکر ان کی شکلیں دیکھے جاتیں۔

''ڈاکٹر صاحب آتے ہیں تو دوبارہ چیک کرتے ہیں پتا نہیں کیوں اماں کی یہ حالت دیکھ کر میرا تو دل گھبرایا جا رہا ہے۔'' صبا گھبرائی گھبرائی سی چپ بیٹھی صبوحی کے پاس آ کر بولی۔

''ہوں آتے ہیں تو اوپر بلا لیں گے آپی جا رہی ہیں واپس۔'' وہ دبی آواز میں بولی تو صبا کا چہرہ فق سا ہو گیا افشی صبح سے کمرے میں تھیں ان دونوں کے اصرار منت سماجت کے بعد بمشکل انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا انہوں نے بہتیرا سمجھایا معافی تلافی کی مگر ان کی

ایک ہی رٹ تھی اماں نے اس کے ساتھ جھوٹ بول کر بہت برا کیا ہے اس کے اعتبار کا خون کیا ہے وہ اب زندگی بھر ان پر اعتبار نہیں کرے گی انہوں نے سگی ماں ہوتے ہوئے سوتیلی کا برتاؤ کیا ہے اس کے ساتھ۔

''آپی ایسی بات نہیں اماں نے کہا تھا کہ وہ جاوید بھائی کے لیے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت انتظام کر دیں گی انہوں نے آپ کے کسی اعتماد کا خون نہیں کیا صرف ابا سے کیا وعدہ نبھانے کی کوشش کی اور وہ بھی تقدیر کو منظور نہ ہوا ہمارے تو مقدر میں کوئی خوشی جیسے رہی نہیں اور دکھ ہم ایک دوسرے سے بدظن ہو کر بڑھائے جا رہے ہیں آپی کچھ دکھ آفاقی ہوتے ہیں جو اوپر سے ہمارے بخت میں درج کر دیے جاتے ہیں اور کچھ دکھ زمینی ہوتی ہیں جو ہم انسان دوسرے انسانوں سے روٹھ کر ناراض ہو کر انہیں دکھی کر کے اپنی قسمت میں زبردستی لکھواتے ہیں' آپ بھی پریشان ہیں ہم بھی اماں بھی' تو بجائے ایک دوسرے کے دکھ کو سمجھنے یا بانٹنے کی کوشش کرنے کے ہم ایک دوسرے سے خفا ہو کر ان دکھوں میں اضافہ کر رہے ہیں پلیز آپی آپ تو بڑی ہیں دل بھی بڑا کریں اماں کی خاطر'' صبوحی نے آخر میں ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے صبا بھی رونے لگی۔

''تم جو بھی کہو مجھے جتنا صدمہ ہوا ہے اس بات سے وہ کسی طرح بھی کم نہیں ہوگا مجھے بس اب جانے دو۔'' وہ سامان باندھے بیٹھی اسی اکل کھرے لہجے میں بولیں ''اچھا ٹھیک ہے جائیے مگر اس وقت نہیں صبح اماں کی حالت کچھ سنبھل تو جائے یوں بھی رات سر پر ہے اکیلی کیسے جائیں گی'' صبا نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر منت سے کہا تو کچھ سوچ کر وہ چپ ہو گئیں۔

''یہ اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ہیں بس اسی شاک کے زیر اثر ہیں دوائیں دینا شروع کر دیں اعصابی کمزوری ہے زیادہ انہیں ڈسٹرب نہیں کریں اسی طرح آرام کرنے دیں دو ایک دنوں میں شاک کا اثر کم ہوگا تو خود ہی سنبھل جائیں گی'' ڈاکٹر نے شام کو اوپر آ کر اماں کو دوبارہ چیک کرتے ہوئے کہا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

''ڈاکٹر صاحب کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے جو یہ کچھ بول نہیں رہیں جیسے.....جیسے انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔''

''نہیں کوئی سیریس مسئلہ نہیں ہے میں رات تک نیچے ہی ہوں اگر کوئی بات ہو تو

آ کر بتا دیں چلتا ہوں میں'' وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے چلے گئے تو اماں نے خاموشی سے کروٹ لے لی گویا وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔ دوسرے دن جاوید بھائی افشی کو لینے آ گئے۔

''اللہ نے غیب سے مدد کی ہے ایک دوست نے پیسے دے دیے ہیں کچھ ایجنٹ سے میں نے بات کر لی کہ باقی کی رقم وہاں جا کر دے دوں گا اس ماہ کی پچیس کو جانا ہے دس دن تو ہیں تم چلو میرے ساتھ میرے جانے کے بعد آ کر رہ لینا۔'' پتا نہیں اللہ نے کس کا بھرم رکھا تھا اماں کا افشی کا یا جاوید بھائی کا بہر حال افشی کچھ ناراض کچھ مغرور کچھ دکھی سی شام تک شوہر کے ہمراہ چلی گئیں۔

اماں کی حالت بھی کچھ سنبھل گئی تھی یا داماد کو سامنے دیکھ کر انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا موسمی بخار کا بہانہ کر دیا گیا تھا۔

افشی نے اماں کے دیے ہوئے کپڑے اور بچے کے کھلونے وغیرہ لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

''بڑا شکریہ اماں اس بار جو آپ نے مجھے تحفہ دیا ہے اس کے بعد ان تحفوں کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی ان شہزادیوں کے لیے سنبھال کر رکھ لیں ہمارا اللہ مالک ہے اللہ حافظ۔'' وہ بڑے طمطراق سے کہتی ہوئی شوہر کے پیچھے سیڑھیاں اتر گئی تھیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

چوکھٹ کے پاس کھڑی صبا نے اماں کی بڑبڑاہٹ سنی تو اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اماں کا ریکارڈ لگا دیتی مگر اس وقت تو ان کے جھریوں زدہ چہرے پر جتنا دکھ رقم تھا وہ اسے ہی نظر بھر کر پڑھ نہیں سکتی تھی۔

وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

پھر دن اتنی سست روی اور بے زری سے گزرنے لگے کہ اسے ہر چیز سے وحشت سی ہونے لگی سارا دن کمرے میں پڑی رہتی دیواروں اور چھت کو تکتی رہتی جہاں بیٹھی گم صم سی گھنٹوں بیٹھی رہتی کئی کئی آوازیں دینے پر بھی نہ سنتی۔

کل جاوید بھائی جا رہے تھے اماں کو آنے کے لیے کہہ رہے تھے۔

''پتا نہیں افشی آپی کو کیا ہو گیا ہے بجائے اماں سے ہمدردی کرنے یا ان کا دکھ

محسوس کرنے کے مسلسل طعن و تشنیع کیے جارہی ہیں اور تو اور انجی کو بھی فون کر کے ساری بات مرچ مسالا لگا کے بتا دی دیکھا نہیں تم نے پرسوں وہ آئی تو کیسے طنز کر رہی تھی جیسے اماں اور ہم کسی خزانے پر سانپ بنے بیٹھے ہیں پتا نہیں ان کے دماغوں کو شادی کے بعد کیا ہو گیا ہے کون سا کیڑا ان میں رینگنے لگا ہے جتنی آفتیں ہم پہ اس دوران آئیں اتنے ہی ان کے دل سخت ہوتے گئے ہیں شاید اس لیے کہ انہوں نے شادی سے پہلے کوئی دکھ نہیں دیکھا اماں ابا کو طاقتور بارعب اور صحت مند دیکھا اور ہم نے ان دونوں کے دکھ اور تکلیفیں دیکھیں اس لیے ہمارے دل اس قدر حساس ہو گئے ہیں اماں آہ بھی کرتی ہیں تو جیسے میرا دل چھلنی ہونے لگتا ہے حالانکہ پہلے تو ایسا نہیں تھا اور مونی......اس کا تو معاملہ ہی سوا ہے پتا نہیں کس مردود کی صحبت میں بیٹھا اور اس کی کایا ہی پلٹ گئی ابھی کیا عمر تھی اور.......تم کچھ بولتی کیوں نہیں" صبوحی جیسے بولتے بولتے تھک سی گئی اور اس کی مسلسل چپ پر اکتا کر بولی۔

"کیا بولوں.....صبوحی کل پچیس" وہ ٹھنڈی آہ سی لے کر بولی۔

"ہاں بتایا تو ہے کل جاوید بھائی جارہے ہیں کوریا۔" "اور پرسوں چھبیس ہے نا...آخری ڈیٹ....." وہ جیسے خود سے کہہ رہی تھی صبوحی پہلے تو کچھ نہیں سمجھی پھر اسے یاد آیا چھبیس تاریخ اس کے ایڈمیشن کی لاسٹ ڈیٹ تھی۔

"پتا ہے صبو جس دوپہر میں میرٹ لسٹ میں اپنا نام دیکھ کر آئی تو مجھے لگا آج سے اس لمحے سے میری زندگی نے ہر کامیابی پر اپنا حق ثابت کر دیا ہے اب کوئی مشکل کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی میں نے اپنے ہر خواب کی تعبیر پالی ایک بے مقصد زندگی کو مقصد مل گیا بلکہ میرے ہونے کا میرے وجود کا مقصد مجھے مل گیا سوچا اگر کسی کو یہ پتا چل جائے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اسے پیدا کرنے کی وجہ کیا تھی تو سوچو اس دل کی مارے خوشی کے کیا کیفیت ہو گی مجھے لگا اس گرم چمکیلی دوپہر سے خوب صورت سہانی دوپہر میری زندگی میں اور کوئی نہیں آئے گی اور میڈیکل کالج کی عمارت جیسے میری خوابوں بھری نگاہیں تک رہی ہیں اس سے بڑھ کر خوب صورت منظر میری نگاہوں میں اور کبھی نہیں محفوظ ہو گا۔

میں جب بھی کسی برے دکھ یا سانحے سے دوچار ہوں اس خوب صورت دوپہر اور اس پرشکوہ عمارت کی تصویر ذہن میں لاتے ہی پرسکون شادکام ہو جاؤں گی.....اور اب پرسوں دوپہر ایک بجے کے بعد میرے کانچ کے یہ سارے چمکیلے خواب چور چور ہو جائیں گے اور ان

کی کرچیاں صبوان کی کرچیاں میری بینائی میری بصارت بھی لے جائیں گی میری زندگی کا مقصد مجھ سے چھن گیا اب سب کچھ ختم ہو گیا میرے لیے اس زندگی کی کشش ہر خوشی میرے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی سب کچھ ختم ہو گیا سب کچھ۔"

وہ بولتے بولتے ہچکیوں سے رونے لگی اور پتھر بنی صبوحی اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی کہ آگے بڑھ کر اسے کوئی دلاسا کوئی جھوٹی تسلی ہی دے ڈالے طمانیت کا کوئی فقرہ کسی ان دیکھی آس کا کوئی ٹوٹا پھوٹا کنارہ ہی اسے تھمادے وہ تو ایسی کشتی میں سفر کر رہی تھیں جس کا نہ کوئی چپو تھا نہ پتوار بس پانی کے بہاؤ پر یہ ڈولتی بہتی کشتی ہچکولے کھاتی لہروں پر جدھر وہ لے چلیں انہیں لے جائے گی کدھر؟ کسی کو نہیں معلوم......اور جسے معلوم ہونے چلا تھا اپنی کشتی کو سمت دینے کا اختیار' اس کے ہاتھ کاٹ دیے گئے کہ اسے بھی اذن سفر مل گیا مگر بے سمت ساحلوں کی جانب۔

اسے یاد ہے ابا کہا کرتے تھے میں نے بہت سالوں پہلے جب میرے بچپن اور لڑکپن نے یتیمی کا بھاری بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر بہن بھائیوں کی پرورش کو اپنا نصب العین بنایا تھا اس وقت میں نے دل میں قسم کھائی تھی کہ اپنے بچوں میں سے ایک کو کسی ایک کو یہ خواب ورثے کے طور پر دے جاؤں گا کہ وہ چاہے جان سے کھیل جائے مگر اس ورثے کا مان رکھے میں ڈاکٹر بننا چاہتا تھا میرا ایک بچہ میرے اس خواب کی تکمیل کا بیڑہ ضرور اٹھائے اور جب بھی ابا جوش میں یہ سب کہتے ننھی صبا دو پونیاں بنائے ابا کے بازو سے لٹک کر کہتی ابا میں آپ کا یہ خواب ضرور پورا کروں گی ڈاکٹر صبا انیس کی نیم پلیٹ ابا ہمارے گھر کے دروازے پر ضرور لگے گی آئی پرامس۔

وہ اپنا چھوٹا سا ننھا ہاتھ ابا کے مضبوط بڑے بڑے ہاتھوں میں دیتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہتی تو ابا جیسے خوشی سے نہال ہو جاتے اسے چوم چوم کر پیار کرتے جاتے.....صبا نے اپنا وعدہ نبھایا اور قسمت نے ایک بار پھر ابا جیسے لوگوں کی قسمت میں فقط ہنسی لکھ دی ایک تمسخر بھری ہنسی۔

صبا ابھی بھی رو رہی تھی اور وہ چپ چاپ اسے دیکھے جارہی تھی۔

اور باتھ روم سے نکلتے ہوئے اماں نے سب کچھ سن کر جیسے اپنے اعصاب کو نئے سرے سے نڈھال ہوتے محسوس کیا اور دیوار کا سہارا لیتے ہوئے وہیں زمین پر بیٹھ گئیں۔

"مونی نامراد یہ تو نے کیا کیا' کتنی حسرتوں سے میں نے اپنے مجازی خدا کے

خواب کو پورا کرنے کا عہد کیا تھا اور تو نے اس ایک عہد میں بھی مجھے سرخرو نہ ہونے دیا۔'' وہ سینہ تھام کر رونے لگیں۔

☆ ☆ ☆

چھبیس تاریخ کی دوپہر کتنی روشن کتنی بھری بھری اور دلنشین تھی .... اس کا اندازہ تو مسرور سی سیڑھیوں پر قدم دھرتی صبا اینس کو ہو رہا تھا اس دوپہر کی خوبصورتی تو پچھلی دوپہر کے حسن سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔

''اماں میری پیاری اماں..... اماں جان یہ دیکھیں رسید ایڈمیشن فارم جمع ہونے کی رسید...... اماں شکریہ تھینک یو اماں آئی لو یو..... اماں آپ نے مجھے زندگی دے دی..... زندگی کی سب سے بڑی خوشی میرے جینے کا مقصد...... اب صبا آپ سے زندگی بھر کچھ نہیں مانگے گی کوئی سوال نہیں کرے گی سچ اماں میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ .... اماں سوچیں ابا کتنا خوش ہوں گے ہے نا۔'' وہ اماں کے گلے سے جھولتی جوش' خوشی کے عالم میں بے ربط جملے بولے جا رہی تھی۔

''اور اسی خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے اماں آیئے نان اور حلیم کو عزت بخشیں ایک بار کھائیں گی تو بار بار فرمائش کریں گی'' صبوحی نے حلیم اور نان کی ٹرے اماں کے پلنگ پر رکھتے خوشی سے بھری چہکار سے کہا۔

''اچھا اب چھوڑ مجھے اور پگلی کوئی ماں باپ کو بھی یہ فرنگیوں کی طرح تھینک یو شکریہ بولتا ہے یہ تو بچوں کا حق ہوتا ہے جسے ہم ادا کریں تو کوئی کارنامے کی بات نہیں' شکر تو اس رب کی ذات کا جس نے مجھے یہ حق ادا کرنے کی توفیق دی کھانا کھاتے ہی نفل پڑھو شکرانے کے میں تو پڑھ چکی ظہر کے ساتھ'' اماں اس کا ماتھا چومتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگائے پلنگ پر آ بیٹھیں۔''اماں مٹھائی کا ڈبہ تو ڈاکٹر شاہ زیب کے لیے بھی ہونا چاہیے جنہوں نے ہماری مدد کی'' صبا بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اور اللہ کا شکر ہے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑا اس روز رات کو وہ مجھے دیکھنے نہ آتے اور میں اپنا دل کھول کر ان کے آگے نہ رکھ دیتی تو کسی کے آگے جھولی پھیلانا کتنا مشکل ہے یہ کوئی کسی نادار خوددار سے پوچھے۔''

''اور اماں دو سال کا ایڈوانس کرایہ دے کر انہوں نے اپنا تو کام پکا کر لیا اب دو

سال تک وہ ادھر ہی ہیں اور اماں آپ کی بالیاں صبوحی کے ٹاپس اور چین میرا لاکٹ .... سب ملا کر اور وہ تھوڑا بہت جو بینک میں بچا تھا بمشکل ایڈمیشن ہو سکا اور جو ہر ماہ کے اخراجات پھر کتابوں کے لیے رقم .... اماں بہت مشکل ہو جائے گی سچ'' وہ فکر مند سے لہجے میں بولی۔

''اللہ مالک ہے میں نے سر عبداللہ سے صبح والی شفٹ کے لیے بھی بات کر لی ہے اس کے علاوہ بھی رات کو کچھ ٹیوشنز مجھے مل رہی ہیں دو لڑکیاں ہیں گھر آ کر ہی پڑھا کریں گی یہ پیچھے جو شیخ صاحب ہیں ان کی بیٹیاں'' صبوحی نے باہمت لہجے میں گویا انہیں حوصلہ دیا۔

''اور اماں آپ نے میرے لیے ڈاکٹر صاحب سے بات کی'' صبا بولی۔

''کی ہے وہ کہتے ہیں ابھی کالج تو جانا شروع کرے پھر اگر ٹائم ملا تو آ جایا کرے کلینک میں' ویسے بھی انہوں نے ہیلپ کے لیے ایک نرس تو رکھی ہی ہوئی ہے اور اس کے علاوہ کچھ سوچ لیں گے اللہ مالک ہے جس نے ہمیں اس قابل جانا ہے کہ اس اتنی بڑی مشکل کو سر کر لیں وہ آگے بھی ہماری مدد کرے گا تم دونوں اب کھانا کھاؤ اور وضو کر کے نماز اور نفل پڑھو وقت تنگ پڑ رہا ہے'' اماں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو دونوں سر ہلا کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆ ☆ ☆

پھر آنے والے دن بہت سبک رفتار مگر بے حد مصروف ہوتے چلے گئے صبا نے کالج جانا شروع کر دیا۔ چند ہفتوں بعد اس نے نیچے ڈاکٹر شاہ زیب کے کلینک بھی جانا شروع کر دیا کہ تھوڑی بہت آمدنی کی صورت نکل سکے ابھی تو وہ اگرچہ سیکھنے کے ابتدائی مراحل میں تھی مگر ڈاکٹر صاحب کو شاید ان کے حالات کی تنگی کا احساس تھا وہ اسے ان تین گھنٹوں کے پندرہ سو یا دو ہزار دے دیتے تھے اس کے لیے اس وقت یہ بھی غنیمت تھا مگر اصل بوجھ تو جیسے صبوحی پر آ پڑا تھا دونوں شفٹوں میں پڑھانے کے علاوہ گھر آ کر بھی ٹیوشن دینا ان دنوں میں اس کا منہ اتر گیا تھا۔

اماں دونوں کو یوں دن رات جتے دیکھ کر ایک آہ بھر کر رہ جاتیں۔

''صحیح کہتے ہیں سیانے' زندگی کو زندگی کے طور پہ جینا ہو تو ہاتھ میں علم کا ہتھیار ہو یا کوئی کسب ہنر پھر ہی بندہ کامیابی سے یہ جنگ جیت سکتا ہے اب تمہاری ماں جاہل بے ہنر ورنہ تم دونوں کے ساتھ میں بھی کچھ کر لیتی تو اتنی شرمندگی تو نہ ہوتی'' ایک دن وہ کہہ ہی بیٹھیں

"توبہ توبہ اماں آپ کیسے باتیں کرتی ہیں آپ ہی تو ہیں جو آج ہم اپنی چھت کے نیچے سہولت سے علم حاصل کر رہی ہیں آپ کی ہمت اور دعاؤں سے اماں ہم یہ سب کر رہی ہیں ورنہ تو ابا کے بعد...اور جو کچھ مونی نے کیا۔" صبوحی کی زبان سے پھسلا اور اماں کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا بے شک وہ ان دونوں کے سامنے بڑے ضبط اور صبر کا مظاہرہ کرتی تھیں کبھی مونی کو یاد نہیں کرتی تھیں مگر یہ حقیقت تھی مونی ان کے دل کا دکھتا ہوا پھوڑا تھا جس پر اس کا نام لینے سے بھی پھوٹ پڑنے کا ڈر رہتا ہوا ان دونوں کے جانے کے بعد تنہائی میں چپکے چپکے اسے یاد کر کے رویا کرتیں اس کے لیے دعائیں مانگتیں اور سچ تھا وہ ایک دن بھی اس کے لیے بددعائیں نہیں مانگ سکی تھیں وہ ان ہزار مناجاتوں کی مانگی ہوئی میٹھی مراد تھی جس کا براوہ اس وقت بھی نہ چاہتیں اگر وہ ان کو قتل بھی کر ڈالتا۔

"یا اللہ تو نے کیوں ماں کے دل کو اتنا نرم اتنا وسیع بنایا کہ ایک عورت کسی دوسرے کی شوہر یا سسرال کی ذرا سی سختی پہ دل میں گہری خفگی پال لیتی ہے اور مرتے دم تک ان دکھوں کو نہ فراموش کرنے کا عہد کرتی رہتی ہے جو اسے ان سے ملے ہوں اور اولاد اسے کوڑے مارتی رہے اور وہ دل کے طرف کا دائرہ بڑھاتی ہی چلی جاتی ہے" وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر ان کے پاس سے اٹھ آئیں تو دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی۔

"جو کچھ بھی ہو اماں کے دل میں جو جگہ مونی کی ہے وہ کوئی نہیں لے سکتا اور پتا ہے وہ اسے بہت مس کرتی ہیں دیکھتی نہیں کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔" صبا ہولے سے بولی۔

"ہوں مجھے معلوم ہے پتا نہیں کدھر ہو گا کچھ اتا پتا ہوتا تو شاید ....." صبوحی بات ادھوری چھوڑ کر چپ کر گئی۔

"کیسا جا رہا ہے تمہارا کالج۔" اس نے موضوع بدلنے کو پوچھا۔

"اے ون۔"

"اب تو تم شام کو خاصی لیٹ آنے لگی ہو اتنی تھکی ہوتی ہو پھر نیچے کلینک چلی جاتی ہو اس طرح تو تم اپنی پڑھائی پر توجہ نہ دے سکو گی۔" صبوحی فکر مندی سے بولی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں میں رات میں کسر پوری کر لیتی ہوں پھر ایک بات ہے صبو۔" وہ رُک گئی۔

"کیا؟"

"ڈاکٹر صاحب... پتا نہیں کیوں مجھے نیچے کام کرنا اچھا نہیں لگتا پتا نہیں کیوں؟" وہ آہستگی سے بولی۔

"کوئی وجہ تو ہو گی۔"

"بس.... پتا نہیں کیوں ڈاکٹر صاحب جیسے دوہری شخصیت کے مالک ہیں نرم دل اور کچھ بے حس یا خود غرض.... دوا میں پانی ملا کر دیتے ہیں اور انجکشن بھی.....اور سب سے بڑھ کر جو ان کی اصل آمدن کا ذریعہ ہے وہ پتا ہے کیا....." وہ پھر جھجک سی گئی۔ "وہ کیا؟" صبوحی پریشانی سے بولی۔

"وہ ناجائز.... اسقاط حمل کے کیس لیتے ہیں اپنی کسی دوست لیڈی ڈاکٹر کے کلینک پر ......بلکہ مجھے کہہ رہے تھے دو تین سال تمہارے مکمل ہو جائیں تو مجھے اس لیڈی ڈاکٹر کا احسان بھی نہیں لینا پڑے گا اتنے سلجھے ہوئے مہذب انسان اور ایسا گھٹیا کام اور پتا ہے اس دن کہہ رہے تھے میں کلینک کسی اور اچھے علاقے میں بھی بنا سکتا تھا مگر اس علاقے میں اس لیے بنایا ہے کہ یہ شہر کے پسماندہ ترین علاقوں میں سے ہے اور ادھر اس طرح کے کیس دوسرے علاقوں سے زیادہ ہوتے ہیں اور رقم بھی منہ مانگی ملتی ہے مجھے ان کی ذہنیت پر بہت افسوس ہوا تم اماں سے ذکر نہ کرنا......اگر ایڈوانس نہ لیا ہوتا تو اماں سے بات کر لیتے اب تو ہم فی الحال کچھ کر نہیں سکتے۔" صبا کی باتوں نے چند لمحے کے لیے صبوحی کو سن کر دیا۔

"اور اگر اس دوران کوئی پولیس کیس بن گیا تو....." وہ چند لمحوں بعد بولی۔

"اچھا اب تم پریشان نہ ہو میں اس لیے ذکر نہیں کر رہی تھی اللہ مالک ہے اگر کوئی اور ذریعہ ہوتا تو تم نیچے جانا چھوڑ دیتیں۔"

"ہوں اچھا میں اماں کو دیکھتی ہوں اندر کیوں چلی گئیں۔" وہ اٹھ کر اندر گئی اور صبوحی جیسے خود کو یقین دلانے لگی کہ وہ جو باتیں بتا کر گئی ہے وہ سچ ہیں۔

☆ ☆ ☆

"اماں گوجرانوالہ گئی ہیں۔" صبا کالج سے لوٹی تو صبوحی نے اسے اطلاع دی۔

"جاوید بھائی سے ملنے۔"

وہ کتابیں رکھتے ہوئے چونکی۔

"کیا مطلب وہ تو کوریا گئے ہوئے ہیں۔" وہ حیرانی سے بولی۔

''کیسا کوریا؟'' صبوحی ہنسی ''ان کے ساتھ ہاتھ ہو گیا ایجنٹ سارا روپیہ لے کر اڑنچھو ہو گیا اور جاوید بھائی ان کے پانچ ساتھی چوبیس دن تک کسی سرحدی چوکی میں سرکاری مہمان رہے پتا نہیں کوئی نیکی تھی جو حکام کو یقین آ گیا کہ زیادتی ان بے چاروں کے ساتھ ہوئی ہے وہ تین دن پہلے گھر آ چکے تھے اماں کو صبح ہی پتا چلا تو وہ رہ نہ سکیں تو انجی کو فون کر دینا وہ تم دونوں کے پاس آ جائے گی کھانا گرم کروں۔''

''ہوں۔'' وہ گم صم سی اسے دیکھ رہی تھی ''پتا نہیں برا صرف ہمارے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے اور بھی تو اتنے لوگ ہیں دنیا میں پہلے چانس میں ان کی قسمت کیسے کلک کرتی ہے اور جیک لگ جاتا ہے۔'' وہ چند لمحوں بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''اور اللہ نے سب انسانوں کی الگ الگ صورتوں کے ساتھ قسمتیں بھی الگ لگ بنائی ہیں اگر سمجھیں گے تو یہ جاوید بھائی کے لیے بڑا سبق ہو گا اب تو باہر جا کر بھی وہ حالات نہیں کہ فقط محنت مزدوری کر کے دو چار سالوں میں اپنے قدم جما لیں گے وہاں مسلمان اور خصوصاً پاکستانی کتنے مشکوک حالات کا سامنا کر رہے ہیں پھر جو نو وارد ہوا نہیں تو یہ کرنا ہی نہیں چاہیے تھا اتنے پیسوں سے ادھر کوئی چھوٹا موٹا کام کر لیتے تو عزت بھی بنتی اور پیسہ بھی ہاتھ سے نہ جاتا تم کپڑے بدل لو میں کھانا لا رہی ہوں پھر مجھے بھی اکیڈمی جانا ہے بڑی مشکل سے بیچ کے یہ دو گھنٹے ملتے ہیں آنے کے لیے۔'' صبوحی کہتی ہوئی چلی گئی تو صبا فوری طور پر اٹھ نہ سکی۔

''یہ وہی صبو ہے جسے اماں زمانے بھر کی کام چور اور ہڈحرام کہا کرتی تھیں کام سے بچنے کے لیے ہم دونوں کیسے گھر کے کونے کھدروں میں چھپتی پھرتی تھیں اور اب کیسے سینہ تان کر اس نے ہر ذمہ داری کا بوجھ اٹھا لیا، اوہ........صبو کو تو بتایا نہیں'' کسی نئی سوچ سے اس کا چہرہ چمک اٹھا وہ جلدی سے کپڑے اٹھا کر غسل خانے میں چلی گئی۔

''صبو یہ دیکھو'' کھانے کے بعد لال ہوتے چہرے کے ساتھ اس نے انگلش اخبار اس کے آگے کیا۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ اخبار لے کر دیکھنے لگی۔

''A new ray of light'' اس نے پڑھا ''صبا انیس'' اب کے اسے جھٹکا سا لگا۔

''یہ......یہ۔'' وہ بے یقینی سے آرٹیکل کو دیکھتی اور کبھی صبا کے سرخ چہرے کو۔

''یہ میں نے آرٹیکل بھیجا تھا اور سچی رتی برابر یقین نہیں تھا کہ یہ چھپ بھی جائے گا میری انگلش کب اتنی اچھی ہے ابھی، پھر بھی انہوں نے تھوڑی سی تصحیح کے بعد لگا دیا، ہائے میں نے کالج میں دیکھا تو پھر تو مجھ سے کوئی کلاس نہیں لی جا رہی تھی میں نے اخبار کے آفس فون بھی کیا انہوں نے اور بھی تعریف کی اور مزید لکھنے کو کہا اور پتا ہے اس کا معاوضہ بھی ملے گا دیکھو اللہ نے میری سن لی میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہ رہی تھی میں نے بہت دعا مانگی تھی کہ اللہ کوئی اور وسیلہ بنا دے چاہے چھوٹا سا ہی اور بن گیا، پڑھو یہ سب میں نے لکھا ہے مجھے خود پڑھ کر یقین نہیں آ رہا'' وہ پر جوش انداز میں چمکتی نظروں اور سرخ چہرے کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ونڈر فل زبردست، دیکھا جب انسان کچھ کرنے کا تہیہ کر لیتا ہے اور بالکل فنیر انداز میں کام کرنا چاہتا ہے تو پھر اللہ کیسے کیسے غیبی طریقوں سے اس کی مدد کرتا ہے یہ سب تمہاری نیک نیتی مضبوط ارادے اور اماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے مبارک ہو بہت'' صبوحی پر خلوص لہجے میں مبارک دیتے ہوئے اسے گلے لگا کر بولی۔

''اور تم جیسی پیاری بہن کی ان تھک محنت اور پر خلوص محبت بھی تو شامل ہے میرا نصیب بننے میں۔'' وہ جواباً اس کے پیار بھرے خلوص سے متاثر ہو کر بولی۔

''نصیب کا لکھا تو ہر حال میں ہو کر رہتا ہے باقی مددگار تو سب وسیلے ہوتے ہیں بے چارے مدد کرنے پر مجبور، میں اب چلتی ہوں اخبار ساتھ لے جا رہی ہوں کسی کلاس کے دوران ٹائم ملا تو دیکھوں گی ورنہ گھر آ کر رات کو سکون سے پڑھوں گی دوسرے اپنے کولیگز میں ذرا شو ہی ماروں گی بھئی آج سے ہمارے گھر کا ایک ممبر بھی لکھاریوں میں شامل ہو گیا ہے۔'' وہ اخبار تہ کر کے اپنے ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے بولی تو صبا کھل کر مسکرا دی۔

''ابھی تو اماں کو بھی یہ خوشخبری سنانی تھی انجی اور افشی آپی کو بھی افشی آپی تو شاید خوش نہ ہوں وہ آج کل اتنی پریشان جو ہوں گی پتا نہیں بے چارے جاوید بھائی پہ کیا گزری ہو گی اب اماں خیر سے لوٹیں پہلے ہی وہ اتنی پریشانیاں جھیل رہی ہیں اب کوئی مسئلہ نہ ہو۔'' صبوحی کے جانے کے بعد وہ اپنے لیے چائے بناتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اور مسئلہ تو پیدا ہو گیا تھا جاوید بھائی کی نوکری یا روزگار کا ورنہ افشی کا ادھر آ کر بیٹھ

جانا لازمی تھا اماں ان دنوں بھی بہت پریشان تھیں۔

"پتا نہیں کیوں ایک دن کا بھی سکون نہیں ایک مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ دوسرا پیدا ہو جاتا ہے اللہ ہمارے گناہ معاف کرے" اماں اب جاوید بھائی کے روزگار کے لیے مختلف قسم کے وظیفے کر رہی تھیں۔

یونہی باتوں میں ایک دن اماں نے ڈاکٹر صاحب سے اس مسئلے کا ذکر کر دیا وہ انہیں تسلی دینے لگے کہ آپ فکر نہ کریں اللہ مالک ہے افشی اگلے ہفتے آ رہی تھیں اور اب کے ان کا قیام کتنا طویل ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا۔

"اماں جی میرے ایک دوست کی فیکٹری ہے لاہور گوجرانوالہ روڈ پر اسے اکاؤنٹنٹ کی ضرورت ہے میں نے اسے فون کر دیا ہے آپ کل اپنے داماد کو بھیج دیں" ڈاکٹر شاہ زیب نے ایک بار پھر انہیں زیر بار کر دیا تو تشکر کے مارے کچھ بول ہی نہ سکیں۔

اور جاوید بھائی کو نوکری مل بھی گئی کوریا جانے والا سبق یقیناً بہت بڑا تھا کہ وہ اب مزدوری کرنے پر بھی تیار تھے۔ افشی آئیں اور ہفتہ رہ کر چلی گئیں۔

"اماں جاوید کو کھانے کی دقت ہوتی ہے پھپھو تو اب پکا بھی نہیں سکتیں شوگر سے سارے جسم پر آگ کے قریب جاتے ہی الرجی ہو جاتی ہے انہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا شکر یہ ادا کر دیجیے گا اور سچی بات کہوں اماں" وہ آنکھوں میں چمک بھر کر سرگوشی والے انداز میں بولیں۔

"اتنے ہمدرد اتنے خیال رکھنے والے ہیں ذرا ان کی فیملی کے بارے میں تو ٹوہ کیجیے آپ۔" وہ کسی خیال کے تحت بولیں۔

"ماں باپ ہیں نہیں خود اکلوتا تھا آٹھ سال پہلے شادی کی تھی پہلی زچگی کے دوران کوئی پیچیدگی ہوگئی بیوی اور بچہ دونوں ہی فوت ہو گئے دوبارہ شادی کا خیال نہیں آیا۔ اس نے کچھ بھی نہیں چھپایا پہلی بار میں سب صاف صاف بتا دیا تھا۔" اماں نے تفصیل بتائی۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔" آپ چند ماہ دیکھ کر میں تو کہتی ہوں صبوحی کے لیے خود سے بات کر لیں ایسا لائق قابل اور خیال کرنے والا داماد آپ کو اور کہاں ملے گا" افشی کی بات پر اماں چپ سی کر گئیں۔

"چلیں دیکھیں گے ابھی تو ہم خود اس کے مقروض ہیں قرض اترے گا تو کچھ سوچیں گے پھر ایسی باتیں لڑکی والے خود سے کریں تو اچھا نہیں لگتا۔" اماں نے ٹالنے والے

انداز میں کہا۔

"جانے دیں اماں اب کون سا زمانہ ہے ان آؤٹ آف فیشن باتوں کو سینے سے لگانے کا۔" وہ ناک چڑھا کر بولیں۔

"اچھا دیکھیں گے۔"

"ایسا رشتہ ہاتھ سے نکل گیا تو پچھتائیں گی میری بات یاد رکھیے گا۔" وہ جاتے جاتے بھی کہنا نہ بھولیں۔

پھر انجی آگئی اس کی اگلے ماہ ڈلیوری تھی۔ اماں افشی کو پہلے بچے کی دفعہ گھر نہ لانے کے طعنے نہیں بھولی تھیں اس لیے انجی کو مہینہ بھر پہلے لے آئیں اسی بہانے عامر بھائی بھی آنے لگے جس پر صبا اور صبوحی دونوں کڑھنے لگیں۔

اب اگرچہ حالات بدل چکے تھے۔ اور عامر بھائی کی نظروں کا انداز بھی مگر جو میل ان کی طرف سے ان دونوں کے دل میں آچکی تھی وہ کسی طور صاف ہونے والی نہیں تھی اگرچہ انجی کے حوالے سے وہ ان کا بہت احترام کرتی تھیں مگر دل سے عزت؟ یہ کام مشکل تھا۔

دوسرے مہینے انجی کے ہاں بیٹی ہوگئی جس پر عامر بھائی کا موڈ آف ہو گیا۔

"میرے بھائیوں کے بھی دوستوں کے ہاں پہلی بار میں بیٹا ہوا ہے ایک میرے ساتھ ہی نرالا ہوا ہے" ان کا موڈ ہی ٹھیک نہیں ہو رہا تھا انہوں نے بچی کو دیکھا تک نہیں ان کی والدہ اور بھائی بھابی بھی بس کھڑے کھڑے آئے اور انجی کی خیر خیریت پوچھ کر چلے گئے۔

اس کے بعد عامر بھائی نے پورے ڈیڑھ ماہ میں تین چکر لگائے وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے۔

"ایسے لوگ جو دوسروں کی بیٹیوں کو میلی نظروں سے دیکھیں اپنے گھر بیٹی ہو جائے تو صدمے سے ان میں کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رہتی بزدل لوگ۔" صبوحی نے ایک دن یہی بات کہہ ہی ڈالی اور صبا اس کی بات کی تردید بھی نہ کر سکی۔

گھر میں انجی اور اس کی بیٹی کی وجہ سے کام بہت بڑھ گیا ان دونوں کو جو تھوڑا بہت فارغ وقت ملتا اب وہ بھی نہیں ملتا تھا ابھی اس نے نیچے کلینک میں جانا نہیں چھوڑا تھا ڈاکٹر صاحب نے اس کی تنخواہ بھی بڑھا دی تھی اور اپنا التفات بھی جو اسے ذرا بھی اچھا نہیں لگتا تھا مگر مشکل یہ تھی کی ابھی اخراجات پورے کرنے کے لیے یہ نوکری اس کی مجبوری تھی اب تو

یوں بی ایس سی میڈیکل کا دوسرا سال تھا اس کی پڑھائی کا شیڈول خاصا ٹائیٹ ہوتا جا رہا تھا اسے یہ تین گھنٹے نکالنا بھی مشکل لگتا انجی چلی گئی تو جیسے کتنی مصروفیت کم ہو کر رہ گئی اب اسے پڑھنے کو بھی کافی ٹائم مل جاتا۔

اس روز کالج نہیں گئی تھی اور بیٹھی پڑھ رہی تھی جب اماں ہانپتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئیں ان کے چہرے کا رنگ اڑا جا رہا تھا۔

"صبا دروازہ بند کر لو میں ابھی آتی ہوں۔" وہ اسے کچھ بھی بتائے بغیر چادر اور اپنا پرس اٹھا کر الٹے قدموں سیڑھیوں کی طرف مڑ گئیں۔

"اماں کہاں جا رہی ہیں کچھ بتا کر تو جائیں۔" وہ گھبرا کر ان کے پیچھے لپکی۔

"میں بس ابھی آ کر بتاتی ہوں نیچے گیٹ کی چابی ہے میرے پاس تم اُوپر سے بند کر لو" وہ کچھ بھی کہے بغیر سیڑھیاں اتر گئیں۔

صبا پلٹ کر انہیں کھڑکی سے دیکھنے لگی وہ تیز قدموں سے جا رہی تھیں۔

"پتا نہیں کہاں گئی ہیں ابھی کون آیا تھا کہ اماں نیچے دیکھنے گئیں اور......" وہ پریشان ہو کر ٹہلنے لگی۔ اس کی پریشانی زیادہ دیر تک نہ رہی تھوڑی دیر میں نیچے رکشا کی آواز آئی وہ دوڑ کر کھڑکی میں گئی۔

اماں کسی کو سہارا دے کر رکشا سے اتار رہی تھیں۔

"کون ہے؟ اماں کیساتھ" اس کا دل دھڑکا۔

وہ من من کے قدموں کو گھسیٹتی ہوئی نیچے اتری اور گیٹ کھول کر ماں کے ساتھ سہارا دے کر اس مردہ حال نیم جان موئی کے ڈھانچے کو گھسیٹ کر اوپر لے آئی۔

"نشے کی زیادتی اور خوراک کی کمی نے اس کے اندر کا سارا نظام بالکل کھوکھلا کر دیا ہے اب اس کے اندر کچھ بھی نہیں، میں آپ کو کوئی زیادہ امید نہیں دلا سکتا"۔ شام کو ڈاکٹر شاہ زیب کے چیک اپ کے بعد کہے گئے الفاظ نے ان تینوں کے جسموں سے جیسے روح کھینچ لی۔

وہ اتنا عرصہ دل میں اس حقیقت سے نظریں چرائے یہی سوچتی رہتی تھیں کہ وہ زندہ ہو، اور ٹھیک ہوگا انہیں تو پتا ہی نہیں تھا وہ ان کے پاس اس حال میں پہنچے گا کہ اس کے بدن میں سانسیں بھی شاید گنتی کی بچی ہوں گی۔

"ڈاکٹر صاحب جیسا بھی علاج جس طرح کا بھی علاج ہو میں کراؤں گی چاہے

مجھے یہ گھر بیچنا پڑے آپ کسی اور ڈاکٹر کا بتا دیں جو ایسے مریضوں کا علاج کرتا ہو" کہتے ہوئے اماں پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"اماں آپ تو بہت حوصلے والی ہیں اتنی بڑی بڑی مصیبتیں جھیل گئیں اسے بھی ایک امتحان سمجھیں زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے ہم صرف دوا کر سکتے ہیں یا دعا۔ وہ آپ کیجیے میں اس سلسلے میں کچھ کرتا ہوں جو میرے بس میں ہے۔" ڈاکٹر شاہ زیب نے ایک بار پھر اس مشکل کی گھڑی میں ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

اماں رونے لگیں کبھی بستر پر پڑے اس ڈھانچے کو دیکھتیں اور کبھی ڈاکٹر شاہ زیب کو 'دعا اور دوا تو بعد کی بات تھی وہ تو انہیں رات تک بچتا محال نظر آ رہا تھا اور جہاں سے وہ اسے اٹھا کر لائی تھیں تعفن زدہ گندے نالے کے کنارے سے اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اور اس کے گرد کیڑے رینگ رہے تھے وہ دو دن سے ادھر اس طرح پڑا تھا ارد گرد کوڑے اور گندگی کے ڈھیر اور ان پر منڈلاتے چیل گدھ کوّے خارشی کتے اور مریل بلیاں' پتا نہیں خدا نے کس فرشتے کو بھیجا جس نے اس حال میں بھی اسے پہچان لیا اور گھر آ کر اطلاع کی۔

"شاید اسے میری نظروں کے سامنے رخصت ہونا تھا اس لیے۔" ان کے دل نے چیخ کر کہا تو وہ اپنی چیخوں پر قابو نہ رکھ سکیں۔

☆ ☆ ☆

اور پھر کوئی معجزہ تھا یا ماں کی دعاؤں کی طاقت کہ ایک مردے میں اللہ نے جان ڈال دی دو ماہ دس دن بعد اس نے اماں کو اور بہنوں کو پہچان کر آنسو بہائے تھے تکیے سے ٹیک لگا کر چمچے سے یخنی پی تھی۔

"اماں مجھے معاف کر دیں' اماں میں بھٹک گیا تھا شیطان نے مجھے کہیں کا نہ رہنے دیا اور اس نشے نے اماں جیتے جی مجھے آپ سے اپنی بہنوں سے اور گھر سے دور کر دیا میں گلیوں میں نالیوں میں رلتا رہا ہوں پیسے ہونے کے باوجود میں دو دو دن کچھ نہیں کھاتا تھا صرف یہ انجکشن اور پڑیا، پتا نہیں اماں یہ کیسا زہر ہے کہ نہ مارتا ہے نہ جینے دیتا ہے بس اندر ہی اندر کسی اندھیرے میں اتارتا جاتا ہے' اماں یہ کیسی غفلت ہوتی ہے نہ اپنے بدن کا ہوش نہ روح کا پتا نہ دل کی خبر........ اماں یہ کیا ہے؟ اور اس سب کے بعد میں زندہ بھی کیوں ہوں میں کیسے آپ لوگوں سے نظریں ملاؤں اماں مجھے معاف نہ کرنا میں معافی کے قابل نہیں ......" وہ بچوں کی

طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا اور اماں تو اسی گھڑی اس کا ہر گناہ ہر جرم بخش چکی تھیں جس گھڑی نالے کے پاس کسی مردار کی طرح پڑا اسے دیکھ چکی تھیں۔

صبا اور صبوحی نے بھی اسے دل سے معاف کر دیا وہ زندہ سلامت لوٹ آیا تھا اور اب توبہ کے بعد تائب ہونے کا ارادہ بھی رکھتا تھا تو انہیں اور کیا چاہیے تھا انہیں اس پر ہمیشہ غصہ آیا تھا نفرت کبھی نہیں ہوئی تھی اور غصہ تو آتا ہی اتر جانے کے لیے ہے سو ان کا غصہ بھی اتر چکا تھا۔

''تم بس اس ذلیل نشے کو ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرو ہمیں تم سے اور کچھ نہیں چاہیے بس تم خود سے عہد کرو'' صبا نے اس کے روکھے بالوں کو سلجھاتے ہوئے کہا۔

''وعدہ.....وعدہ کرتا ہوں تم سے نہیں خود سے۔''

وہ اب نقاہت کے مارے ہانپنے لگا تھا اماں نے اسے لٹا دیا اب تو اچھے دن پاس آہی گئے تھے سو بے قراری کیسی؟ اماں شکرانے کے نوافل ادا کرنے چل دیں۔

☆ ☆ ☆

صبا کا تھرڈ پراف ختم ہوا تھا اور وہ آج کل فارغ تھی جب ایک بار بلکہ ایک زمانے کے بعد خوشیوں نے ان کا در کھٹکھٹایا اماں کا اور اس کا خیال تھا سر عبداللہ کوئی پینتیس پچاس برس کے ہوں گے جن کی نرم مزاجی کے گیت صبوحی گاتی رہتی ہے وہ تو محض پینتیس برس کے نکلے اور بڑے اعتماد اور شائستہ انداز میں انہوں نے اماں سے صبوحی کا ہاتھ مانگ لیا۔

''میری والدہ میرے بچپن میں فوت ہو گئی تھیں والد اور چھوٹا بھائی تھا میرا تعلق مظفر آباد سے ہے ایک سال پہلے والد کا انتقال ہو گیا تو بھائی کو بھی میں ادھر ہی لے آیا رشتہ دار اور کوئی ہے نہیں سوائے ایک چچا کے وہ کچھ خفا ہیں' مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتے تھے اور ان کی بیٹی ....وہ کہیں اور دلچسپی رکھتی تھی اس کے کہنے پر میں نے چچا سے انکار کر دیا تو بس' ویسے میں کسی دن انہیں بھی لے آؤں گا آپ تسلی رکھیں۔'' انہوں نے آہستہ آہستہ بتاتے ہوئے جیسے اماں کی تسلی کرا دی۔

''اصل میں بیٹا میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کم از کم دو سال کہ بیٹی کو بیاہنے کے لیے ....'' اماں متذبذب سا ہو کر بولیں ورنہ سامنے بیٹھے وجیہ خوبرو پڑھے لکھے رشتے کو ٹھکرانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

''اماں جی آپ سوچ لیں مجھے بھی کوئی جلدی نہیں اور مجھے آپ کی سلجھی ہوئی میچور سوچ والی بیٹی کے سوا جہیز وغیرہ کچھ نہیں چاہیے۔'' انہوں نے فوراً کہا تو اماں ہلکا سا مسکرا دیں۔

اور حسن اتفاق تھا یہ کہ اسی رات ڈاکٹر شاہ زیب نے اماں سے صبا کے لیے اپنے رشتے کی بات کر ڈالی اماں کا کمزور دل تو جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

''ابھی تو اس کے دو سال باقی ہیں آپ کو تو پتا ہے۔'' ان کی آواز کی کپکپاہٹ خود ان پر بھی عیاں تھی۔

''میں صرف آپ سے ذکر کر رہا ہوں ارادہ میرا بھی ایک دو سالوں میں ہی کرنے کا ہے۔'' وہ اطمینان سے بولے۔

''میں صبا سے بات کیے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' اماں نے فوراً کہا سر عبداللہ کے آنے پر انہوں نے صبوحی کے چمکتے چہرے اور شرمیلی مسکان سے اس کی پسندیدگی کا اندازہ لگا لیا تھا جبکہ صبا کی بات اور تھی۔

''آپ رائے لے لیں صبا کی۔'' وہ اسی پرسکون لہجے میں بولے۔

''اب معین کیسا ہے۔''

''الحمدللہ بہت بہتر اب تو اٹھ کر چلتا پھرتا ہے خود سے کھاتا پیتا ہے آج تو بازار جا کر سبزی بھی لے کر آیا بلکہ ہفتہ بھر سے باہر بھی جانے لگا ہے اللہ کا شکر ہے اماں تشکر بھرے لہجے میں بولیں۔

''پھر بھی خیال رکھیے گا جسم تو اس کا توانا ہو چکا ہے' ہو رہا ہے مگر روح ابھی بھی بہت کمزور ہے اور قوت مدافعت اس سے بھی زیادہ اور میرے خیال میں اب اسے کسی نشہ چھڑانے والے سینٹر کی ممبر شپ دلوانی چاہیے وہ کچھ دن اسے پاس رکھ کر اس کی قوت مدافعت بہتر کریں گے میں کل آپ کو اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا'' وہ جاتے جاتے کہہ گئے تو اماں ایک بار پھر مشکور نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

''اماں آپ کو یاد ہے وہ بات'' وہ رات دونوں اماں کے پاس ہو بیٹھی تھیں کہ صبوحی بولی اماں نے صبا سے ڈاکٹر صاحب کے رشتے کی بات کی تو وہ چپ کر گئی۔

"کون سی بات؟"

"وہ اماں ......" وہ جھجک کر صبا کی طرف دیکھنے لگی۔ "وہ خالہ اماں والی جو وہ جاتے جاتے اپنے بیٹے کے لیے......انگوٹھی دے گئی تھیں۔" صبوحی کی بات پر اماں کو جیسے چپ سی لگ گئی کتنی دیر ان سے کچھ بولا نہیں گیا۔

"اماں۔" صبوحی نے ان کا ہاتھ ہلایا۔

"ہوں' بھائی کو دودھ دے آئی۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں بولی ان کی نظریں صبا کی جھکی ہوئی لرزتی پلکوں پر تھیں۔

"یاد ہے میں کیسے بھول سکتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولیں۔

"اور وہ انگوٹھی ......میرے خیال میں اس سارے کرائسسز میں کہاں بچی ہوگی۔" وہ ہولے سے بولی تو اماں اٹھ کر اپنی الماری میں کچھ ڈھونڈنے لگیں۔

تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد وہ مڑیں تو ان کی ہتھیلی پر وہی انگوٹھی جگر جگر کر رہی تھی۔

"اماں یہ آپ کے پاس ابھی بھی ہے" صبوحی کے حلق سے چیخ نکلی۔

"تمہاری ماں خائن نہیں ہے صبو اور جو میں اس انگوٹھی کو استعمال میں لے آتی تو عبدالرحمٰن کی بات سچ ثابت کر دیتی کہ مہانداری کا معاوضہ وصول کر لیتی ایسی کمینی تو نہیں تھی میں" وہ کہتے ہوئے افسردہ سی پلنگ پر بیٹھ گئیں صبا ایک دم سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

صبوحی اور اماں کچھ دیر باتیں کرتی رہیں پھر وہ بھی لائٹیں بجھا کر سو گئیں۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب سرہانے ہونے والی کھڑ پڑ پر ان کی آنکھ کھلی ہر طرف مکمل خاموشی تھی "کوئی چوہا ہوگا۔" انہوں نے سر جھٹکا شاید آدھی رات کا ٹائم تھا جو پھر سے نیند غالب آ گئی وہ تہجد کے لیے بھی دیر سے اٹھیں۔

اور مونی کا خالی بستر دیکھتے ہی ایک دم سے ان کا دھیان اس کھڑ پڑ کی طرف چلا گیا۔انہوں نے جلدی سے لائٹ آن کر دی۔

"صبا مونی کہاں ہے' مونی۔" وہ بے قراری سے آوازیں دیتی ہوئی باہر نکل آئیں۔مونی کہیں بھی نہیں تھا۔

"اماں وہ انگوٹھی ......" صبوحی سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

انگوٹھی ان کے سرہانے کے نیچے سے غائب تھی اماں وہیں نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔

"مونی اللہ کرے تو اب مجھے کبھی نہ ملے تو نے جیتے جی یہ داغ بھی میری پیشانی پر لگا دیا بددیانتی کا......" وہ سر پکڑ کر سینے پر دو ہتڑ مار کر بولیں۔

صبا چوکھٹ کے پاس کھڑی آنسو پیتی رہی پھر روتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی۔

"مونی ...." اماں نے کیسی فریاد حلق سے نکالی تھی اور رات کے گھورا اندھیرے میں انگوٹھی مٹھی میں دبائے ہڈیوں کی چٹخن سے مجبور مونی اندھا دھند بھاگتے ہوئے کسی گاڑی سے ٹکرایا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

وقت کی سوئیاں جیسے چار سال پیچھے بھاگنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

رکشا کی ونڈ اسکرین پر بارش کی ننھی ننھی بوندیں پھسل پھسل کر گر رہی تھیں برستی بارش میں تیزی آ رہی تھی اور شام کی گہرائی میں بھی اور اس کی آنکھوں کے آگے چھاتی دھند میں بھی۔

وہ چاہ کر بھی اپنے بائیں جانب نہیں دیکھنا چاہتا تھا وہ اپنے پہاڑ جیسے حوصلے والی ماں کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا یا اپنے آنسو اپنی ماں سے چھپانا چاہ رہا تھا۔

گاڑی پورے چار گھنٹے لیٹ تھی۔

اور ویٹنگ روم جیسے کسی برف خانے کا کوئی حصہ تھا۔

"کہہ رہے ہیں شاید گاڑی رات بھر نہ آئے۔"

اس جملے نے ان دونوں کی رہی سہی طاقت بھی نچوڑ لی۔

☆ ☆ ☆

"وہ ڈاکٹر حنیف کے ساتھ O,T کی طرف جا رہی تھی کہ کاریڈور سے گزرتے ہوئے ڈاکٹر حنیف نے ڈاکٹر ظفر کا دروازہ ہلکی سی دستک دے کر کھول لیا۔

"ہیلو ڈاکٹر ظفر میں ایک گھنٹے تک فارغ ہو جاؤں گا آپ جائیے گا نہیں میں بس آ رہا ہوں۔" انہوں نے ذرا سا دروازے کے اندر ہو کر ڈاکٹر ظفر سے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازہ دوبارہ بھیڑ کر آگے چل دیے۔

ان تین فقروں کو بولنے دروازہ کھولنے اور بند ہونے میں محض چالیس یا پینتیس سیکنڈز لگے ہوں گے یا شاید اس سے بھی کم اور وہ تو ان سے دو قدم پیچھے ہی آ رہی تھی ان کے

پہلا فقرہ بولنے تک ان کے قریب پہنچی تھی اور ہونہی نظریں اٹھا کر ادھ کھلے دروازے کے اندر اس نے دیکھا تھا اور اسکی بھٹکتی ہوئی نظریں ساعت بھر کو جیسے پتھرا کر رہ گئیں اس کی سماعتوں نے ڈاکٹر حنیف کی پوری بات نہیں سنی تھی۔اس کا سکتہ اس وقت ٹوٹا جب دروازہ بند ہو گیا۔

”آیئے ڈاکٹر صبا پلیز ہری اپ۔“ ڈاکٹر حنیف نے اسے یوں گم سم اس جگہ جے کھڑے دیکھا تو مڑ کر کہا وہ اس سے چار قدم آگے جا چکے تھے اس نے اجنبی نظروں سے ڈاکٹر حنیف کو دیکھا۔

”آر یو آل رائٹ؟“ ڈاکٹر اسے یوں دیکھنے پر کچھ تشویش سے بولے۔

”یس سر!“ وہ پست آواز میں بولی اور بے جان قدموں کو گھسیٹتی ہوئی ان کے پیچھے چل دی۔

”ایکسکیوزمی ڈاکٹر صاحب میں اگر تھوڑی دیر میں آ جاؤں تو......“ وہ بمشکل ان تک پہنچی تھی۔ڈاکٹر حنیف کا ایک قدم اس کے تین قدموں کے برابر تھا۔

”ناٹ ایٹ آل آپ کو معلوم ہے آج کی آپ کی اسائنمنٹ کتنی امپورٹنٹ ہے مس صبا میں آپ کو پرمیشن نہیں دے سکتا سوری۔“ وہ کہتے ہوئے جھپاک سے O.T میں گھس گئے تو وہ بے بس نظروں سے اس کو دیکھتی رہ گئی ایک نظر پلٹ کر کاریڈور کے اس موڑ کو دیکھا اور پھر آہستگی سے O.T کا دروازہ دھکیل کر اندر چلی گئی۔

وہ چالیس منٹ اس نے ایک اضطراب اور پریشانی کی کیفیت میں بتائے دوبارہ ڈاکٹر حنیف نے اسے ٹوکا کہ وہ مینٹلی ڈسٹرب ہے تو باہر چلی جائے۔

”مس صبا کسی بھی میجر سرجری میں تقدیر سے زیادہ اس سرجری کو آپریٹ کرنے والے ڈاکٹرز کا ہاتھ ہوتا ہے کہ وہ کتنا اس پیشنٹ کو موت کے قریب دھکیلتے ہیں اور کتنا زندگی کے پاس لاتے ہیں چونکہ آپ نے ایسی غیر حاضر دماغی کا مظاہرہ پہلی بار کیا ہے تو میں اسے معاف کرتا ہوں مگر آئندہ O.T میں داخل ہونے سے پہلے اپنے دماغ سے ہر قسم کی پرسنل پریشانی، دکھ، اضطراب یا کسی بھی ایموشن کو دور جھٹک کر آئیں۔ورنہ ہو سکتا ہے کسی کی موت کا اندراج عزرائیل کے ہاتھوں تو ہو مگر اس کی وجہ آپ کی غفلت ہو اور آپ یقیناً یہ کبھی نہیں چاہیں گی کہ بغیر کسی عناد بغض یا دشمنی کے آپ کسی بھی انسان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لیں اور آئندہ میں یہ سب دہراؤں گا بھی نہیں۔

ڈاکٹر حنیف O.T سے باہر آ کر اس سے ایسے سرزنش بھرے انداز میں مخاطب ہوں گے یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا میڈیکل کیریئر کے پورے پانچ سال اور ہاؤس جاب کے گزشتہ سات ماہ اسے آج تک اپنی غیر حاضر دماغی یا غفلت کے بارے میں کچھ نہیں سننا پڑا تھا وہ اپنی کلاس کی سب سے زیادہ ایکٹیو اسٹوڈنٹ تھی اور اساتذہ برملا اس کی توجہ اور حاضر دماغی کا فخریہ ذکر کیا کرتے تھے اور آج اتنے اہم اسائنمنٹ کے موقع پر...... اس کی آنکھیں بھیگ گئیں سر جھکا کر انگلیاں چٹخاتی رہی۔

”میں یہ نہیں کہتا کہ ڈاکٹرز انسان نہیں ہوتے مگر ایسے انسان جنہیں اپنے جذبات پر مکمل کنٹرول حاصل ہونا چاہیے مجھے آج آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں بہتر ہے شارٹ لیو لے کر گھر چلی جائیں او کے“ وہ اسے مشورہ دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

وہ ان کے جاتے ہی سر جھٹکتے ہوئے برق رفتاری سے کاریڈور عبور کرتی ڈاکٹر ظفر کے کمرے کی طرف آئی۔

برآمدے میں دونوں اطراف پڑے لکڑی کے بنچوں پر اکا دکا لوگ بیٹھے ہوئے تھے جبکہ ڈاکٹر ظفر کا کمرہ بلکل خالی تھا حتیٰ کہ ڈاکٹر صاحب بھی کمرے میں موجود نہیں تھے وہ دروازے کا ہینڈل تھامے ساکت کھڑی رہ گئی۔

کیا تھا اس وقت صرف دو منٹ کے لیے میں اندر آ جاتی اور خود بات کر لیتی ......“ اس نے شکست خوردہ انداز میں دروازہ بند کرتے ہوئے خود کو جھڑکا۔

”مگر کیا بات کرتی...... برسوں کی مسافت کیا دو منٹوں میں طے ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔“

وہ نڈھال قدموں سے گویا اپنے بدن کو گھسیٹ کر چل رہی تھی ان سارے برسوں کا وزن اس کے شانوں پر آگرا تھا۔

اس نے کاریڈور کے آخری سرے پر رک کر دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے پلٹ کر ایک سرسری نگاہ دور تک دوڑائی تھی۔

سارا برآمدہ مریضوں ہسپتال کے عملے مریضوں کے عزیز و اقارب سے بھرا ہوا تھا جو روز کا معمول تھا اس کی نظروں کے لیے ایک شناسا منظر جو اس لمحے بالکل اجنبی لگ رہا تھا۔

اس نے تھک کر خود کو گھسیٹا اور سیڑھیاں اترنے لگی۔

☆ ☆ ☆

''اماں میں جھوٹ کیوں بولوں گی اور یقین جانیں میری نظروں کو دھوکا بھی نہیں ہوا اور میری نظر کمزور ضرور ہے مگر گلاسسز اس وقت میری آنکھوں پر موجود تھے میں نے خود دیکھا وہ......وہ خالہ اماں ہی تھیں پہلے سے کافی کمزور مگر بالکل وہی۔''

وہ بہت دیر تک اماں کو نہ بتانے سے خود کو روک نہ سکی۔

حالانکہ رستہ بھر اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اماں کو بھی نہیں بتائے گی ایک ہاتھ سے پھسل جانے والے لمحے کا کیا ذکر کیا جائے اور اسے کیا نام دیا جائے گا اور اماں، تو یہی کہیں گی اس کی نظروں کو دھوکا ہوا ہے اور انہوں نے یہی کہا بھی۔

''اور تم کیسی ہونق بے وقوف، ذرا لپک کر ان سے نہیں مل سکتی تھیں کوئی پتا فون نمبر کچھ اتا پتا ہی لے لیتیں، ہائے میں نے تو بڑی مشکلوں سے اپنے بے قرار دل کو سنبھال رکھا تھا بچھڑے ہوؤں کے غم میں، تو نے پھر اس پنکھے کو ہوا دے دی اب کیسے قرار آئے گا مجھے ہائے۔'' وہ بے چینی و بے قراری سے اپنا سینہ مسلنے لگیں۔

''اماں اگر خالہ اماں اسی شہر میں ہیں تو کیا وہ خود آپ سے، ہم سے رابطہ نہیں کر سکتی تھیں۔'' اس کی بات پر اماں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''احمق تجھے کس جاہل نے ڈاکٹری کی ڈگری دی ہے بے چاری ہم سے کیسے رابطہ کرتیں گھر تو ہم چھوڑ آئے یہ علاقہ ان کے گمان میں بھی نہیں ہوگا پھر انجی کی شادی بھی ان کے بعد ہوئی اس کے گھر کا بھی انہیں علم نہیں اور کون ہے ہمارا جس سے وہ ہمارا پتہ پوچھتیں۔''

وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں تو اسے ان کی بات میں وزن نظر آیا۔

''ٹھیک کہتی ہیں آپ۔'' وہ تھکن زدہ آواز میں بولی۔

''اماں میں چائے بنانے جا رہی ہوں آپ پئیں گی میرے سر میں تو درد ہے کوئی ٹیبلٹ لیتی ہوں ساتھ۔'' وہ اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''خبردار خالی پیٹ چائے نہیں لینا صبح بھی صرف چائے پی کر گئیں تھیں تم، شکل دیکھی ہے اپنی کسی فاقہ زدہ ملک سے آئی ہوئی لگتی ہو میں نے کھانا بنا لیا ہے روٹی ڈالتی ہوں، کھانا کھا کر پھر بے شک چائے پی لینا'' وہ اٹھتے ہوئے خفا سے لہجے میں بولیں۔

''اور سنو'' وہ چینج کرنے جا رہی تھی کہ اماں نے اسے آواز دے کر روکا وہ مڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''کیا سوچا ہے تم نے، دیکھو اب میں مزید ڈاکٹر شاہ زیب کو ٹال نہیں سکتی اب تو انہوں نے اپنا کلینک بھی سیٹ کر لیا ہے کتنا انہوں نے کہا کہ تم شام میں ان کے کلینک پر آ جایا کرو مگر نہ جانے تمہیں ان سے کیا ضد ہے دوسرے کلینک پر جانے لگیں مگر ادھر کی ہامی نہیں بھری پھر بھی بے چارے نے جتایا نہیں اب شادی کے لیے کہہ رہا ہے ڈیفنس میں گھر بھی لے لیا ہے اور چلنے کو کہتا ہے کہ اماں چل کر دیکھ لیں تو میں گھر کا سودا کر لوں ایک تمہیں ہی فرصت نہیں ملتی، اس بے چارے نے کیسے دن رات محنت کر کے مریضوں میں کھپ کر اتنا جمع کیا کہ گھر لے سکے اور بے غرض۔۔۔۔ ہم لوگوں کی ہر کڑے موقع پر مدد کرتا رہا اور تمہارے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے اب تو مجھے لگتا ہے مجھے خود ہی کوئی فیصلہ کر کے اسے شادی کی تاریخ دینی پڑے گی۔'' وہ کھڑے کھڑے اسے بے نقط سنا گئیں بہت دنوں بعد وہ اس لہجے میں بولی تھیں۔

''اماں نہ تو وہ بے چارے ہیں نہ یہ سب ان کی شب و روز محنت کا اجر ہے جس طرح کی محنتیں وہ کرتے ہیں مجھے علم ہے، اماں آپ خود سے کوئی فیصلہ کر سکتی ہیں جب کہ آپ کو معلوم ہے میں اگر ان کے کلینک میں ان کے ساتھ چند گھنٹے کام نہیں کر سکتی تو ساری زندگی ان کے ساتھ کیسے بسر کر سکتی ہوں۔'' اس نے بھی آج بغیر لگی لپٹی کے صاف جواب دے دیا۔

''کیا؟'' اماں حیرت زدہ لہجے میں بولیں۔

''وجہ پوچھ سکتی ہوں۔''

''اماں بظاہر وجوہات کا آپ کو بھی علم ہے میں پہلے بھی بتا چکی ہوں وہ چھوٹی موٹی بے ایمانیوں کو جائز سمجھتے ہیں اور میں......اماں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتی، مجھے جان بوجھ کر کسی بھی ناجائز کو جائز قرار دینا بہت مشکل لگتا ہے بلکہ ناممکن اور دوسری بات جو کسی بھی ایسے معاملے میں سب سے اہم ہوتی ہے دل کی رضا مندی اماں ڈاکٹر شاہ زیب کے لیے میرا دل کسی بھی طرح راضی نہیں ہوتا پلیز آپ مجھے مجبور نہیں کریں گی اور سچی بات میں شادی کرنا بھی نہیں چاہتی۔'' وہ کہتے ہوئے اندر مڑنے لگی۔

''ہاں ساری زندگی اماں کے سینے پر مونگ دلو سن صبا تو یقیناً اپنی نظروں میں بڑی اور معتبر ہوگئی ہوگی مگر میرے لئے وہی صبا ہے جسے میں نافرمانی دکھانے یا بے جا ضد پر بے دریغ جوتیوں سے پیٹ سکتی ہوں۔ سنا تم نے میں کوئی عمر خضر نہیں لکھوا کر آئی جو بیٹھی رہوں گی تمہاری راکھی کو، باپ بھائی......''

کہتے کہتے ان کی زبان شاید اپنے ہی دانتوں تلے آ گئی تھی ڈبڈبائی آنکھوں سے انہوں نے صبا کو دیکھا تو اس نے نظریں چرالیں وہ مڑ گئیں۔

''بلاتی ہوں صبوحی کو وہی بات کرے گی اس نوابزادی سے اسی کی بات سمجھ میں آتی ہے اسے، کیسی فرمانبردار سعادت مند بیٹی نکلی میری صبوحی کیسے شادی سے پہلے ہمارا بوجھ بٹاتی، بیٹے کی طرح کام کرتی رہی اور جب میں نے شادی کے لئے کہا تو میرے کہنے پر بلاچوں وچرا مان گئی ایک یہ ہے شروع کی ضدی اور ہٹ دھرم پر اب میں اس کی ایک نہیں سنوں گی ابھی مجھے یہ جانتی نہیں نرم میں اس کے شوق کی تکمیل کے لیے پڑی تھی یہ نہیں کہ اس کی ہراوٹ پٹانگ بات کے آگے سر جھکاتی چلی جاؤں، دیکھتی ہوں میں بھی'' وہ روٹیاں پکاتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔

''اماں آپ کو میں کیسے بتاؤں پہلے تو پھر بھی آپ کے کہنے پر آپ کے خیال سے کسی نہ کسی طرح اس دل کو راضی کر ہی رہی تھی مگر اب شاید یہ میرے لئے مشکل ہی نہیں نا ممکن بھی ہوگا خالہ اماں کے نظر آنے کے بعد......اماں ایک بار تو آپ کو بھی اپنے عہد کی تجدید کا خیال آنا چاہیے اور کچھ نہیں تو برسوں پہلے کی اس شام کا خیال......ایک بار تو اماں سوچیں میری طرح......ہم مقروض ہیں کسی بوجھل لمحے کے بوجھ تلے دبے......اس لمحے کے بوجھ سے آزاد ہونے کے لیے مجھے ایک کوشش تو کرنی ہوگی پھر آپ کی ہر بات مان لوں گی۔'' وہ چینج کیے بغیر کرسی پر بیٹھی گہری سوچوں میں گم تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کے اندر ایک کمزوری تھی اسے اپنی بات منوانا نہیں آتی۔ اسے ڈٹ جانا نہیں آتا تھا شام کے وقت صبوحی اپنے میاں عبداللہ کے ساتھ چلی آئی۔

''خالہ اماں کا مل جانا اچھی بات ہے مگر یہ کوئی ملنا تو نہ ہوا چلو! اگر وہ اسی شہر میں ہیں تو کسی نہ کسی طرح ان کا پتا مل ہی جائے گا مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے ڈاکٹر صاحبہ اس معاملے کا تمہارے معاملے میں یعنی شادی والے سلسلے سے کیا تعلق بنتا ہے کیا ڈاکٹر شاہ زیب کو اور بوڑھا کرواؤ گی وہ بے چارے کتنا اور انتظار کریں بھلا؟''

''میں نے انتظار کرنے کے لیے نہیں کہا صبو تم جانتی ہو میں نے پہلے دن انکار کر دیا تھا ٹھیک ہے انہوں نے بہت کڑے مواقع پر ہمارا ساتھ دیا ہے تھوڑا بہت مقروض بھی ہوئے

ہم مگر سب کچھ آہستہ آہستہ اتار دیا ناپسندیدگی کے باوجود میں اس قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کے ساتھ نیچے کلینک میں کام کرتی رہی پھر صبوحی میں جتنا خود کو سمجھاتی ہوں ڈاکٹر شاہ زیب کے لئے راضی کرنے کی کوشش کرتی ہوں میرا دل پدکتا ہی جاتا ہے، بتاؤ کیا کروں میں اور تم خود کہا کرتی تھیں کہ دلوں کے سودے زبردستی طے نہیں ہوتے اور یہ تو ایسا بیوپار ہے جس میں دوطرفہ رضامندی سب سے زیادہ ضروری ہے جب میرا دل ہی نہیں مانتا تو کیسے ہامی بھر لوں۔'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولتی گئی۔

''تمہارا دل کہیں اور تو انوالو نہیں؟'' صبوحی اس کے چہرے کے اثرات کو جانچتے ہوئے بولی تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کسی کو لیگ کلاس فیلو کے ساتھ ایسی انچ منٹ یا کچھ ایسی فیلنگز؟'' صبوحی نے قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔

''نہیں بھائی ایسا کچھ ہوتا تو سب سے پہلے تم سے ذکر کرتی۔'' اس کی اکتاہٹ اور بھی بڑھ گئی۔

''تو اتنی بے زاری کیوں ہو؟'' صبوحی کو اس کا چہرہ پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔

''نہیں تو.....'' اس نے جھوٹ بولا تھا صبوحی سمجھ گئی۔

''صبا میرا خیال ہے بلکہ کافی حد تک میرے دل کو یقین سا ہے میں نے کئی بار تم سے پوچھنا بھی چاہا پھر یہ سوچ کر نہ پوچھا کہ ہوسکتا ہے تمہارا اس جانب خیال بھی نہ ہو اور میں تمہیں ایسی سوچ پر لگا دوں اس لیے پوچھ نہ سکی۔'' صبوحی کے انداز پر اس کا دل دھڑکا۔

''حالانکہ ہے تو یہ بالکل معمولی سی بات اور پھر اتنا عرصہ گزر گیا ایسی سرسری بات کو بھلا کون یاد رکھتا ہے۔''

وہ آہستہ سے بڑبڑائی تھی صبا اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی بولی کچھ نہیں۔

''خالہ اماں جاتے ہوئے جو انگوٹھی تمہاری انگلی میں پہنانے لگی تھیں اور کہہ گئی تھیں کہ تم ان کے بیٹے ......کیا نام تھا بھلا سا......'' وہ یاد کرنے لگی تو صبا کو اچھی خاصی سی حیرت ہو گئی صبوحی کو عبید کا نام بھی یاد نہیں جب کہ یہ نام اس کے اندر رگ رگ میں اترا ہوا تھا۔

''ہاں یاد آیا عبیدالرحمان اچھا نام تھا اور خود جیسے کسی برنر سے نکل کر آیا ہو حالانکہ خالہ اماں خود تو گوری چٹی ......اچھا چھوڑو میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی کہیں ایسا کچھ تو نہیں ہوا

تمہارے ساتھ کچی عمر میں عموماً ایسی جذباتی باتیں دل پر انمٹ سیاہی سے لکھی جاتی ہیں لیکن مجھے یقین ہے تم سے یہ حماقت تو نہیں ہوئی ہوگی۔"

وہ اب بغور اسے دیکھتے ہوئے خود ہی تائید و تردید کیے جا رہی تھی۔

"صبوحی بھلا اماں نے ان کی وہ انگوٹھی کیوں سنبھالے رکھی تھی جب اس مدت کے دوران بارہا ایسے موقع آئے کہ اس سے ہم اپنی ضرورت کسی حد تک پوری کر سکتے تھے جو بعد میں مونی۔"

اماں کی طرح کہتے کہتے مونی کا نام لیتے ہی اس کی زبان اپنے دانتوں تلے آ گئی تھی مونی ان سب کے دلوں کی ایسی دکھتی رگ بن چکا تھا جسے وہ بھول بھی جانا چاہتی تھیں اور ہر گھڑی یاد بھی رکھنا چاہتی تھیں اکثر وہ یاد آتا تو اس شدت سے کہ دل بے اختیار پکار اٹھتا کہ وہ کہیں سے بھی آ جائے چاہے پہلی کی طرح لاغر بیمار نشئی مگر آ جائے ...... اور کبھی جب اس کے ہونے کی اذیت کا احساس دل میں جاگتا تو بے اختیار دعا نکلتی کہ وہ کہیں کسی بھی حال میں ہو بس ان کے پاس نہ آئے اور اب جب سے صبوحی کی شادی کے بعد اماں اور صبا اکیلی رہ گئی تھیں نیچے اگرچہ ایک فیملی کرائے پر رہ رہی تھی اس کے باوجود عجیب سی تنہائی کا احساس دونوں کو اپنی اپنی جگہ ستانے لگا تھا اکثر دونوں کے منہ سے بھولے سے مونی کا نام نکلنے لگا تھا اور نکلتے ہی ایک پشیمانی اور شرمساری کا احساس انہیں گھیر لیتا "محض امانت کے خیال سے کہ کل کو اگر خالہ اماں آ کر تقاضا کریں تو اماں کو یہ نہ کہنا پڑے کہ بوقت مجبوری وہ امانت میں خیانت کر بیٹھیں اور بس!" صبوحی نے بات ہی ختم کر دی۔

"اور بس" اس کے منہ سے حیرت کے باعث یہی نکل سکا۔

"ہاں بس" صبوحی نے سر ہلایا۔

"تو میرا شک درست تھا تم نے واقعی یہ بات دل میں بٹھا رکھی تھی یا اپنے دل کو اسی بات کے حصار میں باندھ رکھا ہے جو وہ کہیں اور متوجہ نہیں ہوتا" صبوحی نے اس کی حیرت سے کیا کچھ اخذ کر لیا تھا وہ فوراً ہاں، یا نہیں یا کوئی بہانہ بھی نہ گھڑ سکی۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا صبا؟" صبوحی اسکی چپ کو اپنے اندازے کی درستگی سمجھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہ بات نہیں ہے۔" اس نے پہلے ٹالنے والے انداز میں کہا اور پھر نہ جانے اس کے منہ سے کیسے پھسل گیا۔

"تو کیا بات ہے پھر؟" وہ گردن پیچھے کی جانب گراتی ہوئی بولی اس معمولی سے واقع نے اس کے اندر کیا کیا طوفان برپا کیے تھے اب وہ چاہتی بھی تو کسی کو اس تلاطم کی کہانی نہیں سنا سکتی تھی اب پلوں کے نیچے سے وہ سیلابی ریلا گزر چکا تھا جو پہلے والی صبا کو کہیں دور بہا لے گیا تھا اب اس صبا کی گمشدگی کی کہانی سنانے کا کیا فائدہ کہ جس کے گم ہو جانے کا کسی کو احساس تک نہ ہوا سوائے اس کے اپنے۔

"نہیں چھوڑو کوئی اور بات کرتے ہیں" وہ اٹھ کر کھڑکی میں جھک کر نیچے دیکھنے لگی نیچے تنگ سی اونچی نیچی گلی میں شام کی اختتامی آمد و رفت جاری تھی رات کی سیاہی شام کے جھٹپٹے میں گھل رہی تھی تھوڑی دیر میں نیچے سناٹا ہو جانا تھا ڈاکٹر شاہ زیب کے کلینک کے باعث ادھر شام سے رات تک خوب لوگوں کا آنا جانا رہتا تھا۔

"تم ڈاکٹر صاحب کے لیے ہامی بھر لو اور بس دیکھو اماں تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں اب ہم تینوں فشی آپی، انجی میں اپنے گھروں میں آباد ہیں خوش ہیں ہر طرح سے اماں کے اطمینان کا باعث ہیں تمہارے لیے اماں بہت فکرمند ہیں اگر مونی ہوتا چلو اور بات تھی مگر اب تو اماں جیسے اپنے دم سے بے بھروسہ ہوئی جا رہی ہیں اسی لیے چاہتی ہیں تم جلد سے جلد اپنے گھر کی ہو جاؤ اور......"

"اور وہ یہاں اکیلی رہ جائیں چار بیٹیوں کے پیدا کرنے کے بعد بھی ہماری ماں اس بڑھاپے اور کمزوری کے عالم میں کوئی انہیں پیاس لگنے پر ایک گلاس پانی پلانے کے لیے موجود نہ ہو نہیں صبوحی اماں کا خیال کم از کم مجھے اپنے ایسے کسی بھی نام نہاد گھر میں خوش نہیں رکھ سکتا آئی ایم سوری۔"

"سوری کی بچی یہ سب بھی تو ہم اماں کی خوشی کے لیے کر رہے ہیں۔ اماں سے بڑھ کر اور کون خوش نصیب ہوگا کہ ان کی چاروں بیٹیاں ان کی زندگی میں اپنے گھروں کی ہو جائیں اور تم اماں کی فکر نہ کرو میں اماں کے پاس ہوں دو گلیوں کا تو فاصلہ ہے پھر بھی تمہاری تسلی کے لیے اماں کے پاس نیچے والے پورشن میں آ جاتی ہوں کرایہ دے دیا کریں گے اماں کو اور اپنے گھر کے دونوں پورشنز اکیڈمی کے لیے کھول لیں گے اب بولو۔"

صبوحی نے گویا چٹکی بجاتے ہی مسئلے کا حل پیش کر دیا اس نے واقعی صبا کے بھاگنے کا...... ہر راستہ مسدود کر دیا تھا۔

"صبح ہم تینوں چل رہے ہیں ڈاکٹر شاہ زیب کے ساتھ ان کا گھر دیکھنے میں نے ان سے کہہ دیا ہے تمہارا کل آف ڈے ہے اس لیے کوئی بہانہ نہیں چلے گا کل خود بھی اور اپنے دل کو بھی راضی کر لینا کہ دیکھئے کیا ڈھونڈنے والی آنکھ بھی ڈاکٹر شاہ زیب کی شاندار پرسنالٹی میں کوئی معمولی سا نقص نہیں ڈھونڈ سکتی اتنے ہینڈسم اور ڈیشنگ ہیں اور ویل اسٹیبلش بھی اور کیا چاہیے کل گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان تم ریڈی رہنا اور پلیز اب اماں سے کوئی چخ چخ نہ کرنا خواہ مخواہ وہ پریشان ہوں گی۔" وہ بولتے بولتے اٹھ کر باہر چلی گئی اور صبا اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔

صبوحی نے تو اس کے دل کا چور جو برسوں سے اس کے دل میں چھپا بیٹھا تھا اسے بھی نکال کر باہر کیا اور خود ہی اس کے خلاف فیصلہ سنا کر معمولی واقعہ، قرار دے دیا اور اس کا ہر بہانہ جیسے چٹکیوں میں مسل ڈالا۔

"اب کیا کروں کون سا بہانہ بناؤں ......اور میں یہ بہانے کیوں تلاش کر رہی ہوں ٹھیک ہے میرا دل ڈاکٹر شاہ زیب کے لیے نہیں مانتا نہ سہی مگر جب بھی شادی کا نام لیا جاتا ہے یا خیال آتا ہے تو یہ عبیدالرحمان کہاں سے بے دھڑک بے جھجک میری نظروں کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے اور بقول صبوحی کے کچی عمر کا خواب......

اور میں نے اس خواب کو کتنا سینت سینت کر خود سے دوسروں سے چھپا کر اپنی پلکوں پر سجایا ہے کہ اس کی انمٹ تحریر اب کسی بھی طرح مٹائی نہیں جا سکتی اور سوچنے کی بات تو یہ ہے جو اتنے سالوں سے میرے دماغ میں نہیں آئی کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب ایک معمولی واقعہ ہی ہو خالہ اماں عبید اس کو بھلا چکے ہوں اب عبید کی شادی ہو چکی ہو اس کے ایک دو بچے ہوں ......آج سے چھ سات سال پہلے خالہ اماں عبید کی شادی کے لیے بے چین تھیں تو بھلا اب تک انہوں نے اپنی اس شدید آرزو کی تکمیل نہ کی ہوگی یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔

اوہ میرے خدایا! میں یہ کس بھنور میں خود کو پھنسا بیٹھی ہوں اور اگر ایسا ہو گیا ہوا تو کیا اس رگوں میں رچے، لہو میں دوڑتے اس نام کو اپنے بدن و ذہن سے نکال کر کہیں پھینک سکوں گی نہیں کبھی نہیں۔"

وہ ہذیانی انداز میں بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں تیز تیز چل رہی تھی اس خیال نے ہی اس کے جسم میں خون کی گردش کو تیز کر دیا تھا اسے تو آج سے پہلے یہ خیال سوجھا ہی نہیں تھا۔

"تو پھر کیا کروں میں؟" اس نے وحشت بھرے انداز میں اپنے سر کو تھام لیا باہر سے صبوحی اور اماں کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں اس کا سر چکرانے لگا۔

☆ ☆ ☆

وہ اگلے روز اماں اور صبوحی کے ساتھ ڈاکٹر شاہ زیب کا گھر دیکھنے چلی آئی۔

پتہ نہیں کیوں رات بھر سوچنے کے بعد اسے محسوس ہوا تھا کہ اس کا انکار بے جواز اور بودا ہے جیسے کچی عمر کا کوئی کچا خواب! اس عمر میں تو نوخیز دل نتائج سے بے پروا ایک دوسرے کی طرف کھنچتے ہی ہیں اس دور کی محبتیں اور پیمان لمحاتی کشش کے سوا کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

عبیدالرحمٰن بھی جو اپنی کم سن زندگی کے سخت ترین فیز کا سامنا کر رہا تھا صبا کو سجے سنورے اپنے اتنے پاس دیکھ کر اس لمحاتی کشش کا شکار ہو کر اسے وہ چند سحر انگیز جملے بول بیٹھا تھا جن کے سحر میں اس کا معصوم دل ابھی تک جکڑا ہوا تھا اسے محبت عشق کے معنی پہنا کر اپنے بدن پر اوڑھ چکا تھا کچھ اس طرح کہ اب یہ پیرہن اسے اپنے بدن کا لازمی عضو ہی معلوم ہوتا تھا۔

اسے کیا کہا جا سکتا ہے نرگسیت ......خود فریبی یا خوش گمانی ......اگر یہ محبت عشق جیسا لافانی جذبہ ہوتا تو دوطرفہ ہوتا اکیلا اس کا دل اس جھکڑ کی لپیٹ میں نہ آتا ایسا کچھ ہوتا تو ایک بار......ایک بار تو عبیدالرحمٰن پلٹ کر اس کی طرف دیکھتا اپنے منہ سے بولے گئے ان جھوٹے لفظوں کا رنگ کیسے کیسے خواب اس کی معصوم آنکھوں میں جگا گیا تھا ایک بار تو وہ دیکھتا۔

"نہیں یہ سب اس لمحاتی کشش کا کرشمہ تھا اور کچھ بھی نہیں اس کا مزید ذکر کرنا یا اس پر مزید غور و خوض کرنا اپنے زخمی دل کے بخیے ادھیڑتے ہوئے اپنی ہنسی اڑانے کے مترادف ہے۔

"صبا بی بی نکلیں نا ہونق کی ہونق اماں درست کہتی تھیں لفظوں کی بھیڑ چال کو محبت جیسے آفاقی جذبے کا نام دے کر خود کو اسکا پابند بنا بیٹھیں بغیر کسی عہد و پیمان بغیر کسی کمٹ منٹ کے اب کسی اور سے یہ سب کہو گی تو خود اپنا مذاق اڑاؤ گی دس از ٹو مچ۔"

رات کے آخری پہر میں اس نے خود کو آخری بار سمجھ لیا تھا۔ اور ان سحر خیز لمحات میں اپنے رب کے آگے سربسجود ہوتے ہوئے اس نے التجا کی تھی کہ "جو کچھ اس نے سوچا ہے جانا ہے اگر یہ سچ ہے تو میرے اللہ میرے دل سے عبیدالرحمٰن کے خیال کو اس طرح دل سے نکال دے جیسے وہ کبھی میرے دل میں آیا ہی نہیں تھا اور میرے دل کو عمر بھر کے رفیق کے لیے بالکل

پاک صاف بے ریا کر دے۔

میں نے ایک خجالت کے احساس کو مٹانے کے لیے اس روگ کو مہمان دل کیا تھا اور تو میری نیت سے خوب واقف ہے میں ایک درماندہ انسان کی دلجوئی کے لیے اس کی تسلی کے لیے اس کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتی تھی اس کے دل پر تسلی اور دوسرا ہٹ کا ہاتھ رکھ کر اللہ کی مہربانی کا احساس دلانا چاہتی تھی اور اس بے وقوفانہ سوچ میں کتنا آگے بڑھ گئی کہ مجھے پتا بھی نہیں چلا اس کی خبر تو مجھے اس رات ہوئی جب مونی وہ انگوٹھی لے کر بھاگا تو میرے دل میں کیسا جاں گسل درد رات بھر کروٹیں لیتا رہا تھا جیسے ...... جیسے کوئی میرے دل کی جڑیں کسی آرے سے کاٹ رہا ہو میں نے درد سے کرلاتے دل کے اندر اتر کر اس ظالم جان لیوا درد کی وجہ جاننا چاہی تو مجھ پر منکشف ہوا اس انگوٹھی کے دور چلے جانے کا مطلب میرے دل نے ہمیشگی کی جدائی لیا ہے اور اس جدائی کے خیال نے ہی اسے گھائل کر ڈالا ہے۔''

پھر اس کے بعد وہ حقیقتاً آنکھیں بند کئے پورے اعتماد کے ساتھ خود کو عبیدالرحمٰن کی امانت سمجھنے لگی تھی اس کی محبت کی امانت دار جو اس کے ملنے پر سیف اینڈ ساؤنڈ اسے لوٹانی تھی۔

مگر کل صبوحی کی باتوں اور حقیقت حال نے بھی اس پر بہت ظالم حقائق منکشف کر ڈالے اس نے عبیدالرحمٰن کی محبت سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا اور نہ جانے یہ کیسا فیصلہ تھا جس نے اور بھی اضطراب اس کے اندر بے دار کر دیا تھا۔

رات بھر کا رت جگا اس کی سوجی ہوئی بوجھل آنکھوں سے عیاں تھا تو سب کے بیچ ہوتے ہوئے بھی اس کی غیر موجودگی کو بھی محسوس کر رہے تھے مگر جتایا کسی نے نہیں۔

ڈاکٹر شاہ زیب کا گھر سنگ مرمر کے حسین محل سے کم نہیں تھا مگر اس کے شفاف چکنے خوب صورت سنگی فرش پر چلتے ہوئے اسے بار ہا ان مجبور لوگوں کا خیال آتا رہا جو ہر روز شام ڈھلے شفا کی تلاش میں ڈاکٹر کے کلینک آتے تھے اور ان کے ہاتھ میں رنگ برنگی تین چار شیشیاں ہوتیں کم پیسوں میں اچھے علاج کا خیال معمولی بیماری کے لئے بھی انہیں کم از کم ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ ڈاکٹر کے کلینک لاتا وہ بیماری جو دو روز میں جا سکتی تھی ڈاکٹر شاہ زیب کو اسے پندرہ دن پر پھیلانے کا خاصا تجربہ تھا اور آج اس تجربے کا یہ خوب صورت نتیجہ اس کی نگاہوں میں پھسل پھسل جا رہا تھا بڑے بڑے ہال نما خوبصورت ٹائلوں والے کمرے بڑی اٹالین اسٹائل

کی کھڑکیاں سب کمروں میں دیدہ زیب لکڑی کا کام سارا گھر ہی دل موہ لینے والا تھا ستائش رشک اور نہ جانے کیا کیا اماں اور صبوحی کی نگاہوں سے ٹپک رہا تھا کہ ڈاکٹر شاہ زیب نے سرشار فاتح نگاہوں سے صبا کے سپاٹ گم صم چہرے کو دیکھا۔

''آپ کو کیسا لگا صبا یہ گھر'' وہ بار بار سب کے منہ سے تعریفی کلمات سننا چاہ رہے تھے۔

''آپ کی محنتوں کا اس دنیا میں ملنے والا صلہ۔'' وہ رک رک کر بولی اور اس کے اس بے موقع سے جملے پر ڈاکٹر شاہ زیب نے کچھ حیران کچھ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا جب کہ اماں نے اسے غصے سے گھورا۔

''اماں میں باہر ہوں پلیز جلدی آ جائیں۔'' وہ اماں کی گھوری کو نظر انداز کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی گھر کی داخلی سڑک کے دونوں اطراف بھرے بھرے گھاس کے کشادہ قطعے اور رنگ برنگے خوشبودار پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ کبھی یہ سب کتابوں میں پڑھ کر اس کا دل بے اختیار ان چیزوں کی تمنا کرتا تھا کہ کاش یہ سب خیالی اور کتابی محلات کبھی اس کی دسترس میں بھی ہوں احساس ملکیت کا خوب صورت لمحہ کیسا ہوگا جب یہ سب اسکے پاس ہوگا اور نہ جانے کیوں اس کے دل کو یقین تھا اس کی زندگی میں ایسا کوئی معجزہ رونما نہیں ہونے والا۔ کتابوں کی زندگی میں سانس لینے کے باوجود اسے حقیقی زندگی کی تلخیوں کا بھی ادراک تھا وہ نہ تو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھی اور نہ کبھی تقدیر اس پر مہربان ہوئی تھی جو کوئی خوش فہمی اس کے دل میں جگہ بناتی۔

مگر آج یہ معجزہ رونما ہو ہی گیا تقدیر اپنی خوشی سے اس پر مہربان ہو رہی تھی اور وہ خوش نہیں تھی۔

ایک خوب صورت محل کے احساس ملکیت کا اچھوتا خیال بھی اسے خوش نہیں کر رہا تھا بلکہ اس خوب صورت پیلس میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

''کیا ہمیشہ خوبصورت خواہشوں کے عالم ظہور میں آنے کے بعد ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی وقعت کھو دیتی ہیں۔'' اس نے چلتے چلتے خود سے سوال کیا۔

''نہیں میں خود کو راضی نہیں کر سکتی نہ اپنے دل کو مجبور...... مجھے اب خود ڈاکٹر شاہ زیب سے یات کرنی ہوگی دوٹوک......'' اس خیال نے ہی جیسے اس کے نفس کی ہر رکاوٹ کو

دور کر دیا اسے کھل کر ہموار سانسیں آنے لگیں۔

''یہ میں کتنی دور نکل آئی ہوں۔'' اپنے خیالات کے بھنور سے نکلی تو چونکی۔

کب اس کے قریب وہ سیاہ پراڈو آ کر بے آواز رُکی کب اس کا پچھلا دروازہ کھلا اور کس نے اسے بازو سے کھینچ کر گاڑی میں گھسیٹا کہ اس کے منہ سے فقط گھٹی گھٹی سی چیخ ہی نکلی کسی کے منہ کے آگے رکھے مضبوط ہاتھ نے بھی اس چیخ کا گلہ گھونٹ دیا اور پھیلتی ہوئی آنکھوں میں پہلے وحشت پھر اندھیرے پرت در پرت اترنے لگے۔

☆ ☆ ☆

''اماں گاڑی تو چھ گھنٹے لیٹ ہے۔'' وہ تھکا تھکا سا ریسپشن سے پتا کر کے ویٹنگ روم میں آ کر بولا۔

''پوری رات ہم ادھر بے آسرا پڑے رہیں ایسی قہر کی سردی اور بارش میں ان کے تو ہیٹر بھی خراب پڑے ہیں'' انہوں نے سردی کی وجہ سے دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے کٹ کٹ بجتے دانتوں کو قابو کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی تو سات بجے ہیں چھ گھنٹے لیٹ کا مطلب کل صبح...... عبید واپس چلیں'' وہ آخر میں لجاجت بھرے انداز میں بولیں۔

''ہرگز نہیں'' وہ دانت بھینچ کر قطعیت سے بولا اور لکڑی کے ٹھنڈے یخ بنچ پر سکڑتے ہوئے بولا۔

اس وقت پورے ویٹنگ روم میں وہ دونوں ہی سامان کے ساتھ پڑے تھے کوئٹہ جانے والے مسافروں کو جونہی گاڑی کے اتنا لیٹ جانے کا پتا چلا وہ واپس چلے گئے۔

''تم نے تایا غفار کو فون کیا'' وہ چند لمحوں بعد بولیں ہڈیوں کو کڑکڑانے والی خنکی ان کے بدن میں اتری جا رہی تھی انہوں نے دو جرسیاں اور گرم چادر اوڑھ رکھی تھی اور وہ سردی کی شدت کو کم کرنے میں ناکام تھی ویٹنگ روم کا لکڑی کا دروازہ ادھ کھلا تھا باہر پلیٹ فارم پر روشنیاں تو تھیں مگر کوئی ذی نفس پھرتا دکھائی نہیں دے رہا تھا حالانکہ ابھی صرف سات بجے تھے نہ کوئی پھیری والا نہ کوئی قلی آخری گاڑی پنڈی سے ان کے سامنے چھ بجے آئی تھی جس کے آتے ہی اسٹیشن پر ایک ہنگامہ برپا ہوا تھا جو پون گھنٹے بعد اس مہیب ٹھنڈے سناٹے میں ڈھلتا چلا گیا تھا۔

آخری بار کنٹین والا ان سے کھانے کا پوچھنے آیا تھا۔

''کیا ہے فون؟'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

''پھر کیا کہتے ہیں'' وہ بے تابی سے بولیں اس لمحے انہیں اپنے گھر اپنی چھت کی کیسی طلب کیسی محبت محسوس ہو رہی تھی وہ بیان سے باہر تھا۔

''وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ مت آؤ وہ لوگ تم دونوں کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔'' وہ رک رک کر ماں کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا وہ ایک دم سے خوف زدہ سی نظر آنے لگیں۔

''پھر......'' انہوں نے خشک ہونٹوں کو زبان پھیر کر تر کرنے کی کوشش کی۔

''انہوں نے یہ پتا لکھوایا ہے کہ اس آدمی کے پاس چلے جاؤ یہ تمہاری پوری مدد بھی کرے گا اور چند دن ٹھہرا بھی لے گا'' اس نے شرٹ کی اوپری جیب سے کوٹ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک پرچی سی نکالی۔

''یہ کہاں کا رہنے والا ہے'' وہ کچھ آس بھرے لہجے میں بولیں۔

''یہیں لاہور کا۔'' وہ یونہی اس پرچی کو مروڑنے لگا۔

''کیا پتا کون ہے کیسا ہے؟ جب اس کٹھن گھڑی میں اپنوں نے پناہ نہیں دی تو پرائے کیوں دیں گے۔'' وہ مایوس لہجے میں سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

''لیکن ہمارا وہاں جانا بھی ٹھیک نہیں'' ایک دم جیسے انہیں یاد آیا۔

''اماں موت کا ایک وقت معین ہے یوں بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر پناہ ڈھونڈتے رہے اور اگر ہماری موت کا وقت لکھا جا چکا ہے تو پھر ہمیں دنیا کے کسی کونے میں زندگی پناہ نہیں دے سکتی ہمیں جانا چاہیے۔''

''بیٹا کوشش کا بھی حکم ہے اگر سامنے کنواں نظر آ رہا ہے چھلانگ لگا کر اپنی موت کو آواز دیں احتیاط کوئی بری چیز نہیں۔'' وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

''کر لیں گے احتیاط مگر اپنے گھر جا کر بس اماں اب مجھ سے یوں لوگوں کے گھروں میں در بدر نہیں پھرا جاتا مفروروں کی طرح چھپتے پھریں جو ہو گا سینہ تان کر سامنا کروں گا بس میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا۔

''دکھاؤ یہ ایڈریس تمہارے تایا غفار کبھی غلط مشورہ نہیں دیتے تمہارے باپ کے بعد انہوں نے بھائیوں کی طرح ہمارا ساتھ دیا ہے اور ان موذیوں کے خلاف ہماری حفاظت کی

ہے" وہ پرچی اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھنے لگیں۔

"اماں سب کا نگہبان اللہ ہے اور کوئی نہیں، میں کھانا لے کر آتا ہوں تو کھا کر چائے پی لیتے ہیں یہیں بنچوں پر کمر سیدھی کر لیں گے تو وقت گزرتے پتا نہیں چلے گا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور باہر نکل گیا۔

"نادان بیٹے تو نہیں سمجھتا ایک ماں کی دیوانگی کو جس کا کل سرمایہ ایک جوان بیٹا ہو تو وہ کیسے اس کی حفاظت کے لیے باؤلی ہوئی جاتی ہے میں کبھی تمہیں ان حالات میں اپنے ساتھ کوئٹہ نہیں لے جاؤں گی۔" وہ اس کے جاتے ہی خود سے بولیں۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ کھانا ہوٹل سے لے کر نکل رہا تھا جب کسی نے اس کے عقب سے پکارا یہاں کسی بھی شناسا کے ملنے کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ آواز سن کر بھی نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا پکارنے والا اس کے عین سامنے راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کون ہیں آپ! اور میرا راستہ روکے کیوں کھڑے ہیں پلیز۔" وہ سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگا۔

انگلیوں میں جلتا ہوا سگریٹ اس آدمی نے منہ کے پاس لے جا کر ایک لمبا کش لگایا اور ناک سے دھواں نکالتے ہوئے سر ہلانے لگا۔

"گڈ ویری گڈ۔" وہ لبوں میں شاید یہی بڑبڑایا تھا عبید بے زاری سے قدم آگے بڑھانے لگا۔

"میرے ایڈ میں کام کرو گے؟" وہ پھر اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"کیا؟ کیا مطلب؟" عبید اس کی بات پر چونکا کچھ تو بات اتنی اچانک تھی اور پھر ایسی بات جس کی توقع اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں کی تھی اس اپنے چہرے کے بارے میں دوسروں سے زیادہ پتا تھا کہ دوسروں نے اسے اس چہرے پر موجود خدوخال کا احساس ہی اتنی شدت سے دلا رکھا تھا۔

"بھئی میں نے کوئی مشکل زبان تو نہیں بولی ایڈورٹائزنگ کمپنی میں منیجر ہوں اور آج کل ایک چہرے کی اسپیشل چہرے نہیں بلکہ تمہارے جیسے چہرے کی تلاش میں تھا ایک ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار کے لئے ایک دومنٹ کے اشتہار کا اچھا خاصا معاوضہ ملے گا اور سوچو ذرا

یوں راہ چلتے کبھی کسی پر تقدیر یوں مہربان ہوئی ہو گی جیسی تم پر ہو رہی ہے راتوں رات زندگی بدل جائے گی۔" وہ اس طرح منہ اور ناک کے نتھنوں سے کسی انجن کی طرح دھواں اگلتا بولا تو ایک پل کو عبید کو لگا اس شخص کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔" یہ دیکھو میرا کارڈ اور میں یونہی راہ چلتے ہر کسی کو یہ آفر نہیں کرتا پھر تو تمہارا چہرہ کیمرے کے سامنے بہت جچے گا ایک دم سے فوٹو جینک لک ہے تمہاری' کیا خیال ہے ہامی بھرتے ہو پھر؟" وہ اس کا کندھا تھپک کر دوستانہ انداز میں بولا عبید نے سوچنے میں چند سیکنڈز لگائے۔

"سوری مجھے قطعاً شوق نہیں اور نہ ضرورت ہے ایکسکیوزمی۔" ہاتھ میں پکڑا کھانا ٹھنڈا ہوا جا رہا تھا سو وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا تو وہ آدمی کندھے اچکاتا ہوا مخالف سمت کو چل پڑا۔

"اتنی دیر لگا دی۔" وہ کھانے کی ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولیں۔

"بس یونہی۔" دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔

آخری نوالہ منہ میں ڈالتے ہی اسے ہلکا سا ملال محسوس ہوا۔

"کیا پتا اس آدمی کی شکل میں اللہ نے کوئی فرشتہ ہماری مدد کیلئے بھیجا ہو اس دلدل سے نکلنے کا کوئی راستہ......اس وقت ان کے پاس صرف جانے کا کرایہ تھا صبح کے ناشتے کے لئے بھی بمشکل چند روپے ہوں گے یا ہو سکتا ہے وہ بھی نہیں اتنا لمبا سفر انہیں فاقے کے ساتھ کاٹنا تھا، میں تو کاٹ لوں گا اماں......" اس نے بے اختیار ماں کے مرجھائے ہوئے سردی سے یخ کمزور چہرے پر نظر ڈالی۔

"دیکھو عبیدالرحمٰن اگر بات بزدلی یا بہادری کی آتی ہے تو ہمیں اس طرح اپنے گھر اپنے شہر سے نکلنا ہی نہیں چاہیے تھا اب اگر نکل پڑے ہیں کوئی راہ نہیں سجھائی دی تو واپسی کا کیا مقصد ہے اور واپس جا کر پھر وہی تکلیف وہ حالات کا سامنا......اس خیال سے ہی میرا دل بیٹھا جا رہا ہے مجھے اپنی فکر نہیں اور ان بدبختوں کو میری ضرورت بھی نہیں وہ تو دولت کے لالچ میں میرے منہ میں خاک تمہاری جان کے پیچھے لگے ہیں میں دربدر پھر لوں گی بے اماں بے آسرا رہ لوں گی مگر عبید تمہاری جان پر آنچ نہیں آنے دوں گی میں تمہیں یہ مشورہ دے رہی ہوں نہ تم سے مانگ رہی ہوں بلکہ میں نے فیصلہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم میرے فیصلے کو سر جھکا کر تسلیم کرو گے جیسے آج تک کرتے آ رہے ہو۔"

عبید ماں کی اتنی لمبی تمہید پر کچھ حیران نظروں سے انہیں دیکھنے لگا انہوں نے اتنی

لمبی بات کبھی نہیں کی تھی۔

''مانو گے نا میرے فیصلے کو۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں تو اس نے خفیف سا سر ہلا کر جھکا لیا۔

''تو پھر ہم ابھی اور اسی وقت اس شخص کی طرف جا رہے ہیں جس کا پتا تمہارے تایا نے لکھوایا ہے بس اٹھو اور باہر کوئی رکشا ٹیکسی دیکھ کر سامان رکھواؤ یوں بھی ایسی قیامت کی رات گزارنا خود اپنی جانوں سے کھیلنے والی بات ہے اٹھو کوئی سواری دیکھو میں سامان سمیٹتی ہوں۔'' انہوں نے حکمیہ انداز میں کہا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی چوں چرا نہ کر سکا، کھانے کے برتن اٹھا کر آہستگی سے باہر نکل گیا۔

باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی شام کی بارش سے ہی اچھی خاصی سردی ہو چکی تھی اسٹیشن سے باہر رکشہ کروانے اور اس سے کرایہ طے کرتے ہی اس کے دانت بجنے لگے۔

ایک تو غضب کی سردی پھر رات کا وقت وہاں اور کوئی سواری موجود بھی نہیں تھی مجبوراً اسے رکشا والے سے منہ مانگا کرایہ طے کرنا پڑا۔

تھوڑی دیر میں دونوں ماں بیٹا سامان کے ساتھ اس برستی رات اور یخ خنکی سے کانپتے رکشا میں بیٹھ کر اسٹیشن سے روانہ ہو چکے تھے۔

''کمال ہے وہ شخص دوبارہ نظر ہی نہیں آیا کیا پتا وہ رب کا فرستادہ ہو اور میں نے کم عقلی و نخوت میں اسے دھتکار دیا اگر جانا نہیں تھا تو میں کہیں بیٹھ کر اسے تفصیلی بات ہی کر لیتا اس کا پتہ اور رابطہ نمبر کچھ لے لیتا پتا نہیں اب جس طرف ہم جا رہے ہیں وہ کون ہے ہمیں پناہ اور نوکری دیتا ہے یا نہیں...... کبھی کبھی ہم سے کیسی حماقت سرزد ہو جاتی ہے۔'' اسے خوہ مخواہ خود پر غصہ آنے لگا۔

بارش اور سردی کی وجہ سے سر شام ہی سڑکیں ویران سی ہو گئی تھیں اس لیے رکشا بلا روک ٹوک تیز رفتاری سے بھاگا جا رہا تھا۔

گارڈن ٹاؤن کا پتا تھا اور گھر بھی سڑک کے کنارے تھا رکشے والے نے رکشا یوں اس گھر کے آگے کھڑا کیا جیسے وہ پہلے بھی یہاں آتا رہا ہو۔

''اماں اگر اس شخص نے ہمیں رات رکھنے یا پناہ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو...... یہاں تو دور دور تک کوئی سواری نہیں کیا خیال ہے رکشے والے کو ٹھہرا نہ لیں ورنہ اتنے

سامان کو اٹھا کر ہم کہاں دوبارہ سواری ڈھونڈتے پھریں گے آپ ایسا کریں رکشہ میں بیٹھیں میں اتر کر پتا کرتا ہوں۔'' وہ پرچی ہاتھ میں لیے کہتے ہوئے اتر گیا۔

''بھائی دومنٹ میں ذرا کنفرم کر لوں کہ صحیح جگہ پہنچ گئے ہیں ہم ادھر پہلی بار آئے ہیں۔'' وہ تیز برستی بارش کی بوچھاڑ میں بھیگتا ہوا کہہ کر اس مین دروازے کی طرف لپکا گیٹ کی دیواروں سے لپٹی پھیلی ہوئی بیلوں کے نیچے ذرہ پناہ لیتے ہوئے اس نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے پھر گھنٹی بجائی تو تیز قدموں کے ساتھ کوئی بولتا ہوا گیٹ کھولنے آ گیا۔

''کون ہے بھئی جسے اس آفت کی سردی اور بارش میں بھی چین نہیں اور گھنٹیاں یوں بجائے جاتے ہیں جیسے گھر میں مردے سوئے پڑے ہوں۔'' وہ اتنا با آواز بلند بولتا آ رہا تھا کہ سڑک کنارے رکشہ میں بیٹھی صنوبر بیگم اور رکشا والے نے بھی سن لیا۔

''یہ آپ کے کوئی رشتہ دار ہیں جی۔'' اس کی بڑبڑاہٹ پر رکشے والے نے ان سے پوچھا انہوں نے کبھی خود کو اتنا حقیر نہیں جانا تھا۔

''نہیں بس......'' وہ خفت سے لب کاٹنے لگیں عبید کے خدشے درست ہوتے نظر آ رہے تھے ایسی بے بسی! یہاں پناہ نہ ملی تو کہاں جائیں گے! کھٹا کھٹ سے گیٹ کھلا اور تیز روشنی کی لہر گیٹ سے باہر آئی۔

''کون ہے بھئی۔'' کھولنے والے نے اسی جھلاہٹ میں پوچھا تو عبید کچھ گھبرا کر سامنے کھڑا ہوا۔

وہ شخص برستی بارش میں آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھ رہا تھا عبید کا دل خواہ مخواہ تیز تیز دھڑکنے لگا۔

☆ ☆ ☆

''کمال ہے یہ صبا کدھر گئی ہے حد ہے ایسی غیر ذمہ داری کہ باہر آنے کا کہہ کر سرے سے غائب اماں سچی کہوں آپ نے اسے کچھ زیادہ ہی لاڈ پیار میں سر چڑھا لیا ہے اب ڈاکٹر صاحب کیا کہیں گے؟'' صبوحی کو اس کی ایسی غیر ذمہ دار حرکت پر سخت غصہ آ رہا تھا۔

وہ اندر جا کر اسے سارے گھر میں ڈھونڈ آئی تھی باہر لان میں اور گھر سے باہر ہر جگہ دیکھ لیا تھا۔

''اس نے اگر جانا ہوتا تو بتا کر جاتی خود تو مجھے کہہ کر گئی ہے کہ میں باہر ہوں اللہ خیر کرے علاقہ بھی تو دیکھو اتنے بڑے بڑے عالیشان محل اور کہیں کوئی چرند پرند انسان حیوان نہیں جیسے سب جادو کے بنے ہوں ایسی ویرانی و وحشت میں وہ بھلا کہاں جا سکتی ہے ہائے صبو میرا تو دل ڈوبنے لگا ہے خدانخواستہ...... میں نے تو اس کی کوئی آواز بھی نہ سنی کہاں گئی وہ۔''

اماں تو پریشانی میں بے حال ہوتے ہوئے وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

پھر ڈاکٹر شاہ زیب ادھر اُدھر گلیوں میں دیکھ آئے جا کر مگر اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

''یہاں تو کوئی سواری بھی نہیں ملتی کوئی شاپ بھی قریب نہیں پھر بھلا وہ کہاں جا سکتی اللہ خیر میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔'' اماں کو ہول اٹھ رہے تھے۔

''صبا کے پاس موبائل فون ہے۔'' ڈاکٹر شاہ زیب نے پریشانی سے پوچھا۔

''نہیں وہ تو گھر چھوڑ آئی میں نے ہی بے وقوف کو پچھلے مہینے لے کر دیا کہ اگر دیر سویر ہو جائے ہسپتال میں تو اماں کو کال کر کے بتا دیا کرے اور اسے تو موبائل ساتھ رکھنے سے چڑ ہے ابھی بھی میں نے کہا چلتے ہوئے لے لو کہنے لگی مجھے اماں ہی کو کال کرنی ہوتی ہے اور اماں تو میرے ساتھ جا رہی ہیں بے وقوف اگر اس وقت پاس ہوتا تو ہمیں پریشانی نہ ہوتی مجھے، میں ہی کال کر لیتی۔'' صبوحی نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو بے بسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی تلاش اور انتظار میں انہیں وہاں کھڑے گھنٹا ہو گیا جوں جوں وقت گزر رہا تھا ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''مان گئے بھئی قسمت کے دھنی بھی ہو اور زور آور بھی۔'' عبید کو پہچانتے ہوئے وہ برستی بارش کی پروا کیے بغیر سر ہلاتے ہوئے اپنی دھن میں بولے۔

''جی کیا مطلب؟'' حیران تو عبید بھی تھا مگر ان کے جملے نے یہ حیرانی دو چند کر دی۔

''تم مان لو میری آفر تمہاری خوش قسمتی کا جامد دروازہ کھولنے کے لیے تھی تم نے ٹھکرا دیا اور پھر خوش قسمتی نے ایک بار پھر تمہیں میرے دروازے پر لا کھڑا کیا نہ میں نے اپنا نام بتایا نہ تمہارا پوچھا نہ پتا لیا نہ دیا تو تمہیں کیا جنات ادھر چھوڑ گئے۔''

وہ اس قیامت خیز ٹھنڈ اور لگاتار برستی بارش میں یوں کھڑے اطمنان سے باتیں کر رہے تھے جیسے وہ روز ہی ادھر کھڑے ہو کر باتیں کرتے ہیں۔

''سر مجھے تایا غفار نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ آپ کا ایڈریس لکھوایا تھا انہوں نے مجھے۔'' اب کے اس نے بے بسی سے ہاتھ میں مڑی تڑی بھیگی ہوئی پرچی نکال کر دکھانے کی کوشش کی۔

''ارے چھوڑو اندر آ کر بتانا کس نے بھیجا ہے اور کیوں بھیجا ہے آ جاؤ اندر سارا بھگو ڈالا مجھے بھی اپنے ساتھ'' وہ بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اندر کھینچنے لگے۔

''سر وہ رکشہ میں...... میری والدہ ہیں......اور کچھ سامان بھی۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے سڑک کنارے کھڑے اندھیرے کا حصہ معلوم ہوتے رکشا کی طرف اشارہ کیا تو وہ صاحب پہلی بار کچھ چونکے اور سر گھما کر دیکھنے لگے۔

''او کے لے آؤ انہیں بھی ساتھ۔'' وہ گویا فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے اور خود گیٹ کھلا چھوڑ کر اندر چلے گئے جب عبید اور صنوبر بیگم اندر پہنچے تو دونوں کے کپڑے مکمل طور بھیگ چکے تھے۔

''توبہ کیا موسموں کا حال ہو گیا ہے جنوری کی بارش جون جولائی کی بارشوں کی طرح جل تھل برس رہی ہے جیسے آج کے بعد اسے برسنے کا موقع نہیں ملے گا۔'' گیلے کپڑوں کی خفت اور کچھ بن بلائے مہمان کا کوفت زدہ احساس انہیں خواہ مخواہ نظریں چرانے پر مجبور کر رہا تھا۔

''آ جاؤ بھائی میں نے اندر کمرہ کھول دیا ہے ہیٹر بھی لگا دیا ہے آپ لوگ کپڑے بدل لیں پھر میں کچھ کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔'' وہ شخص یا تو مزاجاً ہی ایسا تھا بے تکلف سا یا اس وقت شاید ان کی بے سائبانی پر ترس کھا کر فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''اماں جی پلیز آپ پریشان نہ ہوں اور نہ کوئی تکلف محسوس کریں اس گھر کو اپنا ہی سمجھیں مجھے ملک رفیق احمد کہتے ہیں سارا زمانہ مجھے ملک صاحب کے نام سے ہی پکارتا ہے اور...... یہاں یعنی گھر میں میں اکیلا ہی رہتا ہوں ملازم آج چھٹی لے کر سر شام ہی چلا گیا ورنہ وہ موجود ہوتا ہے کل شام تک گاؤں سے لوٹے گا کھانا وانا پکا کر رکھ گیا ہے آپ لوگ چینج کر کے ایزی ہو جائیں تو میں کھانا لاتا ہوں'' انہوں نے شاید وہ شرمندگی ان کے چہروں سے پڑھ لی تھی اس لیے بولے۔

''نہیں سر کھانا تو آپ کے سامنے اس وقت میں لے کر جا رہا تھا کھا کر آئے ہیں ہم آپ کا بہت شکریہ!''

عبید نے تکلف بھرے انداز میں کن انکھیوں سے ان مشکل گھڑیوں میں مہربان ہونے والے اس شخص کو دیکھا جس کا چہرہ فی الوقت اسے ہر قسم کی بناوٹ سے عاری ہی لگا۔

''اور مجھے بھلا چہروں کی پہچان کب ہے بابا کے پارٹنر اجمل خان کیسے محبت اور خلوص بھرے انداز میں سب کچھ ہمارے ہاتھوں سے لیتے چلے گئے اور ہم ان کی عیاری کو خلوص اور ہمدردی سمجھ کر الٹا ان کے احسانوں کے بوجھ تلے خود کو دبا محسوس کرنے لگے اور ان کا اصل روپ جب سامنے آیا تو ہمیں روئے زمین پر چھپنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ملا یہ ہے چہروں کے پیچھے اصل چہروں کا کمال اس نے دکھ سے سوچتے ہوئے قدم آگے بڑھائے۔

صنوبر بیگم کپڑے بدل کر اب کمرے میں بچھے دو پلنگوں میں سے ایک پر بیٹھ چکی تھیں۔

''عبید بیٹا جلدی سے یہ رضائی کھول کر مجھے اوڑھا دو مجھے کپکپی سی محسوس ہو رہی ہے۔'' انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا تو وہ گھبرا کر انہیں لحاف اوڑھانے لگا ہیٹر کا رخ ان کے پلنگ کی طرف کیا۔

''آپ ٹھیک ہیں نا اماں۔'' وہ ان کے نیلے پڑتے چہرے کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''میں ٹھیک ہوں ابھی گرمائش ملتی ہے جسم کو تو ٹھیک ہو جاؤں گی تم جلدی سے کپڑے بدل لو سارے کے سارے بھیگ گئے ہیں۔'' ان کے کہنے پر وہ کپڑے لے کر اٹیچ باتھ روم میں چلا گیا۔

''ماں جی یہ......کچھ کھا لیں پھر میں گرما گرم چائے پلواتا ہوں آپ کو یا قہوہ جو آپ پسند کریں۔''

اسی وقت ملک رفیق کھانے کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے۔

''بہت شکریہ بیٹا کھانا تو ہم کھا کر آئے ہیں اب دوبارہ اگر ایک لقمہ بھی لوں گی تو رات بھر طبیعت بے چین رہے گی ہاں چائے یا قہوہ پی لوں گی۔'' انہوں نے گردن تک لحاف اوڑھ رکھا تھا۔

''جوان تم تو میرا ساتھ دو گے نا؟'' عبید کپڑے بدل کر بال جھاڑتا ہوا باہر نکلا تو وہ اس بے تکلفی سے بولے۔ ''نہیں آپ یقین کریں بھوک بالکل......!

''چھوڑو بھوک کو جوانی میں کوئی بھوک کا پتا چلتا ہے ہر گھڑی تیار، آؤ بیٹھو میرے

ساتھ دیکھو یہ ہمارا گلزار کیسی مٹن کڑاہی بنا کر گیا ہے ساتھ نان ہیں اور صرف یہ گاجر گوشت واحد ڈش ہے جو گلزار صاحب جی لگا کر بناتے ہیں ٹیسٹ کرو۔'' وہ زبردستی اسے ساتھ بٹھا کر اس کی پلیٹ میں سالن نکالنے لگے تو اسے مجبوراً کھانا پڑا،

''تایا غفار بھی نام بتایا نا تم نے۔'' کھانے سے فارغ ہو کر وہ ان کے لیے چائے لے آئے تھے۔

''جی عبدالغفار خان پورا نام ہے ان کا، کوئٹہ میں ڈرائی فروٹ کا بڑا کاروبار ہے ان کا، پہلے میرے بابا عبدالرحمٰن کے پارٹنر تھے بعد میں انہوں نے اپنا ذاتی بزنس کر لیا تو بابا نے اجمل خان کے ساتھ پارٹنر شپ کر لی جس کی خباثت کی وجہ سے آج یہاں ہم در بدر ہو رہے ہیں۔''

چائے کی پیالی ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے مختصراً بتایا۔

''تمہارے سگے تایا ہیں غفار صاحب؟'' ملک رفیق نے آہستگی سے پوچھا صنوبر بیگم کچھ غنودگی میں ہو چلی تھیں۔

''نہیں بابا کے دور کے رشتہ دار اور اچھے دوست بلکہ بہترین ہمدرد۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ظاہر ہے یہ تمہاری اپنی رائے نہیں ہو سکتی اپنے والدین کے تجربے سے تم نے اخذ کیا ہو گا ورنہ کسی کے بارے میں حتمی رائے انسان ایک عمر کے تجربے کے بعد ہی دے سکتا ہے بہر حال میں تین بار کوئٹہ جا چکا ہوں عبدالغفار صاحب میرے میزبان رہے ہیں محبت کرنے والے اور انسان دوست شخص ہیں جہاں تک میں انہیں جان پایا ہوں اب ایسا ہے کہ تم کہیں تھکے ہوئے تو نہیں۔'' وہ بات کرتے کرتے رکے۔

''نہیں اتنا زیادہ نہیں۔''

''تو پھر میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آ جاؤ ماں جی تھکی ہوئی ہیں انہیں آرام کرنے دو اتنی دیر میں کمرہ بھی گرم ہو جائے گا تو آ کر ہیٹر بند کر دینا آ جاؤ۔''

وہ بے تکلفی سے اسے اپنے ساتھ لیے دوسرے کمرے میں آ گئے جہاں فرشی نشست کے طور پر قالین کے اوپر میٹرس بچھا تھا گاؤ تکیے لگے تھے ایک طرف کمپیوٹر اور دوسری طرف ٹی وی رکھا تھا کمرے کے دائیں کونے میں بک شیلف کے ساتھ رائیٹنگ ٹیبل اور چیئر

پڑی تھی رائٹنگ ٹیبل پر دو ایش ٹرے کتابوں اور فائلوں کے ڈھیرے کے درمیان سگریٹ کے بجھے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھیں ایسی ہی ایک بلوریں ایش ٹرے میٹرس کے کونے پر پڑی تھی لگتا تھا ملک رفیق چین اسموکر تھے۔

"بیٹھو اور اب مجھے تفصیل سے اپنے متعلق بتاؤ اور ایسا نہیں ہے کہ میں ہر آنے والے سے اس طرح کمال مہربانی اور ہمدردی سے پیش آتا ہوں بلکہ میں تو اپنے احباب میں پتھر دل اور ال میرڈ مشہور ہوں مگر تمہارے معاملے میں نہ جانے کیسی بے بسی ہے یا مجبوری سی مجبوری کہ اسٹیشن پر تمہیں پہلی نظر دیکھتے ہی نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ تمہیں اپنے اشتہار میں کام کرنے کی آفر کروں حالانکہ اس اشتہار کے لیے ماڈل میں پہلے ہی منتخب کر چکا تھا پھر بھی تم سے کہہ بیٹھا ہمارا ہر معاملہ اللہ...... کے پاس ہوتا ہے اور وہ اپنے طریقے سے ہم سے حل کروانا چاہتا ہے ہمیں اس کی کچھ سمجھ نہیں ہوتی بہر حال تم کہو۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی انہوں نے چائے کی خالی پیالی ایک طرف رکھی گاؤ تکیے سے نیم دراز ہو کر ٹیک لگائی اور سگریٹ سلگا کر لبوں میں دبا لیا اور یوں منتظر نگاہوں سے عبید کو دیکھنے لگے جیسے وہ کوئی بہت ہی دلچسپ کہانی سنانے والا ہے۔ عبید نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔

"ہوں" انہوں نے دوسرے سگریٹ کا آخری کش لیا اور سگریٹ کا ٹکڑا مسل کر ایش ٹرے پر رکھ دیا۔

"اب تمہارے کیا ارادے ہیں۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتی کیا کروں اکیلا ہوں تو کچھ کر لوں اماں ساتھ ہیں وہ کسی طور بھی مجھے گھر لے جانا نہیں چاہتیں بزنس میں ہمارے حصے کے علاوہ گھر اور دوسری پراپرٹی بھی ہے اور ہم یوں خانہ بدوشوں کی طرح دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔"

اب اس سوچ نے رفتہ رفتہ اس کا خون کھولانا شروع کر دیا تھا وہ اپنی جان کی قطعاً پروا نہ کرتا کب کا اس اجمل خان سے جا کر بھڑ چکا ہوتا اگر اماں اسے کسی چوزے کی طرح اپنے پروں سے الگ کرنے پر تیار ہوتیں اس نے مٹھی بھینچ کر سوچا۔

"ویسے جو کچھ تم سوچ رہے ہو ابھی ایسا ہونا ممکن نہیں کیونکہ تم اس ٹارگٹ کے لیے ہو اور جو اس طرح کے کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں وہ تیاری بھی پوری رکھتے ہیں ویسے کیا اجمل خان نے تم سے میرا مطلب ہے تمہاری والدہ سے خود آ کر کہا کہ کاروبار میں اب ان کا کوئی

حصہ نہیں جو تھا وہ بک چکا الٹا آپ کو قرض ادا کرنا ہے نہیں کریں گی تو حویلی بیچ کر پورا کروں گا یا...... دوسری وہ قتل والی دھمکی اس نے اپنے منہ سے آ کر دی۔"

"پتا نہیں میں تو گھر پر نہیں تھا واپس آیا تو تایا غفار اپنی بیوی کے ساتھ واپسی کے لیے نکل رہے تھے میرے رکنے پر بھی نہیں رکے اور اماں اندر بیٹھی بری طرح رو رہی تھیں بس مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر روتے ہوئے سامان باندھنے لگیں اور اسی دوران مجھے یہ سب کچھ بتایا اجمل خان نے تایا غفار کے ذریعے شاید انہیں پیغام بھجوایا تھا اس سے خوفزدہ ہو کر اماں مجھے لے کر ادھر آ گئیں اور اب واپس جانے پہ بھی راضی نہیں۔"

اسے اب صحیح معنوں میں بے گھری کا احساس ستا رہا تھا یوں منہ اُٹھا کر کسی اجنبی کے گھر چلے آنا اور اپنی قابل رحم داستان سنانا اسے بہت کھل رہا تھا اور پھر شام کا واقعہ کس طرح اس کی سگی خالہ نے انہیں تقریباً دھکے دے کر نکال باہر کیا تھا۔

"اور ابھی تم نے اپنے تایا غفار کو فون کر کے اپنے آنے کا بتایا تو انہوں نے منع کرتے ہوئے تمہیں میرا ایڈریس لکھوا دیا" وہ جیسے سوچ سوچ کر بول رہے تھے۔

"آپ کے پاس ان کا فون نہیں آیا تھا۔"

"آیا تھا انہوں نے مجھے بتایا تھا تمہارے متعلق......اور یہ کہ تمہیں ہر صورت کوئٹہ جانے سے روکوں۔"

ان کی نظریں عبید کے چہرے پر جمی تھیں بولتے ہوئے لگ نہیں رہا تھا کہ وہ کچھ سوچ کر بول رہے ہیں جب کہ ان کی نگاہیں کسی گہرے خیال پر مرکوز تھیں۔

"آخر کیا کرے گا یہ اجمل خان، اماں تو مجھے چوزہ سمجھتی ہیں کاش میں اماں کو چھوڑ کر وہاں اکیلا جا سکتا تو دیکھتا کون میرا کیا بگاڑ لیتا ہے۔" وہ جوش سے مٹھی بھینچ کر بولا۔

"تم صبح میرے ساتھ چلنا تمہیں شوٹ کے بارے میں بتاؤں گا ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار ہے تمہیں کام کرنا اچھا لگے گا اور تمہارا دھیان بھی بٹے گا باقی تمہارے اس الجھے ہوئے معاملے پر پھر بات کریں گے اب تم جا کر آرام کرو صبح نو بجے تک نکلیں گے۔ اس لیے جلدی اٹھنا ہو گا اب جاؤ تم۔"

وہ اسے کہتے ہوئے تکیے کے نیچے سے کوئی فیشن میگزین نکال کر دیکھنے لگے تو عبید آہستہ سے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آ گیا۔ اماں گہری نیند سو رہی تھیں۔

''کبھی اماں اپنی حویلی میں مہارانی کی طرح رہتی تھیں دس بارہ ملازمائیں ہر وقت ان کے آگے پیچھے ہوا کرتی تھیں اور اب کیسے منگتوں کی طرح ہم دوسروں کے در پر آپڑے ہیں اور نہ جانے یہ آزمائش کتنی لمبی ہوگی اماں کتنی کمزور ہوگئی ہیں چہرے کی صحت مندی اور گلابی رنگت کیسے کملا کر رہ گئی ہے۔'' وہ گردن موڑ کر اماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''اور جو کچھ خالہ اماں نے کیا وہ کیا بھلا دیے جانے کے قابل ہے، ہرگز نہیں۔''

اسے نئے سرے سے غصہ آنے لگا کیسے رذیلوں کی طرح وہ ہمارے کھانے پینے کی گنتی کرنے لگی تھیں اور اپنی غربت کے رونے اور مہمان داری کے طویل ہو جانے پر ان کا غصہ...... کیسی بے زاری ہر وقت ان کے چہرے پر رہنے لگی تھی اور جو آتے ہوئے اماں صبا کو انگوٹھی پہنا رہی تھیں وہ......'' اس خیال کے ساتھ ہی اس کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔

''بھلا اس کو کیسے پتا چل گیا کہ مجھے صبا...... صبا کیسی لگتی ہے اپنی بہنوں اپنے گھر کے تمام افراد سے یکسر مختلف کیسی اپنی اپنی سی اور اس کے وہ شرمندہ شرمندہ سے انداز جو خالہ اماں کے چیخنے چلانے اور برتن پٹخنے پر اس کے چہرے کا احاطہ کرتے تھے، وہ کتنی معصوم کتنی سادہ دل سی ہے اور اس روز جب بے اختیاری میں، میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا کہاں سے میرے اندر اتنی جرات آگئی تھی اور اس کی حالت ...... جیسے کوئی معصوم بے زبان بکری قصائی کی چھری کے نیچے آجائے کیسا ہراس کیسی وحشت تھی اس کی آنکھوں میں نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا اس کا سجا سنورا کم سن روپ دیکھ کر میں اپنے اوپر ہر اختیار کھو بیٹھا تھا ان لمحات میں تو مجھے یہ بھی بھول گیا تھا کہ میرے بے ڈھب چہرے اور جھلسی ہوئی رنگت کو کوئی پسند نہیں کرتا اور اس کے باوجود میں کیسے دیوانوں کی طرح اس سے پوچھ رہا تھا کیا وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح مادیت پرست ہے اچھی صورت پر جان دینے والی مادی چیزوں کے پیچھے لپکنے والی...... کیسے میں دل گرفتگی وارفتگی سے پوچھ رہا تھا جیسے وہ مجھے نہیں میں جواب دے گی کہ نہیں عبدالرحمٰن میں اوروں سے مختلف ہوں میں ظاہر پر نہیں خوبصورت چھپے ہوئے باطن پر مرتی ہوں میں بدصورت چہرے کے پیچھے چھپے خوبصورت دل پر جان دیتی ہوں۔

میں اس سے پوچھے گیا اور وہ حیرت سے مجھے چپ دیکھتی رہی اس کی چپ میں کیا پنہاں تھا ہاں کہ نہ، میں جان نہیں سکا۔

پھر وہ رونے کیوں لگی تھی، شاید مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہ رہی تھی وہ بھی مجھے

دوسروں کی طرح ناقابل برداشت سمجھتی تھی اور یہ سچ میرے منہ پر بول نہیں سکتی تھی اس لیے اپنی بے بسی رو دی تھی اور بعد میں بھی اس لیے مجھ سے چھپتی پھرتی تھی کہ کہیں پھر اسے وہ میں احمقانہ سوال نہ پوچھ لوں۔

پھر اماں اسے کیوں پابند کرنا چاہتی تھیں اس انگوٹھی کے ذریعے اور جو بات اس دن صبا آنسوؤں کے ساتھ مجھ سے نہ کہہ سکی وہ سب خالہ اماں نے شام کو کہہ دیا اور اماں کو انگوٹھی پہنانے سے روک دیا شاید اچھا ہی کیا۔''

وہ جو افسردگی سے سوچ رہا تھا اسے لگا صبا اس کے قریب آکر بہت دور چلی گئی ہے اتنی دور کہ وہ چاہے بھی تو اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا لحاف کے نیچے اس کا تخ بدن آہستہ آہستہ گرم ہو رہا تھا اور اس کی بوجھل آنکھوں کے کنارے نم ہوتے چلے گئے۔

''نہیں خالہ اماں میں کبھی اب دوبارہ آپ کے سامنے نہیں آؤں گا نہ جواب مانگنے نہ صبا کا ہاتھ مانگنے اور نہ اس انگوٹھی کا طلب گار بن کر میں اس قابل کبھی نہیں ہو سکوں گا کہ آپ کا طلب گار بن کر میں اس قابل کبھی نہیں ہو سکوں گا کہ آپ کا یا آپ کی بیٹی کا دل جیت کر اس کا حق دار بن سکوں پتا نہیں کل کیسی صبح طلوع ہو گی اور کتنے سادہ پیچیدہ نہ حل ہونے والے مسائل لے کر آئے گی یہ شخص جو آج رات کے اندھیرے اور سردی میں کیسا مہربان ہے کل صبح کی روشنی اور دن کی نکھری دھوپ میں کیا ہو گا اب تو کسی بھی چہرے پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔'' اس نے آنکھوں کے کنارے رگڑتے ہوئے کروٹ لی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

''کتنا اس لڑکی نے ہمیں شرمندہ کیا ہے اس بھلے انسان کے سامنے اور یہ حرکت بن بتائے کہیں جانے والی کہیں سے یہ میرے سامنے آجائے دماغ ٹھکانے لگا دوں گی میں اس نامراد کا۔''

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اماں کی پریشانی دوچند ہوتی جا رہی تھی ابھی ڈاکٹر شاہ زیب گاڑی لے کر اس کی تلاش میں نکلے تھے۔ صبوحی، عبداللہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم کیا اس موئے کھلونے سے کھیلنے لگی ہو میرا پریشانی فکر اور غصے سے برا حال ہے ایسے کبھی کیا ہے بھلا اس نے۔'' اماں نے جھنجلا کر اس کے موبائل پکڑے ہاتھ کو جھٹکا دیا تھا۔

''اماں عبداللہ سے بات کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

"اللہ کا خوف کرو اب کیا سارے جہان کو خبر کرو گی دو گھڑی صبر کر لو بیٹی کا معاملہ ہے کیسی مجھ سے بھول ہوئی وہ راضی نہیں تھی تو کم از کم ادھر گھر دیکھنے ہی اسے نہ لاتی پر مجھے کیا پتا تھا وہ یہ حرکت کرے گی۔" اماں پریشانی میں سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

"اماں وہ یہاں سے خود سے نہیں جا سکتی دیکھ تو رہی ہیں نہ کوئی کنوینس ادھر آتی جاتی نظر آتی ہے اور اسٹاپ آدھے گھنٹے کی واک پر ہے یا شاید اس سے بھی زیادہ اور یوں بھی وہ ہمیں بتائے بغیر نہیں جا سکتی۔"

صبوحی نے پریشانی سے گیٹ سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا

تو پھر؟ وہ بے چین سی ہو کر بولیں

بس اللہ خیر کرے آپ دعا کریں مجھے اب بہت ڈر لگنے لگا ہے۔" صبوحی کوشش کے باوجود دل کی بات زبان پر نہ لا سکی۔

اس وقت ڈاکٹر شاہ زیب کی گاڑی دور سے آتی دکھائی دی تو وہ دھڑکتے دلوں سے اسی طرف سر اٹھا کر دیکھنے لگیں مگر اتنی دور سے گاڑی میں بیٹھے ہوؤں کو نہیں دیکھ سکتی تھیں گاڑی آہستہ آہستہ قریب آنے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ جانتا تھا وہ ماڈل نہیں ہے اور نہ بن سکتا ہے اسٹوڈیو تو وہ محض ملک صاحب کی خوشی کے لیے آ گیا تھا کہ وہ اسے کچھ دن گھر رکھ لیں وہ آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کر لے اگرچہ آگے دیکھنے پر سوائے اندھیرے خلا کے اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ایک گھنٹے میں ملک صاحب اور انکی ٹیم نے عبید کے ساتھ اپنی سی ہر کوشش کر لی تھی کہ ایک مکمل شوٹ لے ہی لیں اور آخری چند منٹوں میں یہ کوشش کامیاب ہو بھی گئی مگر عبید نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اب دوبارہ ان تیز گرم چمکتی روشنیوں کا سامنا نہیں کرے گا جہاں وہ اپنا بدن اپنا چہرہ اپنی مرضی اور سہولت سے دائیں بائیں گھمانے کی بجائے سیدھا یا متوازن بھی نہ رکھ سکے۔

"ملک صاحب اگر ہر بندہ یوں کوششوں سے ایکسٹرا ماڈل بن جائے تو پھر تو رونا ہی نہ رہے کسی بات کا، ساری بات ہوتی ہے ٹیلنٹ اور رجحان کی اور آپکو بھی اس فیلڈ میں اتنا عرصہ ہو گیا ہے اچھے برے بہت برے بالکل نکمے یا تھوڑا بہت کر لینے والے چہروں کی پہچان

تو آپ کو ہونی چاہیے بہر حال آج کا شوٹ تو ہو گیا کسی طرح مگر آئندہ سے نہ آپ خود ایسی کسی مشکل میں پڑیں نہ ہمیں بتلا کریں آخر جو پیسہ منہ مانگا ادا کرتے ہیں کام بھی اپنی مرضی کا چاہتے ہیں آئندہ سے پلیز خیال رکھیں۔"

نہ جانے وہ کون رعب داب والا بندہ تھا جو بظاہر ملک رفیق کو الگ لے جا کر یہ سب سنا رہا تھا مگر کچھ اسطرح اور ایسی آواز سے کہ ہر ایک کے کان اس کے ہر لفظ کو سن لیں جہاں یہ سب سن کر عبید شرم سے پانی پانی ہو گیا وہیں ادھر موجود دوسرے لوگوں کے چہروں پر طنزیہ مسکان ٹھہر سی گئی۔

وہ اب جلد از جلد اس منظر سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔

"چلیں ملک صاحب۔" وہ اڑ کر اماں کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا وہ اپنی زندگی میں پہلی بار اماں کے بغیر اپنے گھر علاقے کے علاوہ غیر جگہ پر اتنے ڈھیر سارے غیر اجنبی لوگوں کے درمیان کھڑا تھا اور اب بھاگ جانا چاہتا تھا۔

"ارے صنوبر یہ تو تم دونوں کا بیٹا لگتا ہی نہیں یہ شکل وصورت سے نہ ذہانت سے، دیکھنے میں ہی کند ذہن لگتا ہے۔"

یہ دو فقرے ایک بار نہیں سینکڑوں بار اس نے اپنے ماں باپ کے جاننے والوں ملنے والوں کے منہ سے بے ساختہ سنے تھے انہیں فقروں اور تازیانے جیسے جملوں نے اسے پہلے پہل ماں باپ کے پیچھے چھپنے اور پھر لوگوں کی نظروں سے ادھر اُدھر ہو جانے کی ترغیب دی گھر میں کوئی ملنے آتا تو وہ اماں بابا کے لاکھ کہنے پر سلام کرنے بھی نہ جاتا اگر مجبوراً کسی سے ملنا پڑتا تو سلام کر کے وہاں سے اٹھ آتا اس احساس کمتری نے اسے پڑھائی میں نکما کر دیا اساتذہ کلاس میں داخل بعد میں ہوتے ان کی سرسری سی نگاہ اسے پہلے اپنے آپ میں سمٹنے پر مجبور کر دیتی رفتہ رفتہ اس کا شمار کلاس کے بیک بنچرز میں ہونے لگا اور اسے اس میں عافیت نظر آتی کہ استاد کی نظروں سے اوجھل ہو گیا جس کا اثر اسکے تعلیمی ریکارڈ پر بھی پڑنا شروع ہوا۔ اماں زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں اور بابا سے وہ عموماً رزلٹ کارڈ چھپا جاتا جب تک انہیں اس کی تعلیمی حالت کی خبر ہوئی تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔

کالج جانے کا تجربہ سکول سے بھی زیادہ ناخوشگوار رہا وہاں تو لڑکوں کو کسی استاد کا ڈر بھی نہیں ہوتا آتے جاتے برملا فقرے کستے تو وہ اکثر کلاسز بنک کر کے گھر آ جاتا سوائے میڈیٹ

کارزلٹ بھی ویسا ہی آیا ایک سبجیکٹ میں ناکامی کے بعد اس نے مزید تعلیم حاصل کرنے سے انکار کر دیا تو اماں بابا نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا بابا اسے اپنے ساتھ بزنس میں شریک کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ چند دن ان کے ساتھ آفس بھی گیا کہ قضا نے عجلت دکھائی اور وہ جو بیٹے کو کاروبار کے سارے اسرار و رموز سکھانے کا عزم رکھتے تھے اس نو آموز ناتجربہ بیٹے کو گھاگ دنیا کی بھیڑ میں اکیلا چھوڑ گئے

اب وہ تھا اور اس کے کمپلیکسز جو اسے لوگوں کا سامنا نہیں کرنے دیتے تھے آج بھی نہ جانے کیسے ہمت کر کے اس نے اتنے لوگوں کے بیچ خود پر ضبط کر کے کیمرے کی چکا چوند روشنیوں کا سامنا کر لیا تھا۔

ملک رفیق اس کے بعد آفس میں مصروف ہو گئے اس سے انہوں نے کوئی بات نہ کی وہ تو خود شرمندہ تھا کہ ان کے بھروسے پر پورا نہیں اتر سکا ورنہ وہ کس اعتماد سے اسے سیٹ پر لے کر آئے تھے جیسے وہ کیمرے کا سامنا کرتے ہی پرفیکٹ رزلٹ دے گا۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے۔'' واپسی پر گھر کی طرف روانہ ہوتے ہوئے اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''نہیں انہوں نے سگریٹ کا دھواں منہ سے خارج کیا اور خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہے اس سے دوبارہ کچھ پوچھا ہی نہیں۔اماں نے اس کے اُترے ہوئے چہرے سے کیا اخذ کیا تھا کہ انہوں نے مزید کچھ پوچھا ہی نہیں۔

ملک صاحب کا ملازم واپس آ چکا تھا اور وہ خود اسے گھر ڈراپ کر کے نہ جانے وہ کہاں چلے گئے تھے رات گئے ان کی واپسی ہوئی اور کھانا کھاتے ہی وہ اس خاموشی کی چادر میں لپیٹے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اس نے شام کو تایا غفار کو فون کر کے واپسی کا پوچھا تھا انہوں نے ایک بار پھر سختی سے آنے کے لیے منع کر دیا تھا۔

''ابھی چند ماہ اور ادھر ہی رہو سب بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا'' انہوں نے آخری جملہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

''یوں اس طرح مفت کے مہمانوں کی طرح چند ماہ کسی کے گھر پڑے رہنا آسان ہے نا جیسے اور نہ جانے کون سا کھیل ہے جس کے بگڑے جانے کا انہیں غم کھایا جا رہا ہے۔''

وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے غصے میں بڑبڑایا تھا اماں سے اس فون کا تذکرہ فضول تھا وہ پہلے بھی کب جانے پر راضی تھیں۔

''جو کام یہ مجھ سے کروانا چاہتے ہیں وہ میں کہہ نہیں سکتا تعلیم ایسی نامکمل ادھوری کہ چپراسی کی نوکری بھی نہ ملے، مل بھی جائے تو سر چھپانے کا ٹھکانہ کہاں سے کروں گا یا اللہ میں کیا اسطرح ناکام بے کار زندگی بسر کرتا رہوں گا دوسروں کے گھر پر مفت کی روٹیاں توڑتا ہوا ملک صاحب تو پہلے دن ہی مجھ سے مایوس ہو گئے اسی لیے تو وہ بات بھی نہیں کر رہے اور کتنے دن ہمیں برداشت کریں گے بھلا......خالہ کیطرح ایک دن منہ سے کہہ ڈالیں گے تو پھر کہاں جائیں گے ہم......'' ان پریشان سوچوں نے رات بھر اسے ٹھیک سے سونے نہیں دیا تھا کروٹیں بدل بدل کر پہلو دکھنے لگے تھے مگر کوئی رستہ سجھائی نہیں دیا تھا۔

کوئی رستہ ہوتا تو سجھائی بھی دیتا ہر طرف اندھیرے تھے نہ جانے کب وہ ان ہی پریشان سوچوں میں غلطاں سویا تھا کہ اماں نے اسے آٹھ بجے اٹھا دیا۔

''اٹھو عبید، ملک صاحب ناشتے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ پیار سے اس کے بال سلجھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں تو وہ انہیں دیکھتا رہ گیا۔

''اتنا چپ کیوں ہے بیٹا دیکھ اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے ضرور اسکی کوئی حکمت ہوگی کہ سٹیشن سے اٹھا کر ہمیں ادھر بھیج دیا اس کا کوئی بھی کام بہتری سے خالی نہیں ہوتا بظاہر ہمیں کچھ اچھا نظر نہیں آتا'' وہ خود کچھ پریشان سی تھیں مگر اسے تسلی دینے کو کہہ رہی تھی۔

''اماں ان سے کہیں مجھے کوئی کام تلاش کر دیں تو ہم کرائے کا گھر دیکھ لیں گے یوں کسی کا احسان لینا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ آہستگی سے بولا تو وہ سر ہلانے لگی

☆ ☆ ☆

ملک صاحب اس دن بھی اسے اپنے ہمراہ آفس لے گئے۔

''سر میں کیمرے کے سامنے کام نہیں کر سکتا۔'' وہ راستے ہی میں عاجزی سے بولا کل جیسے اتنے لوگوں اور کیمرے کی لائٹوں میں اس کے پسینے چھوٹے تھے وہ اس تکلیف دہ تجربے کو دہرانا نہیں چاہتا تھا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''یہ لائن مجھے گا کر سناؤ۔'' وہ سارا دن ان کے آفس میں بیٹھا مکھیاں مارتا رہا اور وہ اپنے کلائنٹس سے ملتے ان کے فون اٹینڈ کرتے اسٹوڈیو میں آتے جاتے اسے گویا بھول ہی

چکے تھے تین بجے اس کے ساتھ لنچ کیا اور اپنی ٹیبل پر اسے بلا کر ایک کاغذ اس کے سامنے رکھ کر بولے تو وہ لائن پر نظر ڈال کر کچھ پریشانی سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کوشش کرو اس طرح۔" انہوں نے خود لائن گا کر بتائی

"جنگل ہے" تھوڑی دیر کی ہچکچاہٹ کے بعد اس نے وہ لائن گا ہی دی۔

وہ کہتے ہیں نہ کہ رونا اور گانا کسے نہیں آتا اور میرے خیال میں تمہیں یہ دونوں چیزیں بہتر طور پر آتی ہیں ذرا دل سے گا کر تو دکھاؤ۔" ان کے نرم لہجے پر اسکی ہمت بندھی اس نے پھر سے کوشش کی۔

"گڈ ایک بار اور مگر ذرا اس لہجے میں جس میں، میں نے بتایا ہے انہوں نے پھر گا کر بتایا۔

تین چار بار کوشش کرنے پر بالآخر اس نے ٹھیک سے گا ہی دیا۔

"چلو اس کو ریکارڈ کروا آتے ہیں۔" آدھے گھنٹے کی پریکٹس کے بعد وہ اسے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اسے حیرت ہوئی اس نے بالکل ٹھیک طرح سے وہ جملہ ریکارڈ کرا دیا۔

"ویری گڈ آواز تمہاری اچھی ہے چلو ابھی فی الحال اس سے کام چلاؤ ہفتے میں ایک آدھ جنگل ہو گیا تو کام چل پڑے گا وہ سر ہلاتے ہوئے اسے ساتھ لیے ہوئے باہر نکل آئے اگلی صبح وہ اسے لے کر یونیورسٹی گئے۔

"میں تمہارا داخلہ فارم لے رہا ہوں تم نے امتحان دینا ہے بی اے کا، دیکھو تعلیم کے بغیر آدمی کی زندگی بے کار ہے محض انٹر کی بنیاد پر تم زندگی میں کوئی اچھا گول اچیو نہیں کر سکتے امتحان میں تقریباً آٹھ دس ماہ ہیں پسند کے مضامین لے کر سلیکٹیو اسٹڈی کرو ہمارے ہاں تو یوں بھی امتحان پاس کرنا کچھ مشکل نہیں پچھلے دس سال کے پیپرز لے کر ان میں سے تیاری کر لو بلکہ رٹہ لگاؤ پاسنگ مارک آ ہی جاتے ہیں اور تم نے دیکھا ہوگا ہمارے ساتھ والا گھر پروفیسر غنی کا ہے دو ٹائم جب وہ کوچنگ کلاسز لیتے ہیں تو اتنا رش ہوتا جیسے پہلے وقتوں میں سینما کا شو دیکھتے وقت رش ہوتا تھا میں نے ان سے تمہاری بات کر لی ہے وہ تمہیں رات کو الگ سے ٹائم دیں گے او کے۔" وہ بتاتے جا رہے تھے اور وہ پریشانی سے ان کی شکل تکے جا رہا تھا اس کے لیے پڑھنا اور امتحان دینا کے ٹو سر کرنے کے برابر تھا خدا خدا کر کے تو اس اذیت ناک مراحل سے اس کی جان بخشی ہوئی تھی اور اب پھر وہی۔

"دیکھو تمہیں کسی نہ کسی مشکل سے تو گزرنا ہوگا مشکلات سے گزرے بغیر کوئی کندن نہیں بن سکتا یوں سمجھ لو صرف چند ماہ بعد ہی تمہیں اس سے بڑے بڑے امتحانات کا سامنا کرنا ہوگا یہ چھوٹا امتحان اس کی ریہرسل ہے ایک باعزت اور خوددار زندگی کے حصول کے لیے ایک بار تو امتحانات سے دوچار کرنا پڑتا ہے ورنہ تو زندگی بھیک مانگ کر بھی گزاری جا سکتی ہے۔" ان کی آخری بات...... کسی بھالے کسی برچھی کی طرح عین اس کے دل میں پیوست ہوئی تھی اس نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھوں پر سن گلاسز لگائے اب دلجمعی سے سگریٹ کے کش لینے میں مصروف تھے۔

وہ اتنے مہینوں سے بھکاریوں کی جیسی زندگی تو گزار رہا تھا کبھی پناہ کے نام پر ایک گھر میں کبھی دوسرے اور اب ملک صاحب کے رحم و کرم پر۔

"عبید یہ شخص تمہیں باعزت زندگی کے قریب تر لے جانا چاہتا ہے جو کہتا ہے چپکے سے مان جاؤ اور اس کا ہاتھ تھام لو کسی نے مخلص لہجے میں اسے مشورہ دیا تھا۔ اور اس کے دل نے رضامندی میں سر جھکایا تھا۔

پھر اُس کے بعد اس نے نہ کوئی سوال کیا نہ متذبذب ہوا نہ کسی مرحلے کی مشکلات سے گھبرا کر ہچکچایا۔

دن میں وہ ملک صاحب کے ساتھ پوری خوشدلی سے ان کے آفس میں کام کرتا ایک آدھ جنگل کی ریکارڈنگ کرواتا تھوڑا بہت ان کا آفس ورک دیکھ لیتا ایک بجے کے قریب وہ اسے گھر بھجوا دیتے جہاں اماں دوپہر کے کھانے پر اس کا انتظار کر رہی ہوتیں۔

"عبید اور کتنے دن پڑے رہیں گے ہم، یہاں بہت دل تنگ پڑ رہا ہے میرا ادھر۔" وہ ہر روز اس کے آتے ہی ایک سوال کرتیں۔

"بس اماں میں امتحان دے لوں پھر کچھ کرتے ہیں۔"

پتا نہیں اس کا دل کیوں مطمئن ہو چلا تھا وہ دلجمعی سے پڑھ رہا تھا اس کے دل سے سارے وسوسے ڈھل سے گئے تھے۔ بس ایک ہی خیال دل میں جم گیا تھا کہ باعزت زندگی کے حصول کے لئے سردھڑ کی بازی لگانی ہے۔ اور جو کچھ وہ خالہ سے کہہ آیا ہے اسے پورا کر کے دکھانا ہے اس کی منزل کے بالکل پاس وہ معصوم سی لڑکی پرخلوص جذبے آنکھوں میں لئے اس کی منتظر تھی۔ دن میں دو تین بار اور رات کو سوتے وقت ایک بار تو اسے صبا کا خیال تو ضرور ہی آتا

اور جیسے اس عزم کو مصمم کر جاتا، شام کو تین گھنٹے وہ سرغنی کی کلاس لیتا اور رات کو رات گئے تک پڑھتا رہتا اس نے اس امتحان کو اپنے لئے ایک چیلنج کے طور پر لے لیا تھا۔ ملک صاحب رات کو آدھی رات یا اس کے بعد آتے اور کبھی کبھار سر شام بھی آ جاتے اکثر اسے دیکھ کر لاتعلقی سے گزر جاتے اور کبھی کبھار بڑے جوش خروش سے اس کی ! سٹڈیز کے بارے میں پوچھنے لگتے۔

وہ عجیب موڈی سے انسان تھے کبھی حد درجہ مہربان و شناسا اور کبھی بالکل اجنبی بے گانے اس دوران اس نے دوبارہ تایا غفار کو فون کیا وہ چھوٹتے ہی اسے آنے سے منع کر دیتے تو اس کا ایسا دل برا سا ہوا کہ اس نے دوبارہ فون ہی نہیں کیا۔

آخر کار اس کے امتحان ہونے لگے آٹھ نو ماہ کی محنت رنگ لائی اور کچھ اماں کے دل سے نکلی دعائیں اس کے تمام پیپرز بہت اچھے ہوئے تھے نتیجے کی طرف اس کا دل پوری طرح سے مطمئن تھا۔

اسے پتہ نہیں تھا کہ اس امتحان کے بعد اب کیسے کیسے امتحانات اس کے منتظر تھے۔ ملک صاحب اس کے لئے کیا پلاننگ کر چکے تھے اگلے دن انہوں نے بتایا تو وہ کچھ حیران سا الجھا ہوا انہیں دیکھتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

صبا ڈاکٹر شاہ زیب کے پاس آئی تھی۔

ایک پل کو تو اماں اور صبوحی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

''سوری اماں میں ٹہلتے ہوئے کافی دور نکل گئی تھی۔ اور پھر واپسی کا راستہ بھول گئی۔'' وہ گاڑی سے اتر کر بڑے آرام سے اماں کے ہاتھ تھام کر بولی تو ان کا سارا غصہ پریشانی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ڈاکٹر شاہ زیب اسی طرح گاڑی میں بیٹھے تھے۔

انہوں نے بڑی زور سے ہارن بجا کر انہیں متوجہ کرتے ہوئے گویا گاڑی میں بیٹھنے کو کہا تھا۔

''چلو وہ بے چارہ خواہ مخواہ میں ہلکان ہو رہا ہے۔ تم عجیب بچوں جیسی حرکت کرتی ہو، ایسی غیر زمہ داری کا ثبوت ...... بھلا اجنبی علاقے میں کوئی یوں منہ اٹھا کر نکل پڑتا ہے غضب خدا کا پورا گھنٹا ہونے کو آیا بیٹھو اب۔'' اماں بولتے ہوئے ان دونوں کو لے کر بیٹھ گئیں۔ ڈاکٹر شاہ زیب نے ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کر دی ان کے چہرے پر غصے اور ناراضگی

کے تاثرات تھے۔ صبوحی اور اماں نے نظروں میں ان کا چہرہ پڑھ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا دونوں کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں۔ جبکہ صبا کے چہرے پر دھیمی سی مسکان ٹھہری ہوئی تھی وہ کسی کی طرف بھی متوجہ نہیں تھی، باہر دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

''بس ڈاکٹر صاحب یہیں ڈراپ کر دیں ہمیں اماں یہ میری دوست کا گھر ہے بہت دنوں سے اصرار کر رہی تھی ابھی وہی ملی تھی مجھے پلیز آئیں نا اس سے مل کر ہی جائیں گے۔'' گولڈن گیٹ والے اس محل نما گھر کے آگے صبا نے گاڑی رکوائی تھی۔

ڈاکٹر شاہ زیب نے کچھ بھی کہے پوچھے بنا جھٹکے سے گاڑی روک دی تھی اماں اور صبوحی حیران کچھ پریشان اپنی سیٹوں پہ جمی بیٹھی تھیں۔

''اماں اُٹھیں نا پلیز وہ انتظار کر رہی ہو گی آئیں بھی۔''

وہ زبردستی ان کا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولی تو اماں ہچکچاتے ہوئے ڈاکٹر شاہ زیب کی طرف دیکھنے لگیں انہوں نے بے زاری سے جیسے منہ پھیر لیا گاڑی اسٹارٹ ہی تھی جیسے وہ ان کے نیچے اترنے کے منتظر بیٹھے ہوں۔

''چلیں اماں مل لیتے ہیں اس کی دوست سے اور واپسی کا کیا ہو گا۔'' صبوحی، ڈاکٹر شاہ زیب کے تیوروں سے کچھ خائف سی ہو کر نیچے اتر آئی تھی صبا نے اماں کا ہاتھ دبایا تو وہ بھی اترنے لگیں۔

''اچھا بیٹا شام کو......اماں کھڑکی کی طرف جھکیں کہہ ہی رہیں تھیں کہ ڈاکٹر شاہ زیب تیزی سے گاڑی آگے بھگا لے گئے اماں اور صبوحی ہکا بکا انہیں دیکھتی رہ گئیں جبکہ صبا کھلکھلا کر ہنس دی۔

''تم نے کچھ کہا ہے انہیں۔'' صبوحی نے اسے گھورا۔

''آئیں میں آپ کو آج کی مزے دار سٹوری سناؤں''

وہ ان دونوں کو لے کر ایک طرف ہو گئی تو دونوں کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ سا ہونے لگا۔

☆ ☆ ☆

''میرا شکاگو سکول آف آرٹس اینڈ فیشن میں داخلہ ہو چکا ہے چار ماہ بعد کلاسز اسٹارٹ ہوں گی اور اندازاً تین ساڑھے تین ماہ تک مجھے یہاں سے چلے جانا ہے یہ گھر

میرے چچا کا ہے جو شکاگو ہی میں رہتے ہیں انہوں نے یہ گھر سیل کر دیا ہے میں نے نئے مالک سے چھ ماہ کی مہلت لی تھی اور وہ چھ ماہ تین ماہ بعد پورے ہو جائیں گے تو ظاہر ہے مجھے یہ گھر خالی کر کے جانا ہوگا اب تم کیا کہتے ہو۔‘‘

ملک رفیق کی بات ان کی فیوچر پلاننگ نے عبید کا دماغ جیسے بھک سے اڑا دیا وہ دونوں ماں بیٹا تین ماہ بعد ایک بار پھر سڑک پر یا ریلوے سٹیشن پر بیٹھے سردی سے اکڑ رہے ہوں گے فی الوقت اس کے دماغ نے اس کی نظروں کے سامنے یہی منظر پیش کیا تھا۔

‘‘تم اس شہر میں اجنبی ہو اور یہاں قدم جمانے کے لیے پہاڑ جیسا حوصلہ اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ پیروں کے نیچے چند گز زمین کا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ شہر کوئی بھی ہو کسی نووارد کو خزاں رسیدہ پتے کی طرح اپنے دامن سے جھٹک کر دور پھینک دیتا ہے وہ درست کہہ رہا تھا مگر عبید میں تو سر اثبات میں ہلانے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی۔

‘‘تمہارے پاس اب دو ہی راستے ہیں۔’’ وہ چند لمحے انتظار کے بعد سلگتے ہوئے سگریٹ کے لمبے لمبے دو اکٹھے کش لے کر دھواں ناک سے نکالتا ہوا بولا۔ عبید سوالیہ نظروں سے یوں دیکھنے لگا کہ واقعی اس کے پاس کوئی راستہ بچا ہے؟

‘‘تم یہاں رہ کر اپنی زندگی کے لیے ہاتھ پاؤں مارو یہ لمبا راستہ ہے تمہیں زیرو سے اسٹارٹ کرنا پڑے گا اور سب کچھ اپنے زور بازو پر تم محنت وغیرہ تو کر ہی لو گر یہاں قدم قدم پر دھوکے باز اور عیار لوگ اپنا جال بچھا کر تاک میں بیٹھے ہوتے ہیں تم جیسے پرندوں کو شکار کرنے اور تم ان کے لیے ایک آسان شکار ثابت ہو گے میرے خیال میں۔’’ وہ فضا میں دھوئیں کے چھلے سے بناتے ہوئے اس پر نظریں جما کر بولے۔

‘‘اور دوسرا راستہ۔’’ وہ رک کر پھر کش لگانے لگے۔ ‘‘تمہیں بائیس سال کے نوعمر لڑکے سے بیالیس برس کا گھاگ آدمی بننا پڑے گا۔

عبید نے اس انہونی سی بات پر قدرے چونک کر انہیں دیکھا۔

اپنے اعصاب کو لوہے جتنا مضبوط کر لو تو پھر شاید بات بن جائے۔’’

‘‘میں ابھی بھی نہیں سمجھا’’

‘‘قانونی جنگ کے لیے خود کو تیار کر لو، یہ مرحلہ سالوں میں بھی طے ہو سکتا ہے اور چند دنوں میں بھی، اس کا انحصار تمہارے نا قابل شکست رویے اور بے خوف ارادوں پر ہے۔’’

عبید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

‘‘نہیں سمجھے نا۔’’ وہ سر ہلا کر بولے۔ ‘‘چلو اٹھو میں تمہیں اس شہر کے چوٹی کے وکیل کے پاس لے کر جا رہا ہوں جو اس طرح کے مقدمات جیتنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اس کی فیس تھوڑی زیادہ ہے بلکہ بہت زیادہ مگر وہ تم سے کیس جیتنے کے بعد فیس لے گا۔ تم اگر اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑے ہو تو پھر کوئی زیادہ دیر تمہارے سامنے ڈٹ نہیں سکے گا کیونکہ تم حق پر ہو اور تمہیں معلوم ہے، تمہیں یہ جنگ کس کے خلاف لڑنا ہے۔’’

‘‘اجمل خان کے خلاف۔’’

‘‘بالکل نہیں وہ بھی حریف ہے مگر اس سے بڑا حریف تمہاری آستین میں چھپا بیٹھا ہے۔ خان عبدالغفار خان۔’’ ملک رفیق نے گویا کوئی بم پھوڑا تھا۔

‘‘کیا مطلب، تایا غفار......نہیں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے وہ تو......’’ وہ اٹک اٹک کر حیرانی سے بولا۔

‘‘اس لیے تو کہتا ہوں تم معصوم بھی ہو اور بے وقوف بھی، اوپر سے خود پر بھروسہ بھی۔ تمہیں چاروں شانے چت کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ تمہارے بابا کے کاروبار، گھر اور پراپرٹی کے اصل کاغذات کس کے پاس ہیں۔’’

‘‘اماں آتے ہوئے تایا غفار کو دے آئی تھیں۔’’

‘‘اور اس کے باوجود کہتے ہو مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ اخبار دیکھو، اس میں اشتہار آیا ہے تمہارے گھر اور پراپرٹی کی فروخت کا اور تمہارے تایا غفار اپنے ایک ایجنٹ کے ذریعے یہ سب سیل کر رہے ہیں۔ وہ تو مجھے میرا دوست اطلاع دیتے ہوئے یہ اخبار نہ بھیجتا تو تم اپنی ساری پراپرٹی سے ہاتھ دھو چکے تھے۔

یہ دیکھو۔’’ انہوں نے میٹرس کی سائیڈ پر پڑا اخبار اٹھا کر اس کے آگے کیا۔ اس میں برائے فروخت کالم میں اشتہار میں حویلی پلاٹس کی فروخت کا نمایاں ذکر تھا اور اخبار کوئٹہ کا مقامی ایڈیشن تھا۔

‘‘چلو اب کوئی قانونی ماہر ہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔ اس سے مشورہ کرتے ہیں۔’’ وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اخبار فولڈ کر کے جیب میں ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆ ☆ ☆

دیوانی مقدمات لوگوں کی عمریں کھا جاتے ہیں خاندان کے خاندان زیر زمین چلے جاتے ہیں حق داروں کو مٹی چاٹ جاتی ہے اور مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوتا پہلے قدم پر اسے اور ملک رفیق کو ان خوفناک حقائق سے دو تین قانونی ماہرین نے ڈرایا مگر اس کا مقدمہ تو دیوانی سے زیادہ دھوکہ دہی اور فریب کا تھا اور نہ جانے اس کے دل میں کیسا یقین تھا کہ اگر وہ یہ کیس ہار گیا تو پھر ہمیشہ کے لیے ہارتا ہی چلا جائے گا پھر وہ اپنی زندگی کا کوئی بھی مقدمہ نہیں جیت سکے گا۔

اس مقدمے کی ہار جیت میں اس کی موت اور زندگی کا بھی دارومدار تھا مگر اس نے کیس داخل کرنے کے سائن کرتے ہوئے پہلے خود کو موت کے حوالے کیا تھا پھر دستخط کیے تھے۔

مرنے کے بعد زندگی کا مقدمہ لڑنا کتنا حیات آور ہوسکتا ہے اس کا احساس اسے ہر گزرتے دن کے ساتھ ہونے لگا۔ اور صرف دوسرے مہینے ہی تایا غفار کا صلح اور مل بیٹھ کر سب معاملات پر بات کرنے کا فون آگیا۔

وہ اس سے خائف تو تھے مگر کچھ شرمندہ اور گھبرائے ہوئے بھی اس کے وکیل نے کہہ دیا کہ اب ہر معاملہ کورٹ کے کٹہرے میں طے ہوگا تو وہ منت سماجت پر اتر آئے۔

''بیٹا میں ایک عزت دار آدمی ہوں...... میری دونوں بیٹیوں کی اگلے مہینے شادی ہے اگر اس کے سسرال والوں کو ذرا بھی بھنک پڑ گئی پھر یہ مقدمہ جعل سازی کا ہے خدا کے لیے میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں بس لالچ میں آ گیا تھا، اجمل خان نے پچیس فیصد کے لالچ میں مجھے پھنسا لیا اپنے مرے ہوئے بھائی دوست کے آگے بھی گناہگار ہوا اپنی نظروں میں بھی گرا اور تمہاری نظروں میں بھی خدا کے آگے جوابدہ علیحدہ سے ہوں، بس تم مجھے معاف کردو مجھ پر اعتبار کرو اور بیٹھ کر اس معاملے کو طے کر لیتے ہیں۔''

ان کے اس طرح گڑگڑانے پر وکیل صاحب نے اسے اشارہ کیا کہ وہ ایک دن سوچنے کے لیے لے لے۔

پھر اگلے سارے مراحل مہینے بھر میں طے ہو گئے

اس نے کوئٹہ میں اپنی تمام پراپرٹی اور کاروبار اجمل خان کے ہاتھوں ہی سیل کر دیا صنوبر بیگم اب کسی بھی صورت کوئٹہ جانا نہیں چاہتی تھیں۔

''یہ کینہ پرور لوگ ہوتے ہیں دشمنی سے الگ ان کے ہاں کوئی چیز نہیں ہوتی میں اب تمہیں وہاں لے کر نہیں جاؤں گی۔'' اماں کی بات پر اور کچھ اپنے دل کی خواہش پر اس نے یہیں رہ جانے کا ارادہ کرلیا۔

ملک رفیق جانے سے پہلے اسے امپورٹ ایکسپورٹ کی ایک چھوٹی سی فرم سیٹ کر کے دے گئے اور ایک مناسب سا گھر خرید کر باقی رقم اس نے بینک میں جمع کروا دی اور اپنی فرم کو مضبوط کرنے کے لیے ان تھک محنت کرنے لگا۔

''اگر آپ میری زندگی میں نہ آئے ہوتے تو جس طرح اس سال سوا سال میں آپ نے میری بے لوث مدد کی ہے اس طرح تو کوئی اپنا سگا بھی کسی کے کام نہیں آتا سوچتا ہوں تو حیران سا رہ جاتا ہوں کہ آپ کی مدد کے بغیر شاید اس وقت میں کسی فٹ پاتھ پر ہی پڑا ہوتا۔''

وہ ملک رفیق کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا اور اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''دیکھو یہ دنیا بڑی مطلبی ہے یہاں ہر کوئی کام اپنے مطلب اپنے مفاد اپنی غرض کی خاطر کرتا ہے مجھے یاد ہے اس شام تمہیں اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر مجھے ستائیس سال پہلے کی ایک شام یاد آ گئی تھی جب اسی طرح میں یتیم بے سہارا گاؤں سے شہر آیا تھا اور میرے پاس رات گزارنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ تھا نہ جیب میں کھانے کے لیے پیسے، میں نے مزدوری بھی کی لوگوں کا سامان ڈھویا قلی بنا مزدور بنا اخبار بیچے اور نہ جانے کیا کیا...... پھر مجھے ایک فرشتہ مل گیا میرا چچا جس کے پاس میں شکاگو جا رہا ہوں وہ میرے سگے چچا نہیں ہیں بس منہ بولے ہیں۔ انہوں نے گویا مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا میری ادھوری تعلیم جاری کروائی سات سال میرے دھکے کھاتے گزر گئے تھے اور تعلیم سے بھی رشتہ ٹوٹ گیا تھا اپنی ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام دیا اور نہ جانے کیا کیا ان کے اتنے احسانات ہیں مجھ پر کہ میں چاہوں بھی تو گن نہ سکوں ایک دن جب وہ شکاگو ہمیشہ کے لیے جا رہے تھے میں نے روتے ہوئے ان کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو پتا ہے انہوں نے مجھ سے کیا کہا۔

''رفیق میرے احسانوں کا بدلہ اتارنا چاہو گے اس دنیا میں۔'' میں نے ہاں میں سر ہلا دیا تو کسی بے سہارا شکستہ دل کم ہمت جوان کو ہمت سہارے اور حوصلے کی پر اعتماد زندگی دے کر میرا احسان اتار دیا کرو گے اور میں نے ان سے وعدہ کرلیا مگر آنے والے دنوں میں یہ وعدہ بھول گیا تھا کہ اس شام تمہیں دیکھ کر بے ساختہ مجھے ان سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا کہ ان کی محبت اور احسانوں کا بوجھ اتارنے کا موقع شاید اللہ مجھے دوبارہ نہ دے، تو دیکھو اس میں میری اپنی غرض اپنا مفاد ہوا نا کہ میں نے خود کو اس احسان بھری زندگی کے بوجھ سے آزاد کر ڈالا اس سے بڑھ کر

آزادی اور خوشی کا احساس کیا ہو گا بھلا۔'' وہ کہہ کر مطمئن انداز میں سگریٹ کا کش لینے لگے۔

اور جو احسان بھری زندگی آپ نے مجھے عطا کی ہے اس کا بدلہ میں کیسے اتاروں گا آپ تو مجھے بھی جکڑے جا رہے ہیں اپنی محبت اور احسان کی بیڑیوں میں۔'' عبید نم آنکھوں کے ساتھ نیچی آواز میں بولا۔

''بہت آسان تم بھی کسی بھٹکے ہوئے تھکے ہوئے زندگی کی جنگ ہارے ہوئے انسان کے لیے خضر بن جانا راستے کا جگنو رات کا چراغ بن جانا میرے احسان خود بخود تمہاری گردن سے اتر جائیں گے۔'' وہ محبت سے اسے گلے لگاتے ہوئے بولے تو اس کی آنکھوں میں سچ مچ آنسو آ گئے۔

وہ اسے بھی اسی وعدے کی زنجیر سے باندھے جا رہے تھے جس سے خود بندھ کر اس تک آئے تھے۔

اور وہ جو اس وعدے کو ایفا کرنا مشکل سمجھتا تھا قدرت نے اس کے لیے کتنا آسان کر دیا اپنے چھوٹے سے گھر میں شفٹ ہوتے ہی صنوبر بیگم کو پنکھ سے لگ گئے۔

''عبید انیس بھائی کی طرف چلنا ہے اتنے دنوں سے میں اسی شہر میں ہوں اور جا نہیں سکی اور اب تو میری امانت بھی ہے اس گھر میں دیکھو کیسے میرا دل تڑپ رہا ہے مگر خود پر بند باندھے بیٹھی تھی چلو اب، وہ ہر دوسرے دن اس کے سر ہو جاتیں اور اس کی نظروں میں ہر اس لمحے اپنی ترقی کا پیمانہ بے حد مختصر لگنے لگتا وہ کچھ اور بڑا ہونا چاہتا تھا۔

''اماں آج نہیں چند دن ٹھہر جائیں میں معروف ہوں پھر کبھی لے جاؤں گا۔''

اماں کے اصرار اور اس کے انکار میں تین ماہ گزر گئے اور ایک دن صنوبر بیگم خود ہی ڈرائیور کے ساتھ چلی گئیں وہ جب شام کو گھر آیا وہ اس سے سخت ناراض تھیں۔

[illegible]ٹالتے رہے اتنے دن جانے سے اور وقت ہاتھ سے نکل گیا انیس بھائی اس دنیا میں نہ رہے اور جو باقی بچے ان کا کچھ پتہ نہیں خدا جانے کہاں گئے کہاں نہیں۔'' وہ روتے ہوئے ہاتھ ملنے لگیں تو جیسے اس [illegible] نے مٹھی میں لے لیا۔

پھر آنے والے دنوں مہینوں سالوں میں اس نے آتے جاتے رستوں پر راہ گزاروں گلیوں سڑکوں شہروں ملکوں جہاں جہاں اس کے قدم جاتے رہے اس کی نگاہیں متلاشی رہیں کہ ان بچھڑے ہوؤں کا کوئی نشان مل جائے مگر شاید یہ جدائی دائمی تھی جو اس کی تلاش اس

کی لگن جستجو کچھ بھی کام نہ آ سکی۔

ہاں ملک رفیق کے احسانوں کا بوجھ ایک رات اتر گیا جس کو وہ یکسر بھول چکا تھا۔

وہ کبھی تیز ڈرائیو نہیں کرتا تھا مگر اس رات اماں کی طبیعت اچھی نہیں تھی انہوں نے گھبرا کر اسے آفس فون کر دیا اور وہ دیوانہ وار گھر کی طرف بھاگا تھا کہ راستے میں اس کی گاڑی کسی کی جان لیتے لیتے رہ گئی۔ پتہ نہیں مضروب زندہ تھا کہ جان سے گیا وہ اس کی نبضیں ٹٹول رہا تھا کہ اس کی نگاہ پول لائٹ اور گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں بمپر کے نیچے پڑی ہوئی کسی چیز پر پڑی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ چیز ہتھیلی پر رکھی اور دوسرے پل دھک سے رہ گیا۔

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پہ خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں
رنجِ سفر کی کوئی نشانی تو پاس ہو
تھوڑی سی خاکِ کوچۂ دلبر ہی لے چلیں
اس شہرِ بے چراغ میں جائے گی تو کہاں
اے شبِ فراق تجھے گھر ہی لے چلیں!

''کیا کہہ رہی ہو تم۔'' اماں یوں چلائیں جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

''اماں میں سچ کہہ رہی ہوں میں سمجھی میں اغوا ہو گئی ہوں کسی نے ہاتھ کھینچ کر مجھے گاڑی میں دھکیل لیا اور جب میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو میرے منہ سے دوسری چیخ نکل گئی پھر پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا میں چیختی چلی گئی رونے لگی اور اسے مارنے لگی بہت...... بہت زیادہ پتا نہیں کون سا غبار کون سی گھٹن تھی میرے اندر کہ میرا اپنا آپ میرے بس میں نہیں رہا اور وہ مجھے گاڑی سے اتار کر...... اماں میں سچ کہہ رہی ہوں میرا یقین کریں۔''

اس کے چہرے اور آنکھوں میں کیسی چمک تھی کہ اماں مزید کچھ بول ہی نہ سکیں۔

''اور تم نے ڈاکٹر شاہ زیب سے کیا کہا؟'' صبوحی کو اچانک یاد آیا۔

''وہی جو اتنے دنوں سے آپ دونوں نہ کہہ پا رہی تھیں میں نے ان سے سب کچھ صاف صاف کہہ ڈالا اور کسی بھی قسم کا تعلق جوڑنے سے معذرت کر لی عقل مند انسان تھے فوراً سمجھ گئے اس لئے تو ہمیں یہیں ڈراپ کر گئے۔'' وہ مزے سے کہہ رہی تھی اور اماں کا صدمے سے برا حال تھا۔

"تو نے اپنی منوا کر چھوڑی اب بیٹھی رہ تمام عمر ماں کے سینے پر مونگ دلتی ہاتھوں پر مہندی کی آس لیے نامراد۔" وہ غصے میں یہی کہہ سکیں۔ سرراہ کھڑی تھیں گھر ہوتا تو شاید دو ہاتھ جڑ بھی دیتیں۔

"کوئی بات نہیں اماں جبر اور زبردستی کسی کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے کہ انسان اکیلا رہ لے اور پھر میرے ساتھ آپ ہیں نا۔" وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"ہاں چراغ سحری" وہ بڑبڑائیں۔

"اب کیا سارے تماشے یہیں دکھاؤ گی بجاؤ گھنٹی اس ویرانے میں تو یوں بھی دل کو ہول سے پڑ رہے ہیں تو یہ اتنے کروفر والے محل چوبارے اور بندہ نہ پرندہ...... ماڈرن سوسائٹی نہ ہوئی قبرستان بیابان ہو گیا۔" وہ ویرانے سے گھبرا کر بولیں تو صبوحی نے گھر کے مین گیٹ کے ساتھ لگی گھنٹی کا بٹن دبا دیا دور کہیں نقرئی گھنٹیوں کی جھنکار سی بجی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یہ وہی انگوٹھی تھی جو وہ تمام عمر اماں کی انگلی میں دیکھتا آیا تھا اور جو خالہ کے گھر سے نکلتے سمے اماں نے صبا کی انگلی میں پہنانا چاہی تھی اس میں لگے تین ننھے ننھے ڈائمنڈز اسی چمک دمک کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔

"یہ" اس نے الٹے لیٹے اس زخمی کو سیدھا کیا۔ وہ مونی تھا خالہ جان کا معین۔

اور اسے ملک رفیق سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا پھر اس وعدے کو ایفا کرنے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

پہلے دو سال تو معین کے علاج ہی میں لگ گئے تھوڑی بہت تعلیم کا سلسلہ شروع کیا آہستہ آہستہ وہ ٹھیک ہوتا چلا گیا اور نہ جانے کون مسلسل بیل بجا رہا تھا یہ چوکیدار کہاں گیا۔ وہ اپنے خیال کے پاتال سے نکلا۔

اس کے پہنچنے تک اماں بھی گیٹ کھولنے پہنچ چکی تھیں۔

"پتا نہیں یہ چوکیدار کدھر چلا گیا اور گھنٹی"

انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے گیٹ کھولا۔

گیٹ کے دونوں جانب کھڑے نفوس کے لیے ان کی زندگی کا یہ حیران کن اور ناقابل یقین منظر تھا۔

"آپا......" ایک لمبے سکوت کے بعد اماں کے منہ سے نکلا تھا۔

"بس...... سائرہ میری بہن۔" صنوبر بیگم دیوانہ وار بہن کے گلے لگیں اور یہ تو صبا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مونی، خالہ اماں اور عبید کے ساتھ رہتا ہے۔

وہ تو سمجھی تھی اس نے تن تنہا یہ میدان مارا ہے کہ اس شاندار محل کا مالک بن بیٹھا ہے وہ عبید کی ٹکٹکی سے کسی موم کی طرح پگھلی جا رہی تھی اماں اور خالہ اماں کے پیچھے چھپی جا رہی تھیں۔

"اماں بس کریں نا ہماری باری بھی آنے دیں اور پلیز کہیں بیٹھ کر یہ معانقے کر لیے جائیں میں تو قسم سے سخت تھک گئی ہوں۔"

صبوحی کی فریاد پر خالہ اماں نے ہنستے ہوئے اماں کو پرے کر کے ان دونوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔

"ہائے کیسی ترسی ہوں میں تم لوگوں کے لیے کہاں کہاں نہ ڈھونڈا تلاشا میں تو باؤلی ہو گئی تھی کہیں تم لوگوں کی مجھے صورت نظر آئے اللہ نے رحم کیا اور مونی آملا ہم سے...... خالہ اماں کے کہنے پر اماں تیزی سے اندر کی طرف بڑھیں۔

"عبید ماشاء اللہ آپا یہ تو پہچانا نہیں جا رہا عبیدالرحمٰن ہے نا۔" سامنے کھڑے عبید کو گلے لگاتے ماتھا چومتے کچھ حیران کچھ شرمساری اماں کہہ رہی تھیں۔

"پہچانا کون جا رہا ہے دیکھو میں صبوحی کو پہلے انجی سمجھی ہوں البتہ اپنی بیٹی کو میں نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا کہ یہ میری صبا ہے۔" انہوں نے محبت سے دونوں کے منہ چومتے ہوئے کہا۔

"صبا کو پہچاننے کی کیا وجہ خالہ اماں؟" صبوحی اب ذرا سا کھسک کر سر اٹھاتے ہوئے...... اس شاندار عمارت کو دیکھ رہی تھی۔

"میری بیٹی جو ہے۔" انہوں نے ایک بار پھر پُرجوش انداز میں اس کا منہ چوما تو صبا نے منہ ان کے سینے میں ہی گھسا لیا۔

"تو گویا میں آپ کی بیٹی نہیں۔" صبوحی جھٹ سے بولی۔

"آپا۔ مونی کہاں ہے۔" اماں بے قراری سے بولیں۔

"اور اس مونی کا حال دیکھو پوچھ پوچھ ہاری سومنت کی تڑپی کہ مجھے سائرہ کا پتا دے دو کہنے لگا مجھے تو پتا نہیں میں تو کب کا گھر چھوڑ چھاڑ آیا تھا۔" وہ انہیں ساتھ لے جاتے

ہوئے بول رہی تھیں۔

"اماں میری پیاری اماں مجھے معاف کر دیں کیسے......آپ کا سامنا کرتا کون کون سا دکھ نہیں پہنچایا میں نے آپ کو۔" وہ ابھی کمرے میں داخل بھی نہیں ہوئی تھیں کہ مونی ان کے قدموں میں گرا روتے گڑگڑاتے کہہ رہا تھا۔

"ارے بے وقوف نادان ماں کا دل تو سمندر ہوتا ہے جس میں اولاد کا ہر دکھ ہر گناہ سما جاتا ہے تیرے دیے ہوئے دکھوں کو تو یہ دل بھول گیا تیری جدائی کو نہیں بھول سکا، رات، دن کے کس کس پہر میں اپنے رب کے آگے جھولی پھیلا کر تیری سلامتی کی دعائیں مانگی ہیں پھر بھی دل کی تڑپن کم نہیں ہوئی تھی" اماں تو اسے قدموں سے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹائے چومے جا رہی تھیں وہ خود بھی رو رہا تھا۔ اور ان دونوں کے آنسو سب کو رلا رہے تھے۔

"اللہ تیرا شکر ہے تو نے آج یہ بھاگوں والا دن دکھایا، اتنے برسوں کے بعد اب لمبی جدائی کے بعد ملا تو دیا اب تو سچی بات ہے آپا میرا دل تو مایوس ہو چلا تھا اس مونی کی جدائی سے تو میرے دل کو ایسا روگ لگا تھا کہ بس جینے سے جی بھر گیا تھا۔" دونوں بہنیں ایک بار پھر گلے ملنے لگیں۔

"مریں تمہارے دشمن ابھی تو ہم نے اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنی ہیں، یاد ہے نا تمہارے گھر سے نکلتے وقت میں نے کچھ مانگا تھا تم نے یاد رکھا کہ بھول گئیں۔"

صنوبر بیگم، صبا کو میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے سرشار سے لہجے میں کہہ رہی تھیں اور دروازے کے فریم میں جڑا عبید الرحمٰن صبا کو تکتا ہوا پہلی ملاقات کی یاد دلا گیا۔

"کیا قطب صاحب کی لاٹ بنے جے کھڑے ہیں۔" جب وہ اس سے بری طرح سے ٹکرائی تھی اور وہ...... ہلا بھی نہیں تھا دونوں کے لب بے ساختہ مسکرائے تھے۔ صبا نے مسکراہٹ چھپانے کو منہ پھیر لیا تھا اور عبید بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔

یاد ہے آپا بالکل یاد ہے میں بھول سکتی ہوں آپ سے کیا ہوا وعدہ، یہ تو مونی نے امانت میں خیانت کی جو انگوٹھی......" اماں کو اپنی زندگی کی وہ تلخ ترین رات یاد آ گئی اور صنوبر بیگم نے آنکھوں کے اشارے سے منع کر دیا۔

"عبید بیٹا دیکھو یہ نوکر کہاں چلے گئے سارے آج تو ہمارے گھر میں خوشیوں کی

بارات اتری ہے۔" وہ کھلکھلاتی ہوئی آواز میں بولیں تو وہ سر ہلاتے ہوئے وہیں سے پلٹ گیا۔

"آپا یہ گھر......آپ اتنے عرصے سے ادھر ہی تھیں۔" اماں نے پہلے رشک بھری نظروں سے اپنے اطراف میں نظریں دوڑائیں اور پھر شکوہ بھرے انداز میں بولیں۔

"آئی تھی میں پتا کرنے تم لوگ وہ گھر محلہ سب چھوڑ کر جا چکے تھے دل میں پتھر رکھ کر بیٹھ گئی انجی اور افشی کی سناؤ۔"

"اللہ کا شکر ہے اپنے گھروں میں خوش ہیں، سوچتی ہوں پلٹ کر دیکھتی ہوں تو لگتا ہے آگ کا دریا پار کر آئی ہوں مت پوچھیں آپا آپ کے بھائی کے بعد کون سی قیامت ہے جو ہم پر نہیں ٹوٹی پھر یہ مونی اس نے تو میری جان سے کھیلنے سے دریغ نہیں کیا بس قسمت میں جو لکھا تھا بھگتا سب۔" اماں نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے ایک بار پھر اس شاندار بیڈروم کو دیکھا جو یقیناً مونی کا تھا اس کی جمبو سائز خوب صورت تصویر سامنے دیوار پر لگی تھی قیمتی پردے بیڈ قالین کمپیوٹر اے سی ٹی وی دنیا کی کون سی سہولت تھی جو کمرے میں موجود نہیں تھی۔

"عبدالرحمٰن بھائی تو اتنا کچھ چھوڑ گئے تھے کہ آپ کو کم از کم فاقوں کی مار نہیں پڑی ہم پر جو بیتی وہ مت پوچھیں۔" اماں کی بات پر صنوبر بیگم نے ایک زخمی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور ان کا ہاتھ تھپکنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"اف اماں آج پھر گھر پہ نہیں۔" وہ گھر کا دروازہ کھول کر جوں ہی اندر داخل ہوئی گھر کے سناٹے نے اسے بتا دیا کہ اماں آج پھر گھر پہ نہیں ہیں۔

"اگر میرے پاس ڈپلی کیٹ چابی نہ ہو تو شاید مجھے باہر ہی بیٹھنا پڑے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے دوپٹا اور بیگ اتار کر بیڈ پر اچھالا اور خود بھی کرسی پر گر گئی۔

"پتا نہیں اماں کو کیا ہو گیا ہے ہر وقت ان کے گھر براجمان رہتی ہیں اپنے گھر میں تو جیسے دم گھٹتا ہے، میرا بھی خیال نہیں الٹا ناراض ہوتی ہیں خواہ مخواہ۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر چینج کیا اور کچن میں آئی۔

"اف اماں کیا کرنا چاہتی ہیں میرے ساتھ۔" شیشے کی طرح صاف ستھرا کچن خالی برتن خالی فریج دودھ کی خالی پتیلی سب اس کا منہ چڑاتے محسوس ہو رہے تھے۔ جب کہ بھوک کے مارے اس کا برا حال تھا۔

آج صبح بھی وہ صرف چائے پی کر گئی تھی دوپہر میں بھی کچھ کھا نہ سکی اور اب چار بجے کھانے کے لیے کچھ ملنے کی امید نہیں تھی، اس کا جی چاہا یہیں بیٹھ کر رونے لگے اور شاید چند منٹوں میں وہ اس پر عمل بھی کر ڈالتی کہ صبوحی دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوئی۔

''تم نے کچھ کھا تو نہیں لیا؟'' اس نے ہاتھ میں پکڑے شاپر کچن کی سلیب پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''اگر باہر جانے کی ہمت ہوتی تو زہر لا کر ضرور کھا چکی ہوتی۔'' وہ جلے کٹے انداز میں بولی۔

''ویسے آج کل زہر کے علاوہ بھی جان سے کھیلنے کے اور بہت سے طریقے ہیں جن کے لیے آلہ خودکشی گھر میں ہی دستیاب ہو سکتے ہیں جیسے یہ۔'' صبوحی نے کھانا نکالتے ہوئے پھل کاٹنے والی چھری ہاتھ میں لہرائی جس نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

''اچھا تم کھانا کھاؤ میں چائے بناتی ہوں اور تمہیں پتا ہے نا آج خالہ اماں کے گھر سب کی دعوت ہے انجی افشی آپی ان کے میاں اور سسرالی سب پہنچ بھی چکے ہیں اماں کو خالہ اماں نے اسی لیے بلوایا تھا اور تم بھی تھوڑا ریسٹ کر لو تو پھر اکٹھے ہی ہم تینوں شام کو نکلیں گے۔'' وہ کھانا اس کے آگے رکھتے ہوئے تفصیل بتانے لگی۔

''یہ دعوتِ شیراز کس خوشی میں بھلا۔'' آج کل وہ بے زار سی تھی۔

''میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔''

''او کے اس پر بھی بات کرتے ہیں تم چپ کر کے کھانا کھاؤ، صبوحی نے چائے کا پانی چولہے پر رکھا تو وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔

''اور یہ معین صاحب بھی زحمت نہیں کرتے کہ اس ڈربے میں ایک آدھ چکر ہی لگا لیا کریں۔'' وہ ایک بار پھر کڑھ کر بولی۔

''تم آج کل صرف منفی باتیں سوچ رہی ہو، مونی نے ادھر ہی گھر دیکھ لیا ہے۔ فی الحال کرائے پر لے رہا ہے اماں اور اپنے لیے۔'' یہ اس کے لیے نئی خبر تھی اسے دھچکا سا لگا۔

''تو کیا میں یہیں رہوں گی اکیلی، اماں اتنی ناراض ہیں مجھ سے۔'' نوالہ منہ میں تو کیا جاتا واپس پلیٹ میں آ گرا۔ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے جنہیں صبوحی دیکھتے ہوئے انجان سی بن کر مگ نکالنے لگی تو وہ تیزی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''اٹھو چائے پیو پھر لیٹ جانا۔'' صبوحی تھوڑی دیر بعد چائے لے کر آ پہنچی اس نے زور سے اپنا چہرہ رگڑ کر صاف کر ڈالا۔

''معین کا آخری سال ہے اسے اپنا کالج ادھر سے نزدیک پڑتا ہے پھر شام کو بھی عبید کے ساتھ آفس میں کام کرتا ہے تم شکر کیوں نہیں کرتیں کہ وہ اتنا سلجھ گیا ہے، اتنا سمجھ دار ہو گیا ہے کہ اب کم از کم اماں کی ذمہ داری وہ خود اٹھانا چاہتا ہے، تعلیم مکمل کرتے ہی اسے اچھی سی جاب بھی مل سکتی ہے اور اپنا بزنس بھی کر سکتا ہے ایک شاندار زندگی اس کا انتظار کر رہی ہے اور ہمیں کیا چاہیے۔'' صبوحی نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔

''اور تم جو اس فکر میں ہلکان ہوئی جاتی تھیں شادی سے منکر تھیں کہ تمہارے بعد اماں کا کیا بنے گا تو وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ اب تمہیں کیا اعتراض ہے ہمارے ڈاکٹر شاہ زیب کو تم نے خود بھگا دیا، اب خالہ اماں اتنی چاہت اور محبت سے عبید کے لیے تمہیں مانگ رہی ہیں بلکہ تجدید عہد کر رہی ہیں تو تم کیوں انکار کر رہی ہو اماں تمہارے اس فضول انکار سے کتنی پریشان ہیں تمہیں کچھ احساس ہے۔'' صبوحی اصل موضوع کی طرف آئی جس کے لیے اماں اسے تاکید کر کے گئی تھیں۔

''چند سال پہلے تک تم اور اماں سب خالہ اماں اور عبید سے بری طرح سے خائف تھیں ان کی کنگالی کم صورتی اور کم حیثیتی سب تمہیں بری طرح سے چبھ رہے تھے اور اب جب ان کے پاس مال و دولت ہے عالیشان گھر ہے سوسائٹی میں ایک مضبوط اسٹیٹس ہے تو ہم سب ان سے رشتہ داری گانٹھنے محبتیں جتانے کے لیے مرے جا رہے ہیں، وہی انجی وہی افشی اب خالہ اماں کے گھر کے یوں پھیرے کاٹ رہی ہیں جیسے طواف کر رہی ہوں۔ اس طرح رشتہ جوڑنا نری مطلب پرستی اور چمکتے سورج کے آگے سر جھکانے کے برابر ہوگا اور یہ خوشامدی طریقہ کار نہ مجھے پسند ہے نہ قبول......اس سے اچھا تو میں'' ......وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''اس سے اچھا شاید تم شاہ زیب کا پرپوزل قبول کر لو'' صبوحی نے فوراً اس کی بات اچک لی تو اس نے منہ پھیر لیا۔

''یہ تو وقت وقت کی بات ہے اور اچھا برا وقت سب پر آتا ہے اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس پر کبھی بہت برا وقت آیا ہو جب اچھا وقت آئے تو وہ ہر وقت اس برے وقت کو یاد کر کے روتا رہے، بُرے منہ بناتا رہے یا سوچ سوچ کر اپنی جان ہلکان کرتا رہے کہ فلاں نے

کیا۔ یہ سب تو زندگی کا حصہ ہے وقت اچھا ہے یا برا بہر حال گزر جاتا ہے برے وقت کو یاد رکھو مگر، یہ وقت منہ بسورنے کے لیے نہیں بلکہ اس سے مثبت سبق سیکھنے کے لئے ...... کیا ہم نے نہیں گزارا سخت وقت ...... اس وقت کتنے اپنے قریبی لوگ تھے جنہوں نے ماتھے پر آنکھیں رکھ لی تھیں جیسے جیسے ہمارا برا وقت گزرتا گیا ان کی آنکھیں بھی اپنے ٹھکانے پر آتی چلی گئیں اور ہمارے ساتھ یہ سب انوکھا نہیں ہوا سب کے ساتھ ایسے ہی ہوتا ہے۔'' صبوحی نے کہا

''ہوتا ہوگا میں نہیں کرسکتی۔'' وہ رکھائی سے کہتی ہوئی چائے پینے لگی پھر صبوحی اسے بار بار سمجھانے کی کوشش کرتی رہی مگر وہ ہر بار ان سنی کر کے ادھر ادھر پھرتی رہی شام گہرے ہونے پر عبداللہ صبوحی کو لینے چلے آئے۔

''اچھا میں جا رہی ہوں۔ ! تم اکیلی رہو ادھر۔ اب سب لوگ پوچھیں گے تو میں صاف کہہ دوں گی کہ ڈاکٹر صبا بیٹھی ہوئی اپنے اور دوسروں کے بیتے وقت کا سوگ منا رہی ہیں، اماں نے فون کر کے تاکید کی تھی، تم پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا اب مجھ سے بات نہ کرنا۔

''صبوحی ناراضی سے کہتی ہوئی عبداللہ کے ساتھ چلی گئی تو وہ کندھے اچکا کر ٹی وی دیکھنے لگی۔

''اماں کو اب اپنا گھر اچھا ہی نہیں لگتا وہاں ڈیرے ڈال کر بیٹھے رہو ہونہہ!'' ٹی وی دیکھتے ہوئے بھی اس کا دماغ کھولتا رہا تھا اس کا دل اس بات کو تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ عبید اور خالہ اماں ان کے سلوک کو بھول چکے ہوں گے۔

اس وقت دروازے پر دستک ہوئی

''اس وقت کون آگیا؟'' اس نے قدرے پریشانی سے کلاک کی طرف دیکھا نو بجنے والے تھے۔

''کون؟'' اس نے دروازے کے قریب آ کر پوچھا۔ ''میں ہوں کھولو۔'' معین کی آواز پر اسے انوکھی خوشی ہوئی اس نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

''تم تیار نہیں ہوئیں ابھی تک؟'' وہ اسے عام سے کپڑوں میں کھڑے دیکھ کر قدرے حیرت سے بولا۔

''کیوں مجھے کہاں جانا تھا؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''صبوحی تو کہہ رہی تھی کہ تم آرام کر رہی تھیں۔ اب تیار ہو چکی ہوگی تو میں جا کر تمہیں لے آؤں'' وہ اندر آ کر بیٹھ گیا۔

''تو تم صرف اس کے کہنے پر آئے ہو ورنہ تم کبھی بھی نہ آتے ادھر ہے نا'' وہ کچھ طنز سے بولی۔

''کیوں مجھے ادھر آنے میں کیا ہے جو نہیں آتا۔'' ''میں نے کہا شاید اماں کی طرح تمہیں بھی اس بیک ورڈ محلے میں آنا رہنا پسند نہیں۔'' اس کی بات پر وہ غور سے اس دیکھنے لگا۔

''ویسے ڈاکٹر بننے کے بعد بھی تمہاری عقل مبارک میں لگتا ہے کوئی سیر بھر اضافہ بھی نہیں ہوا۔'' وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا اور باقیوں کی عقلیں منوں کے حساب سے بڑھ گئی ہیں تبھی تو سب نے اتنا اچھا حساب کتاب سیکھ لیا ہے کہ کس طرف جھکنا زیادہ منافع بخش ہوسکتا ہے۔'' وہ طنز کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا تم چلو میں راستے میں تمہیں اسکا جواب دیتا ہوں سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں اماں مختلف بہانے گھڑے جا رہی ہیں۔''

مجھے نہیں جانا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''صبا تمہارے پاس دس منٹ ہیں ورنہ تمہیں میں اسی طرح لے چلوں گا اور تم مجھے جانتی ہو۔ وہ اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے بولا تو وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر پیر پٹختی باہر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

''میں نے ادھر گھر دیکھ لیا ہے اب رات کو تو سب ادھر ہی رہیں گے صبح دکھاؤں گا اماں کو تو دکھا دیا ہے انہیں پسند بھی آگیا ہے راستے میں معین اس کے خراب موڈ کی پروا کیے بغیر بتانے لگا۔

صبا نے یونہی سر اٹھا کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے مونی کو دیکھا۔

اس مونی میں اور چھ سات سال پہلے مونی میں زمین آسمان کا فرق تھا نفاست سے کٹے سنورے بال کشادہ پیشانی زندگی سے بھرپور چمکیلی آنکھیں مضبوط مردانہ جسم اور نفیس لباس ...... اتنے دنوں میں صبا نے پہلی بار اسے اتنے غور سے دیکھا تھا۔

''ماشاءاللہ اس نے مسکراتے ہوئے دل میں کہا اور نگاہیں ہٹالیں

''کیوں تمہیں اب اس پسماندہ محلے میں رہتے ہوئے شرم آئے گی؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔ ''نہیں ایسی بات نہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اماں اب خالہ اماں کے آس پاس ہی رہنا چاہتی ہیں دونوں بہنوں نے ایک لمبی جدائی جھیلی ہے اور انہیں کوئی اپنا قریبی نظر

بھی نہیں آتا دوسرے...... صبا میں یہ بات صرف تم سے کر رہا ہوں۔'' اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا مجھے اس محلے سے عجیب سا خوف آتا ہے۔

''خوف'' وہ حیران سی ہوئی۔

''ان دنوں کا خوف، نشے کی اس ذلیل حالت کا خوف ایک ایک نوٹ کی خاطر نشے کی ایک پڑیا ایک انجکشن کی خاطر جان دینے اور لے لینے کا خوف پتا ہے جب میں اس رات انگوٹھی لے کر فرار ہوا اور عبید بھائی کی گاڑی سے ٹکرایا تو مجھے امید نہیں تھی کہ میں اب بچ سکوں گا، گاڑی کی ذرا سی ٹکر نے میرے لاغر بدن کو جیسے کسی کانچ کے برتن کی طرح چکنا چور کر دیا تھا۔ عبید بھائی سے پوچھنا میں پورے تین ماہ ہسپتال میں رہا اور اس کے بعد پورے سترہ ماہ اس ذلیل نشے کے علاج کے لیے یہ مدت جسمانی طور پر صحت یاب ہونے کے لیے لگی اور ذہنی طور پر مضبوط قوت ارادی کا مالک بننے میں مجھے شاید ڈیڑھ سال لگ گیا اس دوران خالہ اماں بار بار میری منت سماجت کرتی رہیں کہ میں انہیں اماں کا پتا بتا دوں اور میں جانتے بوجھتے انکار کرتا رہا اور پتا ہے آج سے چند ماہ پہلے جب ایک روز اماں کی یاد میرے دل و دماغ پر کسی آندھی کی طرح چھائی تو میں دیوانہ وار ان گلیوں کی طرف بھاگا۔'' وہ رک رک کر بولا

''اور پتا ہے میں گھر کا راستہ بھول گیا میں سارا دن ان گلیوں کے اردگرد اندر باہر تکتا رہا اور مجھے گھر نہیں ملا مگر جگہ جگہ ٹوٹی پھوٹی گلیوں کے تھڑوں پر نکڑوں اور سیلن زدہ ڈیوڑھیوں میں نشے میں مبتلا گردوپیش سے بے گانہ خود سے بے خبر کتنے ہی اپنے جیسے نظر آئے کہ ان کے حلیے کسی جانور سے مشابہ تھے منہ سے بہتی رالیں آنکھیں مندی ہوئیں گندے غلیظ جوؤں والے بال بدبودار میل سے اٹا بدن اور چیتھڑے پہنے ہوئے مکھیوں اور جسم پر رینگتی چیونٹیوں اور کیڑوں سے بے خبر یہ لاغر نوجوان میرے دل میں ہمیشہ خوف بٹھا گئے تھے کہ اب اگر میں دوبارہ ادھر آیا تو کہیں وہی دلدل پھر سے نہ مجھے اپنے اندر کھینچ لے، صبا میں ڈر گیا تھا بہت بری طرح سے......

کتنے دن مجھے ادھر آنے کی ہمت ہی نہ ہوئی پھر بھی دو تین ماہ بعد میں صرف تم لوگوں کی تلاش میں چکر لگا لیتا اور اماں کی خفگی کا خیال کیسے ان کا سامنا کروں گا یہ خوف مجھے ان گلیوں سے بھگائے رکھتا۔''

''مونی ان گلیوں میں بسنے والے یہ مفلوک الحال غربت کے مارے روٹی اور دال کے حصول کی چکی میں پستے یہ ہمارے لوگ جو بالآخر اس روٹی دال کے حصول میں ناکامی پر اس

ذلت بھری زندگی کی دلدل میں اتر جاتے ہیں اگر تمہاری طرح سب ہی لوگ ان سے خوف زدہ ہو کر نفرت کرتے رہے تو یہاں کا حال کیا ہوگا یہ عفریت تو ان گلیوں کی رگوں سے زندگی کا لہو سارا کا سارا چوس لے گا تمہیں تو اس ذلت کا تجربہ ہو چکا ہے تمہیں تو ان کے لیے کچھ مثبت سوچنا تھا۔'' صبا کی نظروں کے سامنے ان گلیوں کے ایسے منظر ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔

''میں نے یہ ہی کیا ہے عبید بھائی اور ان کے ایک دوست ڈاکٹر خرم مل کر ایک چھوٹے سے ''روشن کل'' نامی ادارے کے نام سے کام شروع کر چکے ہیں ابھی تو ہمیں کام شروع کیے تین ماہ ہوئے ہیں، تم ہمارے ساتھ آملو عبداللہ بھائی نے بھی وعدہ کر لیا ہے تو ہم یقیناً چار بستروں کے اس مختصر ہسپتال کو وسیع کر سکیں گے اور میں کچھ کفارہ اپنے ان گناہوں کا ادا کرنے کے قابل ہو سکوں گا۔'' معین کی بات پر صبا کو ایک بار پھر قابل فخر سی حیرت ہوئی کہ یہ واقعی مونی ہے تو اللہ اسے میری عمر بھی لگا دے۔

''تم ہی ہمیں چھوڑ گئے تھے ورنہ مونی صبا تو اول روز سے تمہارے ساتھ رہی ہے ہر کھیل میں تمہاری پارٹنر تمہاری دوست۔'' وہ یکدم اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے نم لہجے میں بولی۔

''آئی نو مائی سسٹر اور آج مجھے ان کوتاہیوں اور زیادتیوں کی بھی تم سے معافی مانگنی ہے جو میں تم سے خاص طور پر کرتا رہا میں تم سے ڈرتا تھا تمہاری دوستی تمہاری محبت سے کہ وہ مجھے کمزور نہ کر ڈالے اور میں بے وقوف سمجھتا ہی نہیں تھا کہ محبت تو انسان کو طاقتور کرتی ہے نہ کہ کمزور۔'' ان کی گاڑی رحمٰن پیلس کے آگے کھڑی ہوئی تو صبا اپنے آپ کو سمیٹ کر بیٹھ گئی اتنے دنوں سے جو کانٹا اس کے سینے میں گڑا تھا آج اس کے نکلنے کی گھڑی آ گئی تھی۔ گیٹ کے پاس ہی سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس اونچے لمبے شاندار سے عبیدالرحمٰن کو دیکھتے ہوئے وہ معین کے پیچھے تقریباً چھپتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ عبید کی شوخ مسکراتی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا

☆ ☆ ☆

''بس سائرہ مجھے تو اب شادی کی تاریخ دو وہ بھی اس مہینے کے اندر میں اب اور اپنی بیٹی سے دور نہیں رہ سکتی۔'' کھانے کے بعد قہوے کا دور چل رہا تھا جب اچانک خالہ اماں نے پاس بیٹھی صبا کو اپنے قریب کرتے ہوئے کہا تو وہ پل بھر کو ساکت سی رہ گئی۔

''آپ بڑی ہیں جو تاریخ رکھیں گی مجھے منظور ہے۔'' اماں کا جواب ان سے بھی

زیادہ حیران کن تھا کہ صبا ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی سب حیران سے اسے دیکھنے لگے اس نے ایک نظر پورے لاؤنج پر دوڑائی افشی آپی ان کے میاں ان کے بچے انجی، عامر بھائی ان کی والدہ صبوحی اور عبداللہ بھائی پھپھو مونس چچا اور چچی......اسے تو چچا چچی کی آمد کا بھی......ادھر آ کر پتہ چلا تھا ورنہ اتنے برسوں میں ان سے تعلق واجبی سا رہ گیا تھا سالوں میں ایک آدھ فون آتا تھا اور بس جب کہ خالہ اماں نے آج شاید اسی تاریخ وغیرہ کے سلسلے میں اتنا بڑا فنکشن رکھا تھا۔

''اماں پلیز آپ کو مجھ سے کم از کم پوچھنا چاہیے تھا مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اور اگر کرنی بھی ہو گی تو......اس نے لق دق بیٹھے سب کے چہروں کی طرف دیکھا۔ ''ادھر نہیں ایکسکیوز می'' کہہ کر وہ رکی نہیں اماں تو غش کھا کر گرنے کو تھیں کہ ایک طرف سے انجی نے تو دوسری طرف سے چچی جان نے انہیں سنبھالا۔

عبید نے ایک دھواں دھواں سی نظر اپنی ماں کے اترے ہوئے چہرے اور بے ہوش ہوتی خالہ کی طرف ڈالی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''صبا پلیز رکیں میری بات سنیں۔'' وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا تھا وہ روش پر چلتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''سن رہی ہوں میں۔'' وہ اسی طرح چلتے ہوئے لاتعلقی سے بولی۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں آپ کے اس انکار کی؟'' وہ اب گیٹ کے قریب پہنچ چکی تھی اس نے رک کر ایک اچٹتی سی نگاہ عبید کے چہرے پر ڈالی اور جھٹکے سے گیٹ عبور کر گئی مؤدب بیٹھا چوکیدار اٹھتے ہوئے ایک طرف ہو گیا۔

عبید اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

''وجہ میں بتا آئی ہوں مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔''

باہر اکتوبر کی اولین راتوں کی نرم خنک ہوا چل رہی تھی کوٹھیوں کے باغیچوں اور لان میں لگی پول لائیٹس کی مدھم دودھیا روشنیاں سڑک پر درختوں کے لمبے لمبے سائے بنا رہی تھیں صبا ہموار سڑک پر بے آواز قدموں سے چل رہی تھی عبید اس کے برابر چل رہا تھا۔

''اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی بتایا کہ اگر کرنی بھی ہوئی تو میرے ساتھ نہیں...... یہ کہیں میرے اس سوال کا جواب تو نہیں جو افشی آپی کی بارات کے دن میں نے آپ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تھا کہ آپ بھی دوسروں کی طرح مادی چیزوں پر یقین رکھتی ہیں ان سے محبت کرتی ہیں اچھی شکل وصورت اور روپے پیسے سے۔'' وہ کہتے ہوئے رک گیا تھا صبا نے

تڑپ کر اسے یوں دیکھا جیسے کسی نے اسے گالی دی ہو۔

''میں آپ کو ایسی نظر آتی ہوں'' وہ لبوں میں بڑبڑائی۔

''یہی تو بات ہے آپ مجھے ایسی نظر نہیں آتی تھیں تو میں نے یہ سوال آپ سے پوچھ ڈالا تھا اور آپ پر ابھی میرے اس سوال کا جواب بھی ادھار ہے۔'' وہ اس کے بالکل پاس ہوتے ہوئے بولا تو وہ نظریں چرا گئی۔

''اگر اس کا جواب میں اسی وقت دے پاتی تو شاید آج انکار کی نوبت نہ آتی''۔ وہ ہولے سے بولی۔

''کیا مطلب؟ وہ واقعی نہیں سمجھا۔

''اس وقت میں واقعی مادی چیزوں کی خاطر کسی کو پسند نہیں کرتی تھی میرا خلوص اس وقت بھی بے ریا تھا اور آج بھی لیکن آج اگر میں یہ بات کہوں گی تو لوگ اسے ترازو میں تولیں گے جس کے ایک پلڑے میں میرا جواب ہوگا دوسرے میں آپ کی دولت اور اسٹیٹس۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''صبا پلیز مجھے ٹھیک سے بتاؤ میں ابھی بھی نہیں سمجھا اچھا ادھر آ کر بیٹھو پارک کے بینچ پر پھر مجھے بتاؤ۔'' وہ بے اختیار ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر دو قدم پر پارک کے چھوٹے سے گیٹ کی طرف اسے لے گیا بینچ پر بیٹھنے تک صبا اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی رہی۔

''اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے جب آپ نے پہلی بار مجھ سے یہ بات پوچھی تھی آپ تہی دامن تھے اور یہی سوال خالہ اماں نے اماں سے کیا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا تھا اور آج اماں کیسے راضی ہیں اس لئے کہ آپ آج تہی دامن نہیں خالی جھولی نہیں دولت مند ہیں۔''

وہ اس کے کوڑھ مغز ہونے کا خیال کر کے تیزی سے بولی۔

''نہیں صبا میں تو آج بھی تہی دامن ہوں خالی جھولی ہوں۔'' اس نے ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے افسردگی سے کہا اور سنگی بینچ کی ٹھنڈی بیک سے ٹیک لگا لی۔

''یہ سب۔ میں نے کسی جادو کی چھڑی سے حاصل نہیں کیا کامیابی اور کامرانی انسان صرف دو طرح سے حاصل کر سکتا ہے یا اس کے پیچھے محبت کا حوصلہ کارفرما ہو یا کسی نفرت کی مہمیز اور میرے پیچھے یہ دونوں عوامل تھے۔'' وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

''تمہاری محبت کا حصول۔ جو اگرچہ اس دوپہر میں نے تمہاری آنکھوں میں پڑھ لی

محض......“ وہ اب جیسے رو دینے کو تھا۔

”یہ بات نہیں ہے یہ سب یکطرفہ نہیں تھا صرف آپ کی خوش فہمی نہیں......اپنی زندگی کے کٹھن دن میں نے بھی محبت کی جلتی لَو کو دیکھ دیکھ کر بتائے ہیں یہی سب......یہی سب تو میرے ساتھ ہوا ہے......مگر۔“ وہ جھجک جھجک کر کہہ ہی گئی۔

”کیا“ اسے جیسے کسی چیز نے کاٹا تھا اچھل ہی پڑا۔ ”تو یہ سب محض میری خوش گمانی نہیں تھی۔“

وہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں جکڑتے ہوئے جوش بھری آواز میں بولا۔

”اور یہ......صبا بولو اس کا کیا مطلب ہے اور تمہارا سب کے بیچ انکار کیا معنی ہیں اس کے، وہ بے قراری سے اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے اٹھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”عبید جب آپ اور خالہ اماں ہمارے گھر سے نکلیں۔ اس برستی یخ بستہ شام میں آپ نے پلٹ کر جن نگاہوں سے ہمارے گھر کو دیکھا تھا وہ آہ بھری نگاہ ہماری چوکھٹ سے چمٹ گئی اور ہم......ہم برباد ہو گئے اس لمحے کے حصار میں آ کر......“ وہ بے اختیار رونے لگی۔

”ابا چلے گئے، ہم گھر سے بے گھر ہو گئے، سائبان سے نکل کر ننگی سڑک پر آ گئے ہر گندی میلی نظر کے سامنے۔ مونی......اچھا بھلا مونی ہماری اپنی جان کا دشمن بن گیا......وہ لمحہ ہماری گردنوں کا طوق بن گیا، میں نے اس سارے دکھ بھرے دنوں میں پل پل لمحہ لمحہ آپ دونوں نے اپنے رب سے ہاتھ جوڑ کر اس لمحے کی معافی مانگی اور معافی ملتے ملتے اتنے سال ہاتھوں سے نکل گئے اور پتا نہیں ملی یا نہیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

”نہ ملی ہوتی تو کیا ہم دونوں ادھر بیٹھے ہوتے صبا آزمائش کی گھڑیاں سب پر آتی ہیں کسی پر جلدی کسی پر دیر سے......تم جس کا ذکر کر رہی ہو وہی لمحہ مجھے کندن بنا گیا اگر اس شام ہم تمہاری چھت کے نیچے سے نکل کر کھلے آسمان تلے نہ آتے تو شاید تمہارے سامنے یہ کامیاب عبید نہ ہوتا بلکہ ایک مڈیو کر ایک معمولی سا ملازم یا دوکاندار عبید ہوتا، تم جس لمحے کو اپنی گردنوں کا ضوق سمجھتی رہی ہو میں نے جب جب اس لمحے کے بارے میں سوچا وہ مجھے اپنے لیے مبارک ترین لگا مجھے اس لمحے نے آزمائش کی بھٹی میں جھونکا اور کندن بنا کر نکال دیا اور دیکھو وہ آزمائش کی گھڑیاں وہ جدائی کے دن بیت چکے اب محض اس خوف سے کہ لوگ کیا کہیں گے ہم ایک دوسرے کو چاہنے کے باوجود چھوڑ دیں تو پھر یہ تو سیدھا سیدھا کفران نعمت ہوگا نا“ وہ اس کے گالوں پر اٹکے آنسو انگلیوں کی پوروں میں چنتے ہوئے بولا تو وہ جھینپ کر پیچھے سرک گئی۔

تھی مگر اس کا حصول اس وقت میرے لیے ناممکن تھا اس حصول کو ممکن بنایا خالہ اماں کے کٹھور روپ نے یقین جانو اگر اس روز خالہ اماں ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرتیں تو آج تمہارے سامنے یہ کامیاب عبید نہ کھڑا ہوتا۔ میں اپنی جدوجہد کے دوران جب جب کمزور پڑا مجھے ان دونوں باتوں نے مضبوطی بخشی، یقین مانو خالہ اماں میرے لیے بہت محترم ہیں وہ لالچی اور حریص بھی نہیں انہوں نے اس وقت جو کچھ کیا وہ عین حالات کے تقاضے کے مطابق تھا جیسے حالات ان کے تھے کون اتنے دنوں تک بے وجہ کی مہمانداری کو برداشت کرتا ہے، پھر ہمارے ساتھ لگا موت اور دہشت کا ہوّا۔ وہ جوان بیٹیوں کی ماں تھیں ہم سے ان کا احتراز بے جا نہ تھا لیکن اماں میں ہم میں سے کوئی بھی ان کی جگہ ہوتا تو یقیناً اس کا رویہ ان سے کسی طرح مختلف نہ ہوتا اور میرا دامن خالی کیوں ہے صبا میرا زادِ راہ تو تمہاری محبت کا یقین تھا میرے دل کو پختہ یقین کیا ہوا جو یہ دل زمانے کے جور و ستم سہہ رہا ہے اس کا سرمایہ محبت تو محفوظ ہے نا اتنے برسوں میں ایک پل کو بھی میرے دل کو یہ بدگمانی نہیں ہوئی کہ میرا سرمایہ لٹ چکا ہے اور آج......آج بھری محفل میں تم نے یہ کیسے میری محبت کا مذاق اڑاتے ہوئے میری کم مائیگی کا اعلان کر دیا......“

وہ رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا ان کے سر پر کھڑے شیشم اور سفیدے کے پتے خنک ہوا میں ہلکی ہلکی تالیاں سی بجا رہے تھے۔

”میں جو رات سونے سے پہلے اس خزانے کو سینت سینت کر پرکھ کر رکھتا اور پھر مطمئن ہو کر سو جاتا کہ میں تو مفلس ہونے کے باوجود سب سے مالدار ہوں آج تم نے مجھے سب کے سامنے مفلس بنا دیا ایک بار پھر......“

اس کی آزردگی نے ایک بار پھر صبا کو پشیمان کر دیا۔ ”مونی مجھے ملا تو لگا منزل میرے پاس آ گئی ہے اور......“

وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ کچھ بوکھلا کر کچھ پشیمان سی کہنے لگی۔

”میں نے تو سنا ہے پڑھا ہے محبت دو دلوں کا معاملہ ہوتی ہے ایک دل میں جنم لیتی ہے تو دوسرے کے دل میں خود بخود اُگ آتی ہے اور میں اتنے سال اسی خوش گمانی میں مبتلا رہا کہ تم بھی اس طرح چپکے چپکے میری طرح مجھ سے محبت کرتی رہی ہو گی اور اس دوری نے اس کی جڑوں کو اور بھی مضبوط کر دیا ہوگا اتنے برسوں میں مجھے ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ تم کسی اور کی نہ ہو چکی ہو صبا مجھے بتاؤ یہ محبت کا یقین نہیں تھا تو اور کیا تھا میری خوش فہمی خوش خیالی تھی

''میں تو تمہیں چاہتا ہوں پہلے دن کی پہلی نظر سے جب تم لحافوں کا گٹھڑ سر پر رکھے مجھ سے ٹکرائی تھیں اور تم...... مجھے چاہتی ہو یا نہیں اس کا جواب ابھی تم پر ادھار ہے آج دوبارہ پوچھ رہا ہوں، بولو۔''

وہ پھر سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سب لوگ پریشان ہوں گے چلتے ہیں''

''واپس جا کر بھی تو ان کی پریشانی رفع کرنی ہی ہے، ہے نا۔وہ معنی خیز انداز میں بولا تو وہ یونہی سر ہلا کر آگے بڑھنے لگی۔

''یہ بتاؤ تاریخ کون سی رکھیں۔ وہ اس کا ہاتھ دبا کر بولا تو اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور دو قدم پرے ہو کر کھڑی ہوگئی۔

''مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اور کم از کم۔''

''ویسے یہ کم از کم شادی کون سی ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ کون سی؟'' وہ شرارت سے اس کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔

''کم از کم نہیں ہوتی اور زیادہ سے زیادہ کا مطلب ہے شادی فارغ.....'' وہ مدھم سی ہنسی کے ساتھ بولی

''تو تم کیا کرو گی میرے ساتھ'' وہ بھولپن سے بولا۔

''ان دونوں کے بیچ جو ہوتا ہے یعنی.....'' وہ اسے دیکھتے ہوئے تیز تیز قدموں سے پارک کے گیٹ سے نکل گئی۔

''یار یعنی کیا'' وہ جب اس کے قریب پہنچا تو ہانپ رہا تھا۔

''چھ سال ہو گئے تمہارے پیچھے بھاگتے ہوئے ابھی بھی کیا اس عملی جمناسٹک اور لانگ جمپ کی کسر باقی تھی۔'' وہ اسے کندھوں سے تھام کر اپنی طرف گھماتے ہوئے بولا تو وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی شفاف بے ریا کھنک دار ہنسی کہ عبید اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اسے اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا تھا اس کا سارا لٹا ہو سرمایہ اسے مل گیا تھا محبت کے سارے خزانے۔

وہ اس کے ہاتھ تھامے اسے اندر لے کر جا رہا تھا محبت کی نئی منزلوں کی جانب۔